

”یعنی پیشائے“
اور

انقلابِ افغانستان

عبداللہ مملک



”یہ مفتی۔ یہ مشائخ“

جلد

انقلابِ افغانستان

M. Muhammad Baig

عبداللہ ملک

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار دوم _____ مارچ ۱۹۸۵ء

ناشر _____ کوئٹہ پبلشرز

مطبع _____ اکبر امین پرنٹرز

قیمت _____ روپے



کوئٹہ پبلشرز — ۳۳ ٹیپو بلاک
فون: ۱۵۱۴۰۰ - نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

انتساب

پیرے دوست عباس سے اظہر کے نام

ترتیب

- ۵ ————— ابتدائیہ
- ۷ ————— نظمیں
- ۱۳ ————— پہلا باب
- انقلاب افغانستان سے دشمنی کیوں؟
- ۳۹ ————— دوسرا باب
- انقلاب کیسے بپا ہوا
- ۵۸ ————— تیسرا باب
- انقلاب افغانستان کی بنیادی خصوصیات
- ۸۱ ————— چوتھا باب
- کیا انقلاب افغانستان اسلام دشمن ہے؟
- ۹۶ ————— پانچواں باب
- نئی زندگی ————— نئے اسلوب
- اصلاحات سے متعلق حکمائے
- ۱۲۳ ————— چھٹا باب
- پاکستان کے رجعت پسند ایک خطرناک کیبل میں ملوث ہیں
- ۱۳۲ ————— ساتواں باب
- انقلاب افغانستان اور امریکہ

ابتدائیہ

بے جاوہ دراہ ہے جو منزل

میں اس کا نشان دے رہا ہوں

افغانستان کے انقلاب کو ایک سال ہو گیا ہے اور یہ اوراق اس انقلاب کی کامیابیوں اور کامرانوں کا ایک جائزہ ہیں، یہ جائزہ ہمارے لئے بہت ہی اہم ہے۔ کیونکہ افغانستان ہمارا ہمسایہ ملک ہے جس کے ساتھ ہمارے گہرے تمدنی، نسلی اور دینی رشتے ہیں۔ یہاں پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کا اثر ہماری زندگی پر بہت تیزی سے پڑنا لازمی ہے، اس لئے اس انقلاب سے جہاں سامراجی پریشان ہیں دلوں ہمارے ملک کے سرمایہ دار، جاگیردار اور جماعت اسلامی جن کا براہ راست رشتہ سامراجی ممالک کے ساتھ بہت گہرا ہے بھی سخت پریشان ہیں، لہذا ان دتران ہیں اور پہلے دن سے ہی وہ اس انقلاب کے خفیلہ پاکستانی رائے عامہ کو دھوکہ دینے میں مصروف ہیں۔

آج جب اس جہاں دلعزیب میں غریب اور امیر کی طبقاتی جنگ جگہ جگہ اور دس دس میں لڑی جا رہی ہے تو یہ مختلف ممالک میں جو انقلاب بپا ہو رہے ہیں یہ بھی اسی طبقاتی جنگ کی ایک ارفع و اعلیٰ شکلیں ہیں۔ کیونکہ ہر ملک میں جہاں انقلاب رونما ہوتا ہے، جہاں اقتدار غریبوں، محنت کشوں، مزدوروں، کسانوں اور ترقی پسند دانشوروں کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ وہ ملک سامراج کے کیمپ سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے سامراجی اپنی ان شکستوں سے بڑھکلا اٹھتے ہیں، اس لئے یہ امیر اور غریب کے درمیان طبقاتی کشمکش صرف اندرون ملک ہی نہیں لڑی جاتی بلکہ یہ بین الاقوامی سطح پر بھی لڑی جاتی ہے اور اندرونی امیروں کا، بیرونی چوہدریوں یعنی سامراجیوں سے ایسی بنا پر گہری جھڑپیں ہوتی ہیں اور وہ ایک ہی انداز سے انقلابی ملکوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج اندرون ملک اگر ایک طرف قومی اتحاد کے رہنما افغانستان کے انقلاب کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں تو بالکل اسی انداز میں امریکا اور برطانیہ شور مارتے ہوئے ہیں۔ اس مسئلے میں مفتی محمود، جماعت اسلامی، الدہلی لی سی میں کامل اتحاد اور دیکھا لگت ہے، تو رائے وقت کے تبصروں اور تجزیوں میں اور دہلی لی سی کے تجزیوں میں ہلکی مماثلت ہے۔ جیسے "ابوزہرہ غفاری" اور "ڈیوڈ پیچ" کے سوتے ایک ہی منبع سے پھوٹتے ہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ انقلاب افغانستان کی پوری ماہیت کو سمجھا جائے، یہ اس لئے بھی ضروری

ہے کہ جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو ہم دوڑوں ممالک میں سرد جنگ، نقطہ خروج پر پہنچ رہی ہے اور باشعور لوگ خوفزدہ ہیں کہ ہماری "بیوقوفیاں" کہیں یہی ایک نئی جنگ میں نہ دھکیل دیں، اس لئے ہمارے عوام کا فرض ہے کہ وہ اپنے دفتر خارجہ سے لیکر جماعت اسلامی تک کی ریشہ دوانیوں کے بارے میں اگر کچھ نہ سمجھتے اور کاغذ بلند نہ کی تو ہم ایک ایسی محاذ آرائی میں الجھ جائیں گے جس سے ہماری بقا اور ہمارا وجود بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے اور ایسے حالات میں جہاں بھی فعل تلسیوں کے سوا کوئی بہاری امداد نہ کر سکے گا۔

ان اوراق میں مختلف دوستوں کے مضامین بھی میں نے شامل کئے ہیں، سب سے اہم قودہ ضامین ہیں جو سرحد تا مدین انقلاب افغانستان نے رقم کئے ہیں، ان کے علاوہ ڈاکٹر فروزا احمد کے دو مضامین ہیں ایک "ترکستان" انمول نے اپنے حالیہ افغانستان کے دورے کے بعد رسم کیلئے اپنے اسی طرح اجمل شکک کے انقلاب افغانستان کے بارے میں چشم دید حالات بھی دے دیئے ہیں، ہماری ان تمام کرکشنوں کا مقصد انقلاب افغانستان کے انقلاب کی ایک سال کی کامیابیوں اور ناکامیوں کو تفصیل سے جاننا ہے۔ اس سے لئے کہ انقلاب کے اثرات بہتے بہتے دور رس ہوتے ہیں۔

اتنا بے رنگ دکھ کر نہیں جائے، ہر رنگ جاں شجاع بدن برائے گی
لوگ پھر سے اچھالیں گے اپنا لہو اور رنگوں قبلے وطن ہوے گی
(احمد فراز)

عبداللہ ملک ۱۵ مارچ ۱۹۸۵ء

دوسرے ایڈیشن کیلئے

یہ اوراق کوئی چھ برس پہلے تحریر ہوئے بلکہ افغانستان کے انقلاب کو بشکل ایک ہی سال گزرا تھا اور ابھی روسی افواج انقلاب افغانستان کی مداخلت کے لئے افغانستان میں نہیں پہنچیں تھیں لیکن اس وقت بھی پاکستان کے رجعت پسند کے خلاف "بشمیر برہنہ" بن کر رد انقلاب کی عملی حمایت میں مصروف تھے اس لئے یہ سمجھنا کہ پاکستان کی حکومت سوویت یونین کی مداخلت کے بعد سرگرم عمل ہوئی ہے حقیقت کے منافی ہے۔ اس لئے یونین نے ان مصیقت کے آخر میں ایک باب کا اضافہ کر دیا ہے کہ کس طرح آج امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک عملاً پاکستان کو کس طرح عالمی سرد جنگ کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ اور یہ کتنا خطرناک کھیل ہے جس کے نتائج کے شاید ہم تحمل نہ کر سکیں۔ اس لئے آج ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ حکومت پر دباؤ ڈالے تاکہ پاکستان کو اس آگ اور غور کے کھیل سے بچایا جاسکے۔

عبداللہ ملک ۸ مارچ ۱۹۸۵ء

ہم دیکھیں گے

ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے

وہ دن

کہ جس کا وعدہ ہے

جو لوحِ ازل پر لکھا ہے

جب ظلم و ستم کے کوہِ گراں

روٹی کی طرح اڑ جائیں گے

عکوموں کے پاؤں تلے

جب دھرتی تھر تھر دھڑکے گی

اور اہلِ حکم کے سرِ ادب

جب بجلی کر ٹکڑا کر ٹکڑے کی

جب بندِ خدا کے کہنے سے

سب بُت اُٹھائے جائیں گے

ہم اہلِ صفا

مردِ درِ حرم

مسند پہ بٹھائے جائیں گے

سب تاج اچھالے جائیں گے

سب تخت گرائے جائیں گے

بس نام رہے گا اللہ کا

جو بختِ نب بھی ہے حاضر بھی

جو حشر بھی ہے، ناظر بھی

اُسے گا انا الحق کا نعرو

جو میں بھی ہوں

اور تم بھی ہو

اور لاج کرے گی خلقِ خدا

جو میں بھی ہوں

اور تم بھی ہو

علامہ اقبال

رومی بدلے، شاعری بدلے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزندِ کہستان! اپنی خودی پہچان
اپنی خودی پہچان
ادغِ نفلِ افغان

موسمِ اچھا، پانیِ وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دمہقان
اپنی خودی پہچان
ادغِ نفلِ افغان

اونچی جس کی لہر نہیں ہے وہ کیسا دریا ہے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں وہ کیسا طوفان
اپنی خودی پہچان
ادغِ نفلِ افغان

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لالچ
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دینِ ایمان
اپنی خودی پہچان
ادغِ نفلِ افغان

میرے چوں غر، دلبر!

سلیمان لائق
احمد سلیم

سلیمان لائق افغانستان کے ممتاز پشتون شاعر، مورخ اور نثری انقلابی حکومت کے ریڈیو اور ٹی وی کے وزیر ہیں۔ ان کی شاعری کا مجموعہ "یادِ دہ" اور "دردِ مند" دہ کے نام سے انقلاب کے خوراً بے چارے چاہتا ہے۔ زیرِ نذر نظم اس کے بعد کی ہے۔

میرے چوں غر، دلبر!	تو نے آج دیکھا ہے	کاشاں ہیں یہ سارے
اپنے پھیلے دردوں میں	کانپتے پہاڑوں کو	ان باندیوں سے اب
میرے گرم نعروں کا	اور سرکتے دردوں کو	بجلیوں کے لشکارے
تو نے زور دیکھا ہے؟	بھاگ اٹھتے ریچھوں کو	اس زمیں پر اتریں گے
ادبِ ستمِ محنت میں	اور اُچھلتے بجیڑوں کو	اور وطن کے ہونٹوں سے
جاگتی قنار کا	تو نے آج دیکھا ہے	لال گیت اُبھریں گے
تو نے شور دیکھا ہے؟	آسمان کو غراتے	اپنی سرخ غیرت پر
تو نے اور دیکھا ہے؟	بادوں کو اُٹھلاتے	آج ناز کرنے کو
مردہ پھول کے اندر	جھوٹا ہوا سیلاب	سادے لوگ لپکھیں گے
ہونسی حتیٰ نحوِ خواب	ہلہاتی موجِ آب	اُن کے ہر بُن مٹے
کھکھلا اٹھی کیسے؟	دیس کے جیالوں کو	زندگی جنم لے گی
اور جہاں کی آنکھوں میں	گر کے اُٹھتے لوگوں کو	جن پہاڑی کاشتوں کے
آبِ اپنی تیغوں کی	تو نے آج دیکھا ہے	میں نے گیت گائے تھے
جگمگا اٹھی کیسے؟	کیسے مسکراتے ہیں	آج گہنی کھلے اُن پر
آسمان پر تو نے	وہ جواپنے ہستے ہیں	میرے چوں غر، دلبر!
جگمگاتے تاروں کو	اور غمِ روتے ہیں	اب تو زندگانی کا
یوں اترتے دیکھا ہے	پیشِ نیمہ ہیں یہ سب	سازِ گرم کر، دلبر!
جیسے پھول پر شبنم	آنے والے طوفان کا	تیرے لوگ، تیرے در
نرم پاؤں دھرتی ہے	دیس کے دکھی دل میں	جاگ اُٹھے لشکر، دلبر!
	سرخِ زلیست کی مٹیوں	میرے چوں غر، دلبر!

افغانستان

محنت کے پسینے کی کراہات
پتھروں میں سے پھوٹ پڑی بہار
پھول کھلنے لگے رنگ رنگ کے
خوشبو سے فضا میں بھر گئیں
کھل اٹھا گلزار

صدیوں کے جلڑے ہوئے پرندوں نے
اپنے پنجرے توڑ کر
ضیاد کو زمین پر گر کر،
ایک ہی جھٹکے میں
آزادی حاصل کر لی

وہ رسیلی زبان کے سروں میں —
آزادی کے گیت گانے لگے
جگنوؤں سے مشعلیں لے کر
اڑنے لگے آسمانوں میں

دھرتی کے اندھیرے سے چھٹکارا پانے کے گیت گاتے ہوئے،

چیتھڑے لٹکے برہنہ پا چرواہے
 بھیرڑوں بکریوں کو چرانے والے
 روٹی کے دو ٹکڑوں کے لئے
 خان صاحبوں کا جبر سہتے ہوئے
 صدیوں کی نیند سے بیدار ہوئے

اور سوار ہو گئے حاکموں کی چھاتیوں پر
 صدیوں کا بدلہ چکانے کے لئے
 جگ پلٹ پڑا

سب کچھ تہ و بالا ہو گیا
 خان صاحبوں کے گھروں میں بھگدڑ مچ گئی —

سوگ، آہیں، آنسو
 چوکھٹ پکڑ کر بیٹھے
 جو سہاگ ٹوٹتے تھے
 ان کے اپنے سہاگ ٹٹ گئے
 انہیں جان کے لالے پڑ گئے
 وہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگے
 برتن، سامان، گھر بار.....

حاکم شاہی کے ارد گرد
 دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں
 محنت کے پسینے کے چھینٹے
 کہیں اس طرف نہ آ گریں

یہ نئی کرامت
 کہیں اوپر سے نہیں اتری
 اسے دھرتی کے بیٹوں نے،
 تخلیق کیا ہے

تخلیق جاگ پڑی
 غیرت ہوش مند ہو گئی
 ختم ہو چکی راج شاہی کی
 کالی بھیانک رات
 لوک راج کا سورج طلوع ہوا
 چہچاہٹ اور خوشلو کا سفید دن
 افغانی آج آزاد ہو گئے
 محنت کے پسینے کی یہ ایک کرامت ہے

پہلا باب

انقلاب افغانستان سے دشمنی کیوں؟

- افغانستان کے اندر علماء کے احتجاج کا تاریخی پس منظر
- افغانستان اور سوویت روس کے تعلقات
تاریخ کی روشنی میں

اتنی نہ بڑھا پاگئی داماں کی حکایت

افغانستان کے انقلاب کو ایک سال مکمل ہو رہا ہے۔ اس ایک سال میں افغانستان کے انقلاب کی مثال مغربی دنیا کے ذرائع ابلاغ پریس، ریڈیو، ٹیلی ویژن نے جی کھول کر پراپگنڈہ کیلئے اور یہ مہم ہنوز جاری ہے۔ اس پراپگنڈہ مہم کا منبع پاکستان ہے اور اب چند ماہ سے افغانستان کے اندر نو محمد ترکی کی حکومت کے خلاف گوریلا سرگرمیوں کا بھی بڑے زور شد سے چرچا ہونے لگا ہے اور اس پراپگنڈہ کی پوری تان اس امر پر ٹوٹ رہی ہے کہ نو محمد ترکی کی حکومت مسلمانوں کے مذہب کو ملامت کر رہی ہے، اس کے تمام اقدام اسلام کے منافی ہیں اور وہ علما اور مشائخ پر ظلم و تشدد روا رکھے ہوئے ہے۔ اس مہم میں پیش پیش "نوائے دقت" جماعت اسلامی اور مفتی محمود ہیں۔ اور افغانستان کی ایک مبینہ جماعت "حزب اسلامی" اور اس قسم کی دیگر جماعتوں نے بھی پاکستان کے مختلف شہروں میں پریس کانفرنسیں کر کے کھلم کھلا طور پر افغانستان میں موجود انقلابی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے عالم اسلام سے امداد کی اپیل کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کئی ایک علاقوں میں حزب اسلامی کے گوریلوں نے سرکاری فوجوں کو ہلکے کے کچھلاتے آزاد کرالے ہیں۔ افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ یہ ماسکوں کی کٹھ پتلی ہے اور لطف یہ ہے کہ اس پراپگنڈہ میں ایک طرف اگر نوائے دقت، مفتی محمود اور جماعت اسلامی شامل ہیں تو اسی صف میں میڈیا پارٹی کی مرکزی کمیٹی بھی کھڑی ہے۔ جس نے جنوری ۷۹ء کو ایک قرارداد کے ذریعے افغانستان اور سوویت یونین کے مابین متفقہ کاشت نہ بنایا تھا۔

صحیح صورت حال کا تجزیہ کرنے کے لئے سب سے پہلے افغانستان اور سوویت یونین کی دوستی، مذہب مخالف اقدام اور مل اور مشائخ کے خلاف جبر و تشدد کرنے کے الزامات پر ذرا نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تمام الزامات ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔

افغانستان چکی دوپاٹوں میں

افغانستان کی تاریخ جدید کا ایک بنیادی کتبہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ پہلی صدی عیسوی سے تیسری صدی عیسوی تک کے گھرا رہا ہے۔ ایک طرف براہمائی سامراج تھا تو دوسری طرف رومن کی زار شاہی تھی۔ اس لئے اس حکومت کو ہر وقت دوزخ حکومتوں کی ریشہ دوانیوں کا تختہ مشق بننا پڑتا تھا چنانچہ جتنی بھی انگریز افغان جنگیں ہوئیں ان کی پشت پر

برطانوی سامراج کی یہ خواہش کارفرما رہی کہ افغانستان میں روس کا اثر و رسوخ نہ پھیلنے پائے کیونکہ اس صورت میں برطانیہ کی سب سے اہم لڑاکا ہندوستان نارائش ہی کی زد میں آئے گا۔ اس لئے انیسویں صدی میں ہم نارائش ہی اور برطانوی سامراج کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا دیکھتے ہیں، اور یہی وہ زمانہ تھا جب برطانیہ کی حکومت ہندوستان کے لڑاکا کوزار کے مقبوضہ علاقوں یعنی وسطی ایشیا میں روس کے خلاف مسلمانوں کو اکسائے اور ان کی صمدت حال کے بائے میں جاسوسی کرنے کے لئے بھیجا کرتی تھی۔ انیسویں صدی کا یہی وہ زمانہ تھا جب برطانوی سامراجیوں نے ہندوستان کو اپنی لڑاکا دیاتی قریب میں ایک اڈے کی طرح استعمال کیا۔ انہوں نے سوڈان، مصر، حبش، افغانستان، برما اور چین کے خلاف جارحانہ جنگیں کیں اور ہر جگہ ہندوستانی سپاہی استعمال کئے۔ اور بیکراہ کی دوسری جنگوں میں لڑاکا دیاتی اداروں، چین میں قونصل خانوں اور ایران میں سفارت خانوں کے اعزجات ہندوستان کے عوام کو برداشت کرنا پڑتے تھے۔

برصغیر ہند کی جدید تاریخ کے بارے میں برطانوی مؤرخوں کی مسخ بنائی پرچار ہلال نہرو نے جس رائے کا اظہار کیا ہے اس کی تردید میں ہمارے محققین کو اس درد کا تنقیدی نظر سے انسر نہ جانا لینا چاہیے ہیں۔ نہرو لکھتے ہیں۔ "ہندوستان کی تاریخ کے متعلق خاص طور پر جیسے برطانوی عہد کہا جاتا ہے، انگریزوں کے بیان تلخ تنگی پیدا کرتے ہیں صداقت ہندو کی گہرائیوں کی تہ میں چھپی ہوئی ہے اور صریح ادبے حجاب دروغ گوئی ہر طرف چھائی ہوئی ہے۔ برطانیہ کی سامراجی سرگرمیاں ہندوستان کے تمام بڑی ملکوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ بنگال، افغانستان، ہالانڈ، برما اور تبت برطانوی صنعتی ایشیا کی منڈی اور خام مال کے ذرائع کے لحاظ سے یہ ملاتے خیر اہم تھے۔ لیکن دنیا کی آخری تقسیم کے لئے سامراجی جدوجہد کے دور میں حکمت عملی کے نقطہ نظر سے ان کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے کہ وہ چین اور وسطی ایشیا کے نزدیک تھے۔"

برطانوی سامراج کی خارجہ پالیسی ہمیشہ جارحانہ رہی۔ اس کی بنیادی سمت سب سے پہلے برطانیہ کی بین الاقوامی حالت سے متعلق ہوتی تھی۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں برطانوی لڑاکا دیاتی پالیسی کا محور مشرقی سوال تھا۔ یعنی دو بڑے ممالک ترک سلطنت کو دبائے میں حاصل کرنے کی جدوجہد۔ مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ میں خاص دشمن روس تھا۔ اس تاریخی حقیقت نے ہندوستان کی سرحدوں پر برطانوی ترمیم کو برادری خاص طور پر شمال اور شمال مغرب میں کا شغز، افغانستان اور ترکمانیہ کے جنوبی علاقوں میں۔ برطانوی لڑاکا کاران علاقوں کو وسطی ایشیا میں روس کے خلاف جدوجہد کے لئے اپنی سرادری چڑکیاں تصور کرتے تھے۔

ہندوستان کے اندر حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ برطانیہ کی سرحدی پالیسی کی جارحیت بھی بدلی۔ اس طرح دو مکتب خیال پیدا ہوئے۔ ایک مکتب ہندوستان کی سرحدوں پر ہمیشہ قدمی کی پالیسی کا علمبردار تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دفاعی نظام میں ہندوستان کی شمال مغربی سرحدیں غیر محفوظ ہیں اس لئے ان سے باہر ہندوستانی دفاع کو مضبوط کرنا چاہیے۔ اس کا دوسرا مکتب وسطی ایشیا پر روس کا قبضہ برطانوی ہند کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ دوسرا مکتب اس خطرے کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ وہ "ہند سرحد کی پالیسی" کا حامی تھا اور اس خیال کا مخالف کہ ہندوستان کی سرحدوں کے باہر ہمیشہ قدمی کی جائے۔ اس کا مقصد لڑاکا ہادی چرماندہانی حالت کو مستحکم کرنا تھا۔ تاریخی اسباب کی وجہ سے ۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۹ء تک کے دور میں "ہند سرحد کی پالیسی" حاوی رہی۔ ۱۸۵۷ء کے فساد کے بعد ہندوستان میں جو اندرونی سنجیدہ تبدیلیاں پیدا ہوئیں ان کی وجہ سے سرگرم

تعلق نہ کہ ان دونوں کی مخالفت۔ پوری طرح منظر عام پر آیا۔ عدن، صنع، ایران، تلات افغانستان، تبت اور برما یہ سب اس کی حفاظت کی چڑیاں تھیں۔ اور برطانوی مخالفت سے ان کی حفاظت تحفظ ہند کی بنیاد تھی۔۔۔۔۔ تو ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد اس وقت پڑی اور تمام دونوں اور مداخلت کا ایک ایسا نظام تیار کیا گیا جس نے ہندوستان کو تحفظ بخشا۔
اسی طرح گنگا کہتے ہیں:-

• ہندوستان مفاد برطانوی شاہی مخالفت کا ایک اہم حصہ تھا۔ چنانچہ مغربی طاقتوں کے اثر کے خلاف ہندوستان سرحدوں کو متبرک کر کے کافی صدیوں میں صدی کے آخر میں شاہی پالیسی کا غائب عنصر بن گیا۔

روس دشمنی یہ بھی صورت حال اور اس کے تقاضے جس کے لئے برطانوی سامراج پہلے دن سے ہی روس کے خلاف اس دشمنی کے خلاف اس برصغیر میں زبردست رائے عامہ منظم کئے رہے۔ اور بالخصوص اس شمالی ہند کے مسلمانوں میں روس دشمنی کی شروعات زبردست اہمیت دی جاتی رہی کیونکہ برطانیہ کو جوشہ بہ خوف بھی ستا رہا کہ دوسرے جب بھی اپنی سلطنت کو مزید پھیلانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے گا تو وہ لازماً وسطی ایشیا سے ہندوستان کی شمال کی جانب بڑھے گا۔ اور اس کے لئے وہ وسطی ایشیاء کے مسلمانوں کی فوجی اور دوسری خدمات حاصل کرے گا۔ اس لئے شمالی ہند کے مسلمانوں میں روس کے خلاف اور وہاں کے مسلمانوں کے خلاف روس کے مظالم کا چرچا جاری رہنا چاہیے۔ یہ ایک بات ہے کہ تاریخ میں ایسی بہت سی شہادتیں ہیں جہاں اس برصغیر کے مختلف حصے نے انیسویں اور بیسویں صدی میں انگریزوں کی غلامی کا جوا اٹانے کے لئے روس سے مدد چاہی۔ بہر حال یہ الگ اور دلچسپ موضوع ہے اور اس پر کام کر رہا ہوں، چنانچہ روس کے خلاف برطانوی سامراج نے ہمارے اندر ایک گہرے نفرت کا بیج اپنی مزدوروں کے لئے بہت پہلے لیا تھا۔ اور اس وقت ابھی اشتراکی انقلاب ظہور پذیر بھی نہیں ہوا تھا کہ ہم روس سے خوفزدہ تھے اور جب جاپان نے روس کو ۱۹۰۵ء کی جنگ میں شکست دی تو ہم نے اپنی مسرت کا اظہار کیا اور مولانا ظفر علی خاں جاپان اور روس کی جنگ کے بارے میں انگریزی ڈرامے کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

’روس میں اشتراکی انقلاب‘

یہ تھے ہمارے روس کے متعلق عام انکار کہ اس میں ۱۹۱۷ء میں ایک جمہوریت اٹھ اٹھی، یہ بھی جان لینا چاہیے ۱۹۱۷ء کے جل جلالہ میں جب انقلاب باہر آتا تو اس وقت پورا مشرقی انقلاب اور عوامی احتجاج کی تحریکوں کے دہانے پر کھڑا تھا اور ہندوستان کا برصغیر بھی برطانوی استبداد کے خلاف ایک آتش فشاں بن رہا تھا جو پھٹنے والا تھا کہ اتنے میں روس کے دیہی و عریض خطے سے انقلاب کے شعلے بلند ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے انہوں نے اس روسیہ زمین کے چھٹے حصے کو سرمایہ داری اور جاگیر داری نظام سے آزاد کر کے مزدوروں اور کسانوں کا راج قائم کر دیا۔ اس انقلاب کی پوری اہمیت کو آج ساٹھ ساٹھ برس گزرنے کے بعد بھی ہمارے اہل علم سمجھنے اور تجزیہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ اس انقلاب سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو جاننے اور سمجھنے بغیر خارجہ پالیسی اور عالمی تحریکوں کے بارے میں سمجھی بھی نہ تو صحیح رائے قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی تجزیہ درست ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب سوویت انقلاب باہر آتا تو سوویت اقتدار کے فوج یعنی سوویت کیونسٹ پارٹی اور اس کے رہنما لینن نے جو پہلے احکام جاری کئے ان کا مادہ ششہ -

ایسی سودیت اشتراکی ریاست تعمیر کی جائے جو محروم کئے جانے والے استحصالی طبقوں کا ذر توڑ کے اور ان کے زہریلے ڈنگوں کو ناکام کیا جاسکے۔ صرت یہی نہیں بلکہ ان احکام اور فرامین کا مقصد غیر ملکی سامراجیوں کے حملوں کو پسپا کرنا، انقلاب کی مخالفت کرنا اور اشتراکی تعمیر کا ڈول ڈالنا بھی تھا تاکہ کم سے کم مدت میں سودیت روس کو ایک ترقی یافتہ اشتراکی ریاست بنایا جاسکے۔ مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کی ایسی ریاست وجود میں لائی جاسکے جس کا تاریخ میں کہیں اس سے پہلے نام نشان نہ تھا۔ اس انقلابی حکومت نے جو مقدس فریضہ اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا اس میں اس کی مدد و تائید کی بنیاد پچاساٹھ سویتوں یعنی سودیتوں پر تھی اور یہ پچاساٹھ سویتوں نے تاریخ اور تجربے کی کوکھ سے جنم لیا تھا وہی اصل میں پروتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ کی سرکاری شکل تھیں

یہ سودیت جس کا مطلب پنایت ہے اصل میں ۱۹۰۵ء میں روسی مزدوروں کی انقلابی تحریک کے دوران وجود میں آئی تھیں، اس انقلاب کے دوران مزدوروں نے کارخانوں کا نظم و نسق سنبھالنے اور روزمرہ کا کام چلانے کے لئے اپنے لئے یہ جمہوری ادارے خود تخلیق کئے تھے اور یہ ادارے ان کے خون میں رچ بس گئے تھے۔ یہ ان کی انقلابی روایات کا ایک اہم ترین حصہ بن گئے تھے۔ چنانچہ اشتراکی انقلاب کے بعد تمام طبقوں میں یہ سودیتیں قائم ہونے لگیں۔ یہ فوجی انقلابی کمیٹیاں، مزدوروں کی انجینئری، لال کارڈ کے دستے، یہ تمام ادارے دراصل مزدوروں، کسانوں، فوجیوں اور محنت کرنے والے اہل علم کی بے پناہ انقلابی تخلیقی قوت تھے، چنانچہ سودیت اقتدار کے سب سے اعلیٰ ادارہ جو مجلس وزارت کہلاتا تھا یا اسے عوامی کیسار بھی کہتے تھے نے ایک کیشن قائم کرنے کا اعلان کیا، یہ کیشن مکمل روس ہر کامی کیشن کے نام سے مرسوم ہوا جس کو روسی تپے کا کہتے تھے، اس کا کام یہ تھا کہ انقلاب کی مخالفت اور دشمن طاقتوں کا پیٹہ چلائے اور ان کا قلع قمع کرے۔

ابتدائی دو تین مہینوں میں سودیت حکومت نے جو فرامین اور احکام جاری کئے وہ فیاد تھے۔ اس نئے نظام کے اور یہ احکام سودیت حکومت اور کمیونسٹ پارٹی کے ارادوں کی نشاندہی کر رہے تھے اور یہ بھی ان سے بہتہ چلتا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کے نزدیک پروتاریہ کی آمریت کا کیا مطلب ہے۔

۰۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۷ء کو فرمان جاری کیا گیا جس نے فوج کے پرانے ڈھانچے کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور اس

کو جمہوری بنیاد پر استوار کرنے کا فیصلہ کیا گیا، فوج کے اندر تمام اختیارات افسروں اور جنرلیں سے لیکر فوجیوں کی خود چنی ہوئی کمیٹیوں یعنی پنچائتوں کے حوالے کر دیئے گئے، اوپر کے تمام عہدے چناؤ پر چھوڑ دیئے گئے پرانے تمام عہدے، خطابات اور مناصب سب یک قلم موقوف کر دیئے گئے۔

۰۔ ۱۰ جنوری ۱۹۱۸ء کو ایک فرمان جاری ہوا کہ مزدوروں اور کسانوں کی ٹرسٹ فوج بنائی جائے۔

۰۔ یکم فروری ۱۹۱۸ء کو فرمان جاری ہوا کہ مزدوروں اور کسانوں کا سرخ فوجی بیڑہ قائم کیا جائے

چنانچہ ان دو فرامین کے تحت رضا کارانہ بنیادوں پر سرخ فوج وجود میں آئی شروع ہو گئی۔

۰۔ سودیت اقتدار نے اولین فرامین کے تحت زمینداری اور جاگیرداری کا قلع قمع کر دیا تھا۔

۰۔ ۱۰ نومبر ۱۹۱۷ء کو فرمان جاری کیا گیا جس میں مردانہ عورت کی مساوات کو تسلیم کیا گیا اور برکاری

رہبر میں اندراج کے بغیر شادی منع قرار دے دی گئی۔

- ۱۸ دسمبر ۱۹۱۷ء کے فرمان کے مطابق کلیسا یا مذہبی اداروں کو حکومت اور سرکار سے بالکل لاتعلق کر دیا گیا اور تعلیم اور عمارتوں کو مذہبی اداروں یا کلیساؤں سے الگ کر دیا گیا۔
- اقتصادی میدان میں سودیت اقتدار نے ایک اشتراکی قلب مابینت شروع کر دی۔ زمین کو قومی ملکیت بنانے یعنی کسانوں کی ملکیت قرار دینے کے فوراً بعد۔
- ۱۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو پیداوار اور اس کی تقسیم پر مزدوروں کے کنٹرول کا فرمان نافذ کر دیا گیا۔
- جہاں تک اسٹیٹ بینک کا تعلق تھا وہ انقلاب کے دن ۷ نومبر ۱۹۱۷ء رجب کو قومی تصرف میں لے لی گئی تھی۔

• اس کے بعد کارخانوں کو بھی بالخصوص ان کارخانوں کو جن کے مالکان نے انقلاب کے راتے میں رکاوٹیں ڈالی تھیں سرکاری کنٹرول میں لے لی گئی۔

اب اس انقلاب نے ہندوستان کو افغانستان، ایران، ہوا، مصر، سبھی جگہ سامراج دشمن تحریکیں کو ہوا دی، عوام کو حوصلہ دیا کہ محنت کش انقلاب برپا کر سکتے ہیں، سامراج کا تختہ الٹا جاسکتا ہے۔ اور یہی شکست، یہی ہمت تھی جس نے افغانستان کو اپنی مکمل آزادی کے لئے جدوجہد پر ابھارا۔

۱۹۱۹ء تک افغانستان
امان اللہ خاں جو مارچ ۱۹۱۹ء میں اپنے باپ امیر حبیب اللہ کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اس وقت تک افغانستان کی تمام حکومتیں اور تمام بادشاہ ایک نہ ایک انداز سے برطانیہ کے باجگزار بادشاہ تھے اور ان کی حیثیت ایک کمٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔ امان اللہ کے دادا امیر عبدالرحمان کے متعلق معارف اسلامیہ کی پہلی جلد میں درج ہے۔

”ابھی عبدالرحمان کے بادشاہ بننے کا اعلان ہوا ہی تھا کہ شیر علی کا دوسرا بیٹا، محمد الیوب ہرات میں لشکر جمع کر کے، قندھار کی طرف بڑھا، میوند کے مقام پر انگریزی افواج کو شکست فاش دی۔ (۱۴ رجبیاں ۱۲۹۷ھ / ۲۵ جولائی ۱۸۸۰ء) اور قندھار کا محاصرہ کر لیا۔ عبدالرحمان کابل میں امن قائم کرنے کے بعد عازم قندھار ہوا۔ جبرل و پابلس دس ہزار فوج کے ساتھ اس کی حمایت پر تھنا۔ چنانچہ سردار محمد الیوب کو ایران کی طرف بھجوا دیا گیا اور قندھار بھی امیر عبدالرحمان کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد ساری برطانوی فوج افغانستان خالی کر کے واپس چلی آئی اور پورا ملک بشمول قندھار عبدالرحمان کے سپرد کر دیا گیا۔ (۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) اس نے داخلی مشکلات اور خارجی مسائل کے باوجود اپنے ملک کی آزادی اور ”زعدت“ برقرار رکھی۔ (اس سلسلے میں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے اسے بڑی تقویت پہنچائی۔ ۶- ۱۸۸۰ء میں اسے پانچ لاکھ روپے کئی سو توپیں اور کئی ہزار بندوقیں دی گئیں۔ اس کے علاوہ اسے اٹھارہ ہزار پونڈ کی سالانہ مالی امداد بھی ملنے لگی۔ اس نے خطہ ڈیرہ بڑھو کو بھی سرحد بنانے پر موافقت کر لی ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء) اس کے دور حکومت میں تمام داخلی شورشوں کو انتہائی بجا و استبداد سے کچل کر رکھ دیا گیا۔ عبدالرحمان نے ہندو کش سے شمال کی دلیا بات پر قبضہ کیا اور کابل میں فوج کر کے اس کا نام نورستان رکھا۔ (۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء) ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء میں روس اور افغانستان کی سرحدات کا تعین ہوا۔ اور پانچ دہائیوں کے بعد افغانستان سے الگ ہو گیا۔ امیر عبدالرحمان نے اپنی وفات (۱۳۱۹ھ / ۱۳۱۹ء) کو ۱۹۰۱ء) پر ایک غیر متنازع فیہ حکومت اپنے بیٹے امیر حبیب اللہ کے لئے چھوڑی۔ افغانستان کے لوگوں کے لئے نہ ایک

مستبد حکمران تھا، لیکن انگریزوں کے ساتھ اس کی روش بہت نرم اور دوستانہ تھی۔ چنانچہ اس نے سوات، چترال، وزیرستان، خیبر، چاغی، چمن، پشین، پاراچنار اور کرم کے علاقے ایک معاہدہ طے کر کے برطانوی حکومت کے لئے چھوڑ دیئے۔ امیر حبیب اللہ کی سخت نشین کے حضور سے عرصے بعد مدی۔ برطانوی معاہدہ طے ہو گیا اور اس بات کا احتمال جاتا رہا کہ ان میں سے کوئی طاقت افغانستان کے کسی حصے کا اٹھان کرے گی۔ یا اس کے معاملات میں مداخلت کرے گی۔ ۱۹۰۵ء میں امیر حبیب اللہ نے اس معاہدے کی تشریح کر دی جو اس کے والد نے ہندوستان کی برطانوی حکومت سے کر رکھا تھا اور جس کی بنیاد سے امیر نے اٹھارہ لاکھ روپیہ ایک لاکھ ساڑھے ہزار پونڈ کے عوض معاملات خارجہ برطانوی حکومت کی تحویل میں دے دیئے۔ امیر حبیب اللہ کے عہد میں ملک کے اندر امن و امان فی الجملہ قائم رہا اور تعلیم میں بھی کچھ ترقی ہوئی۔ سین عالمی جنگ کے دہان میں افغانستان نے بیحد ہندوستان کی حکمت عملی اختیار کیا۔ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۲۴ھ / ۲۶ فروری ۱۹۰۶ء کو امیر نے لغمان کے قلعہ گوشت میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا کہ اسے گولی کاٹ نہ بنا دیا جائے۔ اس کے بعد لی نصر اللہ خان نے جلال آباد میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا، لیکن امیر کے تیسرے بیٹے امان اللہ خان نے اسے فوج کی امداد حاصل کرتی سندھ امارت حاصل کر لی اور نصر اللہ خان نے قید میں انتقال کیا۔

امان اللہ خان نے یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو تخت نشین ہوتے ہی افغانستان کے استقلال کا اعلان کر کے برطانوی حکومت سے جنگ شروع کر دی۔ انگریزی افواج نے درہ خیبر کے شمالی دہانے کے پاس ڈوگہ کے مقام پر اور برمن کے سامنے سپین بولاک کے افغانی قلعے پر قبضہ کر لیا اور کابل پر پٹیا سے کے ذریعے سے بم باری کی، لیکن افغانستان کے عوام نے قندھار میں سردار عبدالقدوس، صدر اعظم، جنوبی سرحدات پر سپہ سالار محمد اور خان اور سمت مشرق میں اپنے قومی سرداروں کی راہبری میں اعلان جنگ کر دیا۔ جولائی ۱۹۱۹ء میں سوویت روس نے افغانستان کا استقلال تسلیم کر لیا۔ بالآخر حکومت افغانستان اور برطانوی ہند کے درمیان صلح کی گفنت و شفیہ شروع ہوئی اور معاہدہ راولپنڈی و لاہور فی قندھار ۱۳۲۴ھ / ۲۸ اگست ۱۹۱۹ء کی رو سے برطانوی حکومت نے افغانستان کی آزادی باضابطہ تسلیم کر لی۔ شاہ امان اللہ خان نے سیفروں کے ذریعے ساری دنیا سے روابط قائم کر لئے اور مملکت عصری ترقیات کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ ۱۹۲۱ء میں روس کی سوویت حکومت اور برطانیہ کے نئے معاہدے کے نکلنے، گوگشید کی شمالی سرحدوں پر ۱۹۲۲ء تک اور جنوبی مشرقی سرحدوں پر ۱۹۲۴ء تک جاری رہی۔ ۱۹۲۲ء میں مولیٰ جہر گے نے ایک دستور اساسی مرتبہ نافذ کیا۔ ۱۹۲۳ء میں انتظامی دستور العمل مرتب ہوا۔ سولہ کر کے تنظیم و اصلاح جدید ترین اصولوں پر ہوئی۔ اور دنیا بھر کے ممالک سے تجارتی تعلقات کا قیام عمل میں آیا۔ داخلی اصلاحات کا اجراء ہوا۔ مثلاً غلامی کی تفسیح، مطالبہ کا قیام، اخبارات کا اجراء، طبابت کا قیام، سرحدوں اور وطن کی تعمیر و ترقی اور ٹیلی فون کی توسیع، نہروں اور کالوں کی کھدائی، کابل میں مجلس شوریٰ اور صوبوں میں مجلس مشورہ کا قیام، سیاسی احزاب کی آزادی، جنرالت اور تعصب کے خلاف جدوجہد، اعلیٰ تعلیم کے انتظامات، صل و نقل کے جدید وسائل کی درآمد اور ان کا اجراء۔ ۱۹۲۴ء میں عورتوں کے لئے بھی اعلیٰ تعلیم کی تدابیر اختیار کی گئیں، جس پر انگریزوں کے اٹک سے ایک مغرور افغانی سردار عبدالکیم کے زیر سرکردگی خوست میں بغاوت ہو گئی۔ کابل کے حکاکر نے باغیوں کو گرفتار کر کے گولی سے اٹا دیا اور عبدالکیم ہندوستان کی طرف بھاگ آیا۔ یہ پہلی رحبت پسندانہ تحریک تھی جو انگریزوں کی انجمن پر امان اللہ کے خلاف پیدا ہوئی، ۱۹۲۴ء میں دوسرے مولیٰ جہر گے نے تعلیم نسواں سے متعلق قوانین منسوخ کر دیئے۔ نیز جری جہر قی

کے قوانین میں ترمیم کر دی۔ جب اس تمام ہو گیا تو امان اللہ خان نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا اور ۱۹۲۸ء میں چھپڑی لوگوں کی سیاست کی، ان سے سیاسی، علمی، ثقافتی اور اقتصادی معاہدات طے کئے اور کاغذ سازی، شکر سازی، پتھینہ بانی اور نساجی رکھ پانے کے کارخانے خرید کر ملک میں لایا۔ اس مدد سے واپس آکر بادشاہ نے نئے دستور یا سیاسی کے نفاذ اور معاشرتی و تعلیمی اصلاحات کی ترتیب کے لئے تیسرا الٹی ہجرت طلب کی۔ چونکہ امان اللہ کا مسکو جانا دولت انگلیہ کے سیاسی مقاصد کے موافق نہ تھا۔ اور اسے ہندوستان کے لئے خطرے کی علامت سمجھا گیا، اس لئے انگریزی حکومت نے ہندوستان کے سرحدی قبائل میں شورش برپا کر دی۔ اس کے علاوہ اسی حکومت کی شہ پر ایک تابیک ڈاکو پرست نے کرہ دامن سے پیش قدمی کر کے کابل پر قبضہ کر لیا۔ (رجسٹر ۱۹۲۹ء) امان اللہ خان تندرستی کی طرف نکل گیا۔ وہاں سے اس نے کابل کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جو کوشش کی اسے حبیب اللہ بچھڑتا کے حامیوں نے ناکام بنا دیا۔ (اپریل - مئی ۱۹۲۹ء) اور اندر اس نے اپنا ہرات پر ایک استابیک عبدالرحیم کا قبضہ ہو گیا۔ امان اللہ جن کے راستے افغانستان سے رخصت ہو گیا۔ اور اٹلی جا کر سکونت اختیار کر لی۔

امان اللہ کے دور حکومت کے بارے میں نیو کیمپسٹ لٹریچر نے ان کے عالموں کی مرتب کردہ انسائیکلو پیڈیا سے میں نے تمام صورت حال درج کی ہے لیکن اس بیان کو تعقید دینے کے لئے میں سودیت روس کے رویے کا بھی یہاں ذرا تفصیل سے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ آج پھر افغانستان کی موجودہ حکومت پر تمام غصین و غضب کا اظہار سودیت روس کے حوالے سے ہی ہو رہا ہے اور چونکہ بعض تفصیلات ان عالموں نے بھی درج نہیں کیں اس لئے میں ان تفصیلات کے ذریعے سودیت روس کے رویے کو واضح کر رہا ہوں۔

شاہ امان اللہ اور سودیت یونین

امان اللہ جیسے ہی مارچ ۱۹۱۹ء میں تخت نشین ہوا اور اس نے اپنے آزادی کے حصول کے لئے برطانوی سامراج کی مخالفت اعلان جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے سب سے پہلے سودیت روس سے ہی امداد چاہی۔ چنانچہ اس نے مارچ ۱۹۱۹ء میں جوہر اسلام جیسا تھا سودیت حکومت کے سربراہ لینن نے اس کا جواب اپریل ۱۹۱۹ء میں امان اللہ کو بھیج دیا تھا۔ اس میں لکھا گیا تھا "افغانستان نے ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے جو پہلا مراسلہ بھیجا ہے جس میں روسی قوم کو پیام تہنیت پہنچا گیا ہے اور عالی جاہ کی تحوت نشینی کی اطلاع دی گئی ہے۔ اس کے جواب میں ہم فوراً مزدوروں اور کسانوں کی حکومت اور روسی سکا قوم کی طرف سے آزاد اور خود مختار افغانی قوم کی خدمت میں پیام تہنیت بھیجتے ہیں جو اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے جو کچھ ممکن ہو کر زبردستی کے خلاف اس قدر بے جگری سے لڑ رہی ہے۔ عالی جاہ ہم آپ کی تخت نشینی پر آپ کو مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہیں جو ۲۲ فروری ۱۹۱۹ء کو عمل میں آئی۔"

مزدوروں اور کسانوں کی حکومت نے روسی ری پبلک کی تمام قومیتوں کو سچی آزادی اور مساوات عطا کر دی ہے اور اپنے اعلانات سے مطابقت اور ہم آہنگی رکھتے ہوئے، لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کے خلاف تمام محنت کشوں کی ایکٹو مین الاقرنی اصول پر مضبوطی سے کار بند ہو گئی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ افغانی قوم کی درس کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش افغانی ریاست کی مضبوط اور خود مختاری کی بہترین

صناعت ثابت ہو۔

یہ جواب روسی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار پراودا میں اس زمانے میں جیسے ہی شائع ہوا تو برطانوی سامراج کو پریشان لاجی ہو گئی۔ لیکن پھر انہوں نے فی الفور افغانستان کی آزادی کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امان اللہ نے تخت پر بیٹھے ہی سب سے پہلے جس حکومت سے رابطہ قائم کیا وہ سوویت یونین کی حکومت ہی تھی۔ امان اللہ نے ۱۴ اپریل ۱۹۱۹ کو "اشتغند" کے ذریعے سوویت یونین کی مجلس عاملہ کے صدر کیلینین کو جو خط لکھا اس میں لکھا گیا تھا۔

"آپ اور آپ کے رفقاء انسانیت کے بہترین دوست ہیں، آپ نے امن عالم کی حفاظت کی عظیم اور قابلِ صدا احترام ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہے، آپ نے اس کردار میں پرلپسے والی تمام اقوام اور ممالک کی آزادی، خود مختاری اور برابر کے اصول کو تسلیم کیا ہے۔ مجھے اس امر کی بے حد مسرت ہے کہ افغان عوام کی طرف سے میں پہلا شخص ہوں جو ترقی کے لیے کوشاں ہے اور میں افغانستان کے بہادر اور آزادی پسند عوام کی طرف سے آپ کو دوستی خیرگاہی کا پیغام بھیجتے ہوئے بے پناہ مسرت محسوس کرتا ہوں۔"

یہ پیغام سوویت روس کو ۲۱ مئی ۱۹۱۹ کو موصول ہوا اور اس کے ساتھ ہی افغانستان کی طرف سے پیر گاہی کا دہندہ بھی "اشتغند" پہنچا۔ اس وفد کی رہنمائی محمد ولی خان کر رہے تھے اور اس کا مقصد سفارتی تعلقات قائم کرنا تھا۔

۲۷ مئی ۱۹۱۹ کو لینن اور کیلینین کے دستخطوں سے امیر امان اللہ کو جواب بھیجا گیا جس میں لکھا گیا تھا۔

"ہم اے دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات کے قیام سے دونوں ملکوں کے عظیم عوام کے درمیان دوستانہ تعاون کی راہیں کھل جائیں گی۔ اور انسانیت کے ان دشمنوں کے ارادوں کو ناکام بنایا جائے گا۔ جو دوسری قوموں کی آزادی اور ان کی دولت کو ٹھنکے کے خواب کو دیکھ رہے ہیں۔"

افغانستان کے سفارتی مشن کو "اشتغند" میں رکنا پڑا کیونکہ اس دور میں "اشتغند" کا انقلاب دشمن طاقتوں کی وجہ سے ماسکو سے رابطہ ایک حد تک منقطع ہو گیا تھا۔ آخر اکتوبر کی ۱۵ تاریخ کو یہ وفد ماسکو پہنچا جہاں وزارت خارجہ کے سربراہوں نے ان کا دہلا استقبال کیا۔ اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۹ کو لینن نے افغانستان کے اس سفارتی وفد کو اپنے دفتر میں مدعو کیا اور کہا کہ "انہیں افغان عوام کے اس عظیم وفد سے مل کر مسرت ہوئی جو عوام سامراج کے خلاف زبردست جدوجہد میں مصروف ہیں۔"

افغان سوویت معاہدہ

اس سفارتی مشن کا ایک مقصد سوویت یونین کے ساتھ دوستی کا معاہدہ بھی طے کرنا تھا لیکن اس معاہدے میں کافی تاخیر ہو گئی کیونکہ افغانستان کے اندر برطانوی ایجنٹوں اور باربروں نے جو برطانیہ کے خفیہ طور پر تنخواہ یافتہ تھے نے "سوویت یونین کی اسلام دشمنی" کا پراپیگنڈہ شروع کر کے امیر امان اللہ کو عرب کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس معاہدے کا ارادہ ترک کر دے۔ اس پوری مہم میں مولوی اور پیر و مشائخ بھی میں پیش تھے اور انہوں نے اسی دوران امیر کو بتا دیا کہ افغان سوویت یونین کے انقلاب کے خلاف لڑا رہا تھا کو فوجی اہل و بھی پہنچائی "شروع کردی، مقصد یہ تھا کہ سوویت یونین مشتعل ہو کر افغان سفارتی وفد کو بغیر معاہدے کے واپس بھیج دے گی۔ لیکن سوویت یونین نے فقط افغان حکومت کو اس سازش سے آگاہ کیا۔ چنانچہ افغان حکومت نے فوراً مقصدت کی اور اپنے سفیر متعین بھٹا را کو برطانیہ سے روانہ کر دیا۔

برطانوی ریشہ داروں کو جب چاروں طرف سے ناکامی ہونے لگی تو امریکان انڈکو قتل کرنے کی سازش کی گئی لیکن جولائی ۱۹۲۰ء میں یہ سازش بھی ناکام بنا دی گئی اور ستمبر ۱۹۲۰ء میں سوویت یونین اور افغانستان کی حکومت میں دوستی کا ابتدائی معاہدہ طے پایا اس معاہدے کے طے پا جانے پر افغانستان کے وزیر خارجہ نے سوویت یونین کے وزیر خارجہ کو ایک مکتوب میں لکھا تھا۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جمہوریہ سوویت یونین سے ہم نے جو دوستی کا معاہدہ کیا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ اس دنیا سے سامراجی تشدد و اور بالادستی کے خاتمے کی ہماری خواہش ہے، بالخصوص مشرق کی تمام اقوام خواہ ان کا کوئی مذہب ہر اور کوئی اعتقاد ہو کر ان علمی غاصبوں سے آزاد کرانے اور کثبات دلائے کا جذبہ ہے جو یہیں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور کر رہا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کی حکومت کو کبھی یہ مقاصد دل و جان سے عریض ہیں اور وہ ان کی طرف خاص توجہ دے رہی ہے۔“

برطانیہ نے دوستی کے اس معاہدے کو کرکڑے کی کوششیں جاری رکھیں اور لاڈل کرزن جو اس وقت حکومت برطانیہ کے محکمہ خارجہ کے سیکریٹری تھے نے سوویت حکومت کو یکے بعد دیگرے دو مکتوب روانہ کئے۔ ایک مکتوب یکے اکتوبر ۱۹۲۰ء اور دوسرا ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو روانہ کیا گیا جس میں سوویت حکومت پر الزام لگایا گیا کہ وہ افغانستان میں برطانیہ دشمن سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ دوسرے مکتوب میں تقریباً بھی الزام عائد کیا گیا تھا کہ سوویت حکومت افغان ہند سرحدوں پر قبائلیوں کو حکومت ہند کے خلاف بغاوت کے لئے اکسارہی ہے۔ ۳۱ جنوری ۱۹۲۱ء کو لاہل میں برطانوی سفیر ہرنی ڈاب نے حکومت افغانستان پر پھر دباؤ ڈالا کہ وہ سوویت حکومت سے اپنا دوستی کا معاہدہ ختم کر دے۔ لیکن افغانستان کی حکومت نے اس تمام دباؤ میں آنے سے انکار کر دیا اور ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء کو دوستی کے اس معاہدے کی تصدیق کر دی اور باقاعدہ ماسکو میں ایک تقریب کے دوران اس کا اعلان کر دیا گیا۔

اس معاہدے کے پہلے آئیکل میں لکھا گیا تھا۔

آئیکل نمبر ۱۔

اس معاہدے میں شریک دونوں فریق تمام مشرقی اقوام کی آزادی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر قوم کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ہے۔

آئیکل نمبر ۲۔

اس معاہدے میں شریک دونوں فریق اس امر کا وعدہ کرتے ہیں کہ وہ کسی تیسری طاقت کے ساتھ نہ تو کسی ایسے فوجی اور نہ سیاسی مقام سے میں شریک ہوں گے جو کسی ایک فریق کے لئے نقصان دہ ہو۔ روس اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ افغانستان کو روس کے راستے روس کے اندر سے باہر دینی ٹھکانے سے مال لانے اور بے جانے کی اجازت ہوگی۔ اور کئی راہ داری وصول نہیں کی جائے گی۔ روس افغانستان کو مال امداد دینے کا بھی وعدہ کرتا ہے۔ خاص طور پر سوویت یونین افغانستان کو ہوائی جہاز مہیا کرے گا اور فضائیہ کے لئے ایک سکول بھی افغانستان میں قائم کرے گا۔ روس افغانستان کو پانچ ہزار ہندو تیس ہندو کارکنوں کے بھیج دے گا۔ سوویت یونین ہندو تیس کے بارود تیار کرنے کا ایک کارخانہ بھی افغانستان میں قائم کرے گا۔ کوٹسکا سے ہرات، قندار کاہل تک تار برقی کے لئے بھی سہاواں مہیا کرے گا اور فنی

ماہرین بھی بھیجے گا۔ اور دس لاکھ سونے کے ردہل بھی اخراجات کے لئے دے گا۔
 افغانستان کے یہ پہلا معاہدہ تھا جس نے کسی ہمسایہ بڑی طاقت کے ساتھ برابری کی سطح پر کیا تھا۔ اگرچہ
 آج تک افغانستان نے انگریزوں سے جتنے معاہدے کئے تھے ان میں ایک حاکم طاقت برقی تھی اور دوسری معلوم۔ اور
 افغانستان کی حیثیت ایک باجگزار یا راست سے زیادہ کبھی نہیں سمجھی گئی تھی۔ لیکن اس معاہدے نے افغانستان کو پہلی
 بلکہ تمام مشرقی اقوام کو ایک نیا احساس عطا کیا۔ چنانچہ لیغین اس معاہدے کو بہت اہمیت دیتا تھا اور اسی اہمیت کے
 انعام کے لئے لیغین نے امیر امان اللہ کو اس کے پیغام کے جواب میں ۲۱ مئی ۱۹۲۱ء کو جو کہ مکتوب بھیجا۔ اس میں
 کہا گیا تھا۔

روس کی سوویت حکومت اور افغانستان کی حکومت کے مشرقی میں مفادات میں ہم آہنگی اور یکسانیت
 پائی جاتی ہے۔ دونوں ملکوں اپنی آزادی کو طویل زمانہ میں اور وہ ایک کو یہ نہیں بلکہ مشرقی عوام اور قوم
 کو آزاد اور خود مختار دیکھنا چاہتی ہیں۔ دونوں ملکوں دوستی کے رشتے میں صرف ان مشترکہ خواہشات اور
 عوام کی غیاور پر ہی غفلت نہیں بلکہ وہ اس لئے بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں کہ ان کے درمیان کوئی
 ایسا مسئلہ نہیں ہے جو ان کی دوستی میں کسی قسم کا رخنہ پیدا کرنے کا باعث ہو۔
 لیغین نے اپنے اس پیغام میں اس امر پر بھی اصرار کیا تھا کہ ان کا سامراج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے اور اب
 افغانستان کے شمال میں سوویت یونین واقع ہے جس نے دوستی اور خیر سگالی کا لہذا تمام مشرقی اقوام کی طرف بڑھاپا ہے
 اور خاص طور پر افغانستان کی طرف سب سے پہلے پیش قدمی ہوئی ہے۔ چنانچہ لیغین نے اپنے اسی مکتوب میں ان کے
 چل کر کہا تھا۔

افغانستان ان ملکات میں ہے جس کے ٹانگے کو کم نے سب سے پہلے بعد مسرت یا سکون خوش آمد
 کہا تھا۔ اور ہم اس لئے بھی مسرور و شادمان ہیں کہ دوستی کا سب سے پہلا معاہدہ جو افغانستان نے کسی ملک
 سے کیا ہے وہ سوویت روس ہی ہے۔

سوویت روس نے ہی افغانستان میں سب سے پہلا ریڈیو اسٹیشن ۱۹۲۰ء میں تعمیر کیا اور ۱۴ ستمبر ۱۹۲۰ء کو اس
 ریڈیو نے جب نشریات شروع کیں تو امیر امان اللہ سب سے پہلے شکریہ کا پیغام اس ریڈیو سے لیغین کے نام نشر
 کیا تھا اور اس میں لیغین کو محترم رفیق و کامریڈ اسکے لقب سے امیر امان اللہ خاں نے مخاطب کیا تھا۔ دوستی کے معاہدے کے
 دوران میں ہی سوویت روس نے دس لاکھ سونے کے ردہل افغانستان کو پیش کر دیئے اور ارباب برقی نصب کرنے کا کام شروع
 کر دیا اور ۱۹۲۳ء تک معاہدے کی رو سے سوویت یونین نے اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کر دیں۔

یہ تمام تفصیل میں نے اس لئے دی ہیں کہ یہاں کے اہل علم کو بہت چل جائے
سوویت دوستی کی تمنا کہ سوویت یونین کا افغانستان کی آزادی، سالمیت اور استحکام میں کتنا حصہ
 رہا ہے اور کتنا پرانا رشتہ ہے۔ سوویت روس کے فنی ماہرین اور مشیر افغانستان میں آج ہی نہیں آئے بلکہ ان کی امداد
 کو سارا برس گزر گئے ہیں اور دوستی کا معاہدہ بھی آج نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے بھی یہ معاہدہ موجود تھے۔ لیکن
 امیر امان اللہ کو اس آزادی اور سوویت دوستی کی قیمت ادا کرنی پڑی۔ کیونکہ برطانوی سامراج یہ کہیں گوارا نہیں کر سکتا تھا

کہ غلام ہندوستان کی سرحدوں پر ایک ترقی پسند آزاد کامک وجود میں آئے۔ چنانچہ جب برطانوی سامراج امیرامانؒ کو سودیت کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلقات کی راہ سے بڑھنے میں ناکام رہا تو اس نے امیرامانؒ کو سی راستے سے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ امیرامانؒ نے صرف خارجی تعلقات میں ہی ایک آزاد اور سامراج دشمن پالیسی اختیار نہیں کی تھی بلکہ اس نے اندرون ملک بھی ایسے اقدام کئے جس سے وہ افغانستان کے قبائلی معاشرے کو ترقی یافتہ سماج میں بدلنے کی کوشش کر رہا تھا، اس کے لئے اس نے صنعتیں قائم کرنی شروع کیں اور اس کے لئے اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ایک طرف اس نے زرعی اصلاحات کا فیصلہ کیا۔ دوسری طرف قبائلی سرداروں کی مراعات ختم کرنے کا اعلان کیا۔ سود پر پابندی نافذ کر دی اور مقدمات کے فیصلوں کے اختیارات ان پڑھ ملاؤں کے ہاتھوں سے لے کر لڑنے کے عالموں کو منتقل کر دیے۔

ان اصلاحات نے بیہمان پیدا کر دیا۔ قبائلی سرداروں اور ان کے درست مولوی علما اور شاخ سیخ پورے گئے یہ یاد کرنا چاہیے کہ ان علما اور شاخ کا جاگیر داری اور قبائلی سماج میں ان جاگیر داروں اور قبائلی سرداروں سے ہمیشہ گہرا رشتہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی خانقاہیں ان کے مدرسے، ان کے حلوے، منڈے سب انہی زمینداروں کے ساتھ بہت حد تک وابستہ ہوتے ہیں چنانچہ برطانوی ایجنٹوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا۔ اور امیرامانؒ کی اصلاحات کو کامیاب بنانے کے لئے کئی عوامی ادارہ یا جماعت کو موجود نہ تھی۔ اس کا سہارا تو اپنے درباری اور وزیروں پر ہی تھا جو خلافتی قبائلی سرداروں اور زمینداروں کی آلی اولاد تھے۔ اس لئے جب قبائلی سرداروں نے برطانوی ایجنٹوں کی امداد سے آواز بلند کرنا شروع کیا تو امیرامانؒ کی تکیہ تنہا نظر آنے لگے۔ اور برطانیہ نے افغانستان کے انداموں کو باہر اس قدر پراپیگنڈہ کیا کہ الحفظ نظام الامان، بالکل اسی طرح مولوی اور شاخ ہندوستان میں پنپنا شروع ہو گئے جسے آج کل نظر آ رہے ہیں چنانچہ ۱۹۲۹ء کے بعد اس برصغیر کے اخبارات اور سیاسی زعماء کے بیانات کو اگر گھنٹا لگا جائے تو بہت ہی دل چسپ اور عجیب ناک تصویر سامنے آتی ہے اور اس دور کی صورت حال کی جھلکیاں دیکھ کر آج رونما ہونے والے واقعات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

۱۹۲۸ء میں امیرامانؒ نے اپنے دورہ یورپ کے بعد سودیت یونین کا بھی دورہ کیا اور وہاں کی ترقی اور نظام حکومت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس سے وہ خاصے متاثر ہوئے، اب ایسے سے ہیں جب یورپ اور یو سی ملک کے مقبوضات میں عالمی اقتصادی بحران سرخشاں رہا ہو۔ بیروزگاری بڑھ رہی ہو، افراد زر لوگوں کی زندگی اجیرن کر رہی ہو، پیداوار گھٹ رہی ہو، عوام کی قوت خرید جواب دے رہی ہو اور اس کے مقابلے میں ایک وسیع وسیع دولین ملک سودیت یونین تھا جہاں بیروزگاری ختم ہو رہی تھی، پیداوار بڑھ رہی تھی۔ قیمتیں مقرر تھیں۔ ان میں کوئی آثار چڑھاؤ نہیں تھا، افراد زراعت کو نہیں تھی تو ظاہر ہے امیرامانؒ کا متاثر ہونا لازمی تھا۔

اس صورت حال نے برطانوی سامراج کو خاصا پریشان کر دیا اور اس پر ظہم یہ ہو کہ ہندوستان میں اقتصادی بحران نے انقلابی عمل کو دن بدن زیادہ واضح اور متشکل کرنا شروع کر دیا اور یہاں ہر قانون کی تہ تیہ ہونے لگی، چنانچہ اس صورت حال کا اندازہ اس تحصیل اور جھنجھلاہٹ والی تقریر سے لگایا جاسکتا ہے جو ہندوستان کے برطانوی

والسٹر نے لارڈ اردن نے ۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء کو کی تھی، اس میں انہوں نے کہا:-

”ان صنعتی تنازعوں کا ایک اور اہم اور سنگین پہلو بھی ہے جس کا ذکر کے بغیر میں نہیں رہ سکتا، یہ درست ہے کہ مزدور طبقہ کی صحیح اور درست شکایات کا ازالہ ہونا چاہیے اور یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ مزدوروں اور محنت کرنے والوں کو کچھ شکایات ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پچھلے سالوں میں مزدور طبقہ میں بے چینی کی بنیادی وجہ بعض اشخاص کی سرگرمیاں ہیں جن کا مقصد مزدوروں کی بہبود نہیں ہے بلکہ سماج دشمن مفاد کو ہوا دینا ہے۔ جس انداز سے کمیونزم کو پھیلایا جا رہا ہے اس سے میری حکومت کو کچھ طور پر تشویش لاحق ہے نہ صرف کہ کمیونسٹ ایجنٹوں نے جو بیرون ملک سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں صنعتی شعبے میں انتشار اور گرد بڑھانے کی کوشش کی ہے بلکہ ان کا پروگرام جو انہوں نے اپنے سامنے رکھا ہے اس کے مطابق معاشرہ کے پورے اقتصادی ڈھانچے کو تہس نہس کرنا ہے۔“

یہ تقریر دراصل برصغیر میں کمیونسٹ خطرے کے پیش نظر زبردست مقتصدانہ و درمدر شروع کرنے کی نشان دہی تھی۔ چنانچہ اس کے لئے انتہائی نظر بندی کے قوانین نافذ کئے گئے اور پھر ملک بھر کے مزدور اور کمیونسٹ رہنماؤں کو پکڑ لیا اور ان کے خلاف حکومت وقت کے خلاف سرگرمیوں کی بنیاد پر ایک مقدمہ سازش قائم کیا گیا جسے میریڈ سائزس کیس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سوویت انقلاب کے بعد یہ جو تھا مقدمہ سازش تھا جو میریڈ سائزس قائم کیا گیا۔ اس سے پہلے پشاور، لاہور اور کانپور کے مقامات پر سازش کے مقدمات قائم کر کے مختلف کارکنوں اور رہنماؤں کو سالہا سال کے لئے قید کی سزائیں سنائی گئی تھیں۔

اب ہندوستان میں جب بغاوت اور انقلاب کی چنگاریاں شعلے بن رہے ہیں اور ایسے میں اس کی سرمدوں پر ایک ایسی حکومت برپوش نہ رہے کہ اس کی ہوا پر برطانوی سامراج کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ برطانوی سامراج کو خطرہ تھا کہ سوویت یونین افغانستان کے ذریعے ہندوستان میں سوشلسٹ انقلاب لانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے جہاں ہندوستان کے اندر نکل کر مشرق وسطیٰ میں سازشوں کے مقدمات، وسیع پیمانے پر گرفتاریاں مزدوری تھیں وہاں افغانستان کے اندر امیر امان اللہ کو مٹا دیا جانا بھی ضروری سمجھا۔ چنانچہ امان اللہ کی اصلاحات کو اسلام کے منافی قرار دیا گیا۔ افغانستان کے اندر روبرو باہر امیر امان اللہ کی حکیم ملکہ شریا کی عریاں تصویریں کروڑوں کی تعداد میں تقسیم کیں، ”علی اور شاہ“ کو سرگرم عمل کیا گیا، ان کی قیدیہ کاپ کیسپ ہندوستان پہنچی شروع ہوئی اور یہاں بھی عوام کو سنا کر کرنے اور امان اللہ خاں کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں ہونے لگیں۔

سیاست اور امیر امان اللہ ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں جب یہاں برصغیر افغان علماء اور مشائخ پر مظالم کی داستانیں اور امیر امان اللہ کی اسلام دشمنی کی داستانیں شائع ہوئی شروع ہوئیں اور مسلم رائے عامہ کو امان اللہ کے خلاف متاثر کیا جانے لگا تو پنجاب خلافت کمیٹی نے ان ریشہ وادوں کو کاپرہ چاک کرنا شروع کیا۔ چنانچہ دلا خضر علی خاں کا ”زمیندار“ اور مہر داس کا ”انقلاب“ جو عام طور پر ملکی مسائل پر مختلف ملکوں کے حامی بننے لگے افغانستان کی صورت حال پر بہت حد تک یکساں رد عمل کا اظہار کیا اور امیر امان اللہ خاں کے خلاف تحریک کو برطانیہ کی پیداکردہ بتایا۔ چنانچہ افغانستان میں برطانوی ریشہ وادوں کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مشور مسلم اخبار

”مدینہ“ نے جب ان ریشہ داروں کو بے کیا تو ایک طرف ”مدینہ“ سے ضمانت طلب کر لی تو دوسری طرف اس کے مدبر مولوی نور الرحمن کو ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ اسی موقع پر مولانا ظفر علی خاں نے اپنی نظم میں لکھا تھا ہے

خدا کی شان اک سنے کا بچہ
مقابل ہے محمد زاتیوں کے
نہیں دیکھے پٹے کے ہاتھ اس نے

امان اللہ کے مشیداتیوں کے

اسے سلامیوں سے کیسا مسرور کار

جو مسکروں پر پلے عیسائیوں کے

اب ذرا اس زمانے کے اخبارات میں پراپیگنڈہ کے انداز سے پستہ چل جائے گا۔ انقلاب اور زمینداران جزوں کو رونما نہ بے نقاب کرنے تھے لیکن ان کی خبروں سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح سے پراپیگنڈہ کیا جا رہا تھا۔

۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو روزنامہ ”انقلاب“ اپنے صفحہ ۲ پر دو کالمی علی سرخیاں دیتا ہے۔

شہزادوں کی بغاوت اور شورش کابل

اینگلو انڈین اخباروں کا ناپاک پراپیگنڈہ

تین ماہ پہلے اخباروں نے یہ رشتہ ناک خبر شائع کی کہ شاہ افغانستان کے بھائی رعایت اللہ خاں گرفتار کر لیے گئے ہیں اور لاہور بازار کا بھی افغانستان کی حکومت کے خلاف بیان شائع کیا گیا لیکن زمانہ نے ثابت کیا کہ یہ اطلاعات محض غلط تھیں اور خاص نظر یہ کی بنیاد پر شائع کی گئی تھیں، اس کے بعد ایک بے بنیاد خبر شائع کی گئی کہ افغانستان میں منشی مسکون کے لئے ہیٹ پہننا لازمی قرار دیا گیا۔ نیز یہ کہ جہاں اڈا رطعیاں منڈوا لی گئیں۔ ان باتوں کی بھی حقیقت آہستہ آہستہ تمام دنیا کو معلوم ہو گئی کہ ایسا کوئی حکم افغانستان میں موجود ہی نہیں۔

۹ جنوری ۱۹۲۹ء کو راولپنڈی پریس نے پٹ اور سے خبر دی ہے:-

”یہ باور کرنے کی وجہ موجود ہیں کہ اعلیٰ اسفرت ان آئین و ضوابط میں کچھ ترامیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے جو نکات ہمایوں نے تعلیم نسوان اور ترویج پردہ کے متعلق جاری کئے یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ امور سلطنت میں ملاؤں کو کسی حد تک اقتدار دینے پر رضامند ہو جائیں گے۔ اور اعلیٰ اسفرت غالباً اس تجویز پر سخت برہم ہوں گے کہ مظفر ثریا سے قطع تعلقی کر لیں نیز مجددہ کے عہد زودا قارب کو افغانستان سے ملامت مل کر دیں۔“

اس وقت بھی افغانستان کی خبروں کے لئے پٹ اور ہی مرکز و منبع تھا اور آج بھی انقلاب افغانستان کی بھینٹ پراپیگنڈہ کا مستقل مرکز پٹ اور اور یہ خطہ ہی ہے اور یہاں کے حوالے سے خبریں ۵۵۷۷ نشر کرتا ہے اور ۵۵۷۷ کے حوالے سے ہمارے اخبارات شائع کرتے ہیں۔ تاکہ ۵۵۷۷ کے نام سے اس کو موثر اور مصدقہ بنایا جائے اور عوام کو ان پر ایمان لانے کے لئے مائل کیا جاسکے۔

ہندوستان کے فری پریس جرنل نے ۱۵ جنوری ۱۹۲۹ء کو افغان باغیوں کے ۸ مطالبات شائع کئے تھے۔

۱۔ سپاس ارکان کی ایک مجلس قائم کی جائے جس میں اکثریت ملاؤں کی ہو باقی سرکردہ لوگ ہوں، یہ مجلس

ملکی، فوجی اور مذہبی معاملات میں اقتدار کامل رکھا کرے گی۔

۲۔ ملک میں قانون داں اور وکیل رکھے جائیں۔

۳۔ بادشاہ اور شاہی خاندان اسلامی طریقوں کی پابندی کریں۔

۴۔ طبی تعلیم کے لئے ہسپتالیں ترک کی جھیں گئی ہیں ان کو واپس بلایا جائے۔

۵۔ دیوبند کے فارغ التحصیل علما کو افغانستان میں داخلہ کی اجازت ہو۔

۶۔ ہر وہ کی سخت پابندی کی جائے۔

۷۔ جبری بھرتی معذرت کر دی جائے۔

۸۔ عورتوں کو پور میں لباس پہننے کی ممانعت

۹۔ ملاؤں کو نقل و حرکت کی مکمل آزادی ہو۔

۱۰۔ سکرات کا استعمال واجب التعزیر قرار دیا جائے۔

۱۱۔ جمعہ کو تعطیل ہوا کرے۔

۱۲۔ طالب علموں کو شادی کرانے کی اجازت ہوا کرے۔

۱۳۔ پیروں کو مذہب چڑھانے کی ممانعت نہ ہو۔

۱۴۔ لوگ قرضہ دینے میں آزاد ہوں۔

۱۵۔ لڑکیوں کی تعلیم کا سلسلہ موثر کر دیا جائے۔

۱۶۔ مرد و عورتوں کو لباس پہننے۔

۱۷۔ رشوت ستانی کے معاملات میں راستی اور مرضی دونوں کو سخت سزائیں دی جائیں۔

۱۸۔ ملاؤں کے متعلق جتنی پابندیاں ہیں سب دور کر دی جائیں۔ اور ملاؤں کو حق حاصل ہو کہ ہر شخص کا حق

لے کر اسے سزا دے سکیں۔

۱۱ جنوری ۱۹۲۹ء کو امیر امان اللہ نے باغیوں کے نام اپیل جاری کی۔

میں غلوں، نیت اور حکمت قلب سے اعلان کرتا ہوں کہ خدا واحد ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور

رسول ہیں۔ اے میرے اسلامی بھائیو! یاد رکھو کہ میں خدا اور رسول کی تعلیم کے مطابق تمام لوگوں کو زیور علم

سے آراستہ کرنا چاہتا تھا، مگر وہ توہمات کے ظلم سے رہا ہو جائیں۔ خونریزی، غارت گری اور چوری

نک کر کے دنیا کی منہدمت و مہذب قوموں میں اپنے لئے ایک جگہ حاصل کر لیں، لیکن اب تم نے اپنے

جہل اور خود غرض دوستوں کی ترغیب پر علم و ہنر کی بلند کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے فرزند ان کو حید

کی جانب ضائع ہو گئے۔ میں نے اپنی رعایا کی خواہش پر کئی ورنہ لڑکیوں کو ترکی میں تعلیم حاصل کرنے

کے لئے بھیجا تھا، مگر ان کے شوہر بھی ان کے ہمراہ گئے تھے، لیکن تم نے یہ اقدام بھی پسند نہیں کیا تم نے

اس پر غور نہیں کیا کہ تمہاری بنیاد سے افغانستان کو کیا نتائج بھگتے پڑیں گے۔

۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء کو کوکٹر انصاری، مولانا محمد علی اور پروفیسر اندر نے ایک بیان میں حکومت ہند کو ان خطرناک نتائج

سے متنبہ کیا گیا جو معاملات افغانستان میں اس کے سیاسی و فوجی مداخلت سے جو کسی طرح افغانستان کی آزادی کی نکتہ کا باعث ہو پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس بیان میں یہ بھی انتباہ کیا گیا کہ ہندوستان کے وسائل و ذرائع کو استعماری مقاصد کی تکمیل و توسیع کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

اسی دن یعنی ۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء کو انقلاب میں پشاور کے حوالے سے ایک اور خبر شائع ہوئی ہے۔ جس پر انقلاب سرخی جمانا ہے۔

کیا یہ مداخلت کے لئے بہانہ تلاش کیا جا رہا ہے
پشاور مقامی تاجروں کے وفد نے چیف کمشنر سے ملی کر افغانستان کے حالات پر گہری تشریح کا اظہار کیا گیا کہ کابل میں ان کے دوستوں اور مالی تجارت کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا۔ ان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔
یکم جنوری ۱۹۲۹ء روزنامہ "انقلاب" میں بمبئی کے اخبار کے حوالے سے خبر شائع ہوئی ہے کہ اس اخبار نے حکومت برطانیہ پر الزام لگایا ہے کہ اس نے شتواریوں کو اسلحہ و بارود سے امداد دی ہے کہ پشاور میں سرکاری فوجی نے اس کی تردید کی لیکن سفارتی حلقوں میں چربیگوئیاں جاری ہیں۔

۳ جنوری ۱۹۲۹ء کو "انقلاب" اپنے ادارے میں رقمطراز ہے۔

اینگلو انڈین جوائنٹ اور بعض مشہور جرائد انڈینوں نے پچھلے دنوں اعلیٰ حضرت شہر پار افغانستان اور ان کی مملکت کے متعلق غرضناک غلط بیانیوں اور بے سرو پا دروغ بانیوں کا جو کوہ سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس میں سے ایک ایک کی تردید کی جا چکی ہے اور اہل ہند کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات الہیہ جو کہ اسلام کے لئے، انبیاء کے لئے، افغانستان کے لئے ہزاروں برکات و حسنات کا سرمایہ ہے۔ اس لئے من گھڑت خبریں شائع کر کے آپ کو مسلمانوں اور ہندوستانیوں کی نظروں سے گرا بنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔

پشاور ۱۱ جنوری ۱۹۲۹ء کو کابل کے اخبار "امان افغان" میں شہر پار غازی امان اللہ کا ایک شاہی اعلان شائع ہوا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ تمام اصلاحات جدیدہ کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔

- ۱۔ جوانان بولکیں حصول تعلیم کے لئے ترکی بھیجی گئی تھیں انہیں واپس آنے کا حکم بھیج دیا گیا ہے۔
- ۲۔ یورپین لباس پہننے اور عورتوں کو پردہ پہنانے کے احکام منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔
- ۳۔ لڑکیوں کے مدارس اور انجنیئرنگ سکولز بند کر دی گئی ہیں۔
- ۴۔ سپاہیوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ بلا حصول اجازت پیروں کے مرید بن سکیں۔
- ۵۔ لازمی فوجی ملازمت کے احکام منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔

اس اعلان پر دیگر علماء کے علاوہ ملاشور بازار کے بعض دستخط تھے اور قاضی القضاہ قاضی محمد اکبر کے بھی دستخط ہیں۔

روزنامہ اشتیاب کا ادارہ

۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء کو مولانا غلام رسول مہاروی مولانا عبدالحمید ساک کے روزنامہ "انقلاب" نے ایک بہت ہی طویل اور

افغانستان کے حالات پر رقم کیا۔ ادارہ میں رقم طراز ہیں۔

نقدہ افغانستان کے آغاز سے لے کر اب تک دشمنانِ اسلام اور بعض غرضمند طبقوں کی طرف سے ہندوستان میں یہی پراپیگنڈہ کیا جا رہا کہ اعلیٰ حضرت شہرِ یارِ غازی کے خلاف بعض بدعت افغانی قبائل کی بنیاد کا حقیقی باعث وہ اصلاحات تھیں جو حضور نے یرپ سے واپس آنے پر ملک میں نافذ کرائیں۔ یہ بے سرو پا پراپیگنڈہ کچھ ایسی ہرزہ سرائی سے کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت شہرِ یارِ غازی کے بعض ہمدرد بھی اس کو صحیح سمجھنے لگے اور فضائے ہند میں طرح طرح کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کسی نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی نافذ کردہ اصلاحات خلافِ شریعت تھیں۔ اس لئے علما نے افغانستان نے اب کے خلاف خروج کا فتویٰ دے دیا۔ کوئی کہنے لگا کہ ان اصلاحات میں کوئی بات خلافِ شریعت تو نہیں لیکن چونکہ افغان ایسی پہلے فیض کے ملاؤں کی قدامت پرستی کے جال میں بڑی طرح اسیر ہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت کو چاہیے تھا کہ کسی قدر توقف فرماتے یہ محض آپ کی تعظیم کی گاری تھی۔ جس نے افغانوں کو آتشِ زیر پا کر دیا۔ غرض ہندوستان اعلیٰ حضرت غازی کی عام راستے میں بھی کر باغیان افغانستان نے ایک ایسے سیدِ مظلوم و خدا پرست مسلمان بادشاہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے اپنے آپ کو قتل کا مستوجب بنا دیا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ اصلاحاتِ جدیدہ کے معاملے میں اعلیٰ حضرت سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں اور ان سب سے بڑی لغزش یہ ہے کہ آپ نے نفاذِ اصلاحات میں بے حد محبت سے کام لیا۔ لیکن تاریخینِ انقلاب کو معلوم ہے کہ انقلاب کا مسلک آغازِ کاری سے مندرجہ بالا مسلک اور نقطہ ہائے نگاہ سے مختلف رہا ہے ہم نے ہمیشہ یہی لکھا کہ اصلاحاتِ جدیدہ ہرگز بغاوت کا باعث نہیں ہوتیں کیونکہ ان میں ایک بات بھی خلافِ شرع نہیں ہے اور کوئی عالمِ دین کسی نصیح صریح سے ان اصلاحات کا عدمِ جواز ثابت نہیں کر سکتا۔ ہمارے نزدیک بغاوت کی وجہ یہ تھی کہ جب دشمنانِ اسلام کفار کے چٹوروں اور ملک و ملت کے غداروں کو اعلیٰ حضرت شہرِ یارِ غازی کی روشنی خیالی اور صحیح اسلام پرستی کی موجودگی اپنا اُلوسیدھا سپوتا ہوا نظر نہیں آیا تو انہوں نے آہستہ آہستہ جاہل افغانی قبائل میں دعوہ و تقصیر کے ذریعے سے اندر سائل و تصادم پر تقسیم کر کے یہ پراپیگنڈہ کیا کہ ان اللہ خاں کا ترہو گیا ہے۔ بتوں کی پرستش کرتا ہے حضورِ سرورِ دو جہاں کی توہین کرتا ہے۔ اس لئے جبراً محمدرتوں کا پردہ اٹھا دیا ہے، وہ ہر شخص کو زبردستی انگریزی لباس اور انگریزی ٹوپی پہناتا ہے۔ علما کی توقیر نہیں کرتا۔ اس افغان لڑکیوں کو بے پردہ غیر مہاک میں بھیج کر افغانوں کی غیرت کو صدمہ پہنچایا

چونکہ اس پناہک پراپیگنڈے کی پشت پر بعض محفی طاقتوں کا بے اندازہ روپیہ و اثر کار فرما تھا اور بعض ملاؤں نے جنہیں اپنے علوے ماندے کی نگر پڑ گئی تھی اس پراپیگنڈے کی حمایت میں جاہل افغانوں کو اسانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ پراپیگنڈہ اپنے مسموم مقاصد میں کامیاب ہوا اور اعلیٰ حضرت غازی نے صورتِ حالات کی نزاکت کو ملحوظ رکھ کر اور اپنی محبوب رعایا کو غریزی سے بچانے کی خاطر تاج و تخت سے دستبردار ہو گئے لیکن اس دستبردار سے پہلے اعلیٰ حضرت نے ایک اعلان عام شائع کیا جس میں اپنی قوم کو بتایا کہ اگر تم اصلاحات ہی پر معترض ہو تو میں ان سب کو منسوخ کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد انہیں مجھ سے پرفاش نہ ہوئی چاہیے۔ اعلیٰ حضرت غیب جانتے تھے کہ اصلاحات کو محض جیلے کے حرور پر استعمال کیا جا۔ اس لئے اس کے خلاف کھلم کھلا اور بے

اس لئے آپ نے بطور اتمام حجت اصلاحات کی تفسیح کا اعلان کر دیا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں میں سے ایک نے بھی بغاوت ترک نہ کی اور سردار عنایت اللہ خاں کو بھی اپنا بادشاہ تسلیم نہ کیا حالانکہ سردار صاحب اپنی پابندی شریعت کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی اس اتمام حجت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بغاوت کا باعث اصلاحات نہیں اور باغیوں نے "شریعت، شریعت" کے نعروں کو محض اپنے مخصوص اور ناپاک مقاصد کا آلہ کار براری بنا رکھا ہے۔

خفت کمیٹی میں کشمکش یہی نہیں ہوا کہ برطانوی پرائیگنڈہ اور ریشہ ودانیوں کے ذریعے یہاں پر رائے عامہ متاثر کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ کچھ مسلمان لیڈروں

تھے جنہیں اس پرائیگنڈہ کے ذریعے ہمنوا بنانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ برطانوی سامراج کی یہ ریشہ ودانیاں رنگ لائیں اور مرکزی خلافت کمیٹی کا ایک عنصر بھی امان اللہ کے خلاف تلوار سوخت کر میدان میں آگئی۔ لیکن سامراج دشمن خلافتیوں نے جنہی ڈٹ کر امیر امان اللہ کی حمایت ہی نہیں کی بلکہ سامراج دوست خلافت لیڈروں کو بے نقاب بھی کیا، اس قدم سے صورت حال کا میں ذکر اپنی کتاب "پنجاب کی سیاسی تحریکیں" میں کر چکا ہوں۔ بہر حال یہاں بھی اس صورت حال کا اجالی تذکرہ ضروری ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں جب امان اللہ خاں کے خلاف پرائیگنڈہ زوروں پر تھا تو اس کی زور سے زیادہ پنجاب اور صوبہ سرحد پر پڑتی تھی۔ اس لئے پنجاب خلافت کمیٹی جس کے میکر بڑی جمعۃ العلما تھے۔ ہند اور بعد میں مجلس احرار کے مشہور رہنما مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی تھے نے امان اللہ کے حق اور برطانوی ریشہ ودانیوں کو بے نقاب کرنے کے لئے متعدد بیان دیئے اور مرکزی خلافت کمیٹی کو بھی لکھا کہ وہ اس ضمن میں قدم اٹھائے۔ چنانچہ اس پر مرکزی خلافت کمیٹی کے آفس سیکرٹری مولانا محمد عرفان نے ایک مکتوب مولانا حبیب الرحمن کو لکھا۔

غازی امان اللہ کی خلاف مرکزی خلافت کمیٹی کا خط

محکم بندہ مولانا حبیب الرحمن صاحب۔ سلام مجدد

مسند افغانستان میں آپ کی روش اور طریقہ کار محفول نہیں۔ ہماری ذاتی اطلاعات ہیں کہ افغانستان میں مسلمانوں کے ایک متنفذ بھی نہیں جو شاہ امان اللہ خاں کی حکمت عملی سے موافق ہو۔ یہ مسئلہ کسی ایک گروہ کی بغاوت کا نہیں ہے بلکہ تمام عمال حکومت و زوراء اور تقریباً ساری پبلک کی مخالفت کا ہے اور یہ سارا کھیل کم از کم مجھے انقلاب افغانستان سے چار ماہ پہلے معلوم تھا۔ جب علی احمد خاں بمبئی آئے تھے۔ تب ان سے سارے حالات معلوم ہو گئے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اب آئندہ افغانستان میں ضرور کوئی نہ کوئی تبدیلی ہوگی۔ بہر کیف ہماری معلومات یہ تھیں کہ سردار علی خاں، جنرل نادر خاں اور دونوں بھائی سردار محمد دل خاں۔ شیر علی خاں۔ والدہ امان اللہ خاں اس پالیسی کے موافق نہیں تھیں۔ خود انقلاب افغانستان نے بھی یہی بات ثابت کی ہے کہ فوج اور عمال حکومت موافق نہ تھے۔ ورنہ (تسلیم) خواست کی بغاوت چند ہفتوں میں ختم ہو جاتی لیکن ایک مچھوٹے کی بغاوت جسے ڈاکو کہا جاتا ہے۔ اتنی مؤثر اور عالمگیر ہو کہ اس کے سامنے ساری نظامی فوج ہتھیار ڈال دے اور اپنی بارے چارگی کا اعلان کر دے۔ بہر حال ہماری اطلاعات افغانی سرکاری ذرائع سے یہ ہیں کہ کچھ سترہ برائے نام

ہے اور اس کی پشت پر تقریباً سارا ملک ہے۔

ایسے حالات میں جو آپ کا رویہ ہے۔ وہ بہت نامعقول ہے، اور افغانستان کے لئے تباہ کن ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امان اللہ خاں سے بہتر سرزمین افغانستان کے لئے دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کو واپس لانے کی یہ بھی تدبیر نہیں کہ تمام علماء افغانستان کو کابیاں دی جائیں اور کچھ ستر نام کا جو ایک شخص ہے اسے مٹا دیا گیا کیا کہا جائے۔ صدارت یہی ہے کہ امان اللہ صاحب کو کبھی سمجھایا جائے کہ ساری اصلاحات عدالتوں کے ننگے بدن میں نہیں رکھی ہوتی ہیں۔ اور علماء اور مشائخ اور قبائل کے سرداروں کو کبھی سمجھایا جائے کہ یہ چیزیں اتنی اہم نہیں ہیں کہ آپ ان کی وجہ سے یعنی اصلاحات کی وجہ سے ایک بہتر آدمی کو ضائع کر دیں۔ بد نصیبی یہ ہے کہ مرکزی خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور ایک جگہ بمیڈلر کو اگر کوئی مشورہ ہوتا تو سب ایک ہی رائے پر جمع ہو جاتے۔

(محمد عرفان)

مولانا محمد عرفان انس سیکرٹری مرکزی خلافت کمیٹی کے اس خط کے بعد مولانا شوکت علی نے غازی امان اللہ کے خلاف اخبارات میں بیان دیا۔ مولانا شوکت علی کے بیان کے جواب میں رئیس احرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے حسب ذیل بیان دیا۔

غازی امان اللہ خاں کے حق میں بیان

میں یہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوں کہ پنجاب کے قومی کارکنوں نے افغانستان کے معاملے میں برکت رہنمائی کی ہے اور یہ بات مزید لے کر بہت زیادہ مسرت کا باعث ہے کہ تمام ہندو پریس اور ہندو لیڈروں نے پوری جرات اور دلیری کے ساتھ شاہ امان اللہ غازی کی حمایت میں آواز بلند کی ہے۔ یہ یقین ہے کہ یہ حالات ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک مضبوط چٹان ثابت ہوں گے۔

مگر ان حالات کے ساتھ ساتھ مجھے مولانا شوکت علی کے بیان سے شدید صدمہ پہنچا۔ مولانا شوکت علی کا بیان مجھل بھی ہے اور گمراہ کن بھی، مجھے حیرت ہے کہ علی براہدان کی گزشتہ پانچ سالہ زندگی صرف مسلمان حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کرنے میں گزاری ہے۔ ان دونوں بھائیوں نے جس وقت سے ترکی نے لفظ خلافت سے انکار کیا۔ تو غازی مصطفیٰ کمال کی اتنی شدید مخالفت کی جس کو ہر مسلمان نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ سلطان ابن سعود کے معاملے میں تو کینے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اس کی حکومت تباہ کرنے میں دونوں بھائی سہ جہاز و ناجائز طریقہ استعمال کر رہے ہیں۔ اب جب کہ سلطنت افغانستان کی تباہی کا فیصلہ دشمنان اسلام نے کر لیا ہے اور وہ بظاہر کسی حد تک اپنے ارادوں میں بغیر بغیر انہیں کے کامیاب بھی ہیں۔ مجھیک اس وقت مولانا شوکت علی نے ایک مضمون کے انداز میں غازی پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے:-

”باغی افغانستان میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ اسلامی احکام کی عزت اور مغربی تہذیب کے خلاف ایک

شرعی جہاد ہے اور شاہ امان اللہ غازی اپنی بددینی کی وجہ سے سخت سے عکیدہ کیا گیا۔“

اس بیان میں مولانا شوکت علی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں کچھ ستر نام کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا۔ میرے خیال میں یہ

افغانان کی زبان سے ہندوستان کی رائے عام کے خوف سے نکلے۔ ورنہ ان کے بیان کا پہلا حصہ بوجھ سقا اور اس کے معاذین کی حرف بھرت تائید کرتا ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا شوکت علی کے بیان کا وہ حصہ جو غازی امان اللہ کے خلاف انڈیاغیوں کی حمایت میں ہے۔ افغانستان میں لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہو چکا ہوگا۔ اس لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ دشمنان اسلام کی تمام طاقتوں سے زیادہ مولانا شوکت علی کا بیان شاہ امان اللہ اور سلطنت افغانستان کے لئے نقصان رساں ثابت ہوگا۔ سلطان ابن سعود کی اس لئے مخالفت کی جاتی ہے کہ اس نے شریعت کا وقار سرزمین حجاز میں دوبارہ کیوں قائم اور شاہ امان اللہ کی مخالفت یہ کہہ کر کی جاتی ہے کہ وہ شریعت کا مخالف ہے۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں کہ ہندو پریس کے بعد مسلم پریس میں سوائے اخبار زمیندار کے مسلمان اخباروں کی اکثریت شاہ امان اللہ کے بائے میں بزدلی سے کام لے رہے ہیں اور بعض بدشیت اخبار شاہ امان اللہ کے خلاف مضامین لکھ رہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان مسلم حقوق کی رٹ لگانے والے مسلم اخبارات سے سختی کے ساتھ یہ سوال کریں کہ افغانستان کے معاملے میں تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے۔ خدا مسلمان قوم کو اپنے دوست و دشمن کے سمجھنے کی توفیق دے۔

(عصیب الرحمن لدھیانوی)

رئیس الاحرار مولانا عصیب الرحمن لدھیانوی نے مولانا شوکت علی کے بیان کے بعد حسب ذیل فتوے لکھے ہندوستان کے پاس بھیجا۔

محترم المکرم السلام علیکم

ذیل کے سوالات ارسال خدمت ہیں۔ حالات کا اقتضا ہے کہ ان کا جواب جلد از جلد ملک میں شائع کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ بہت جلد صاف و مختصر مدلل جواب ارسال فرمائیں گے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت شاہ امان اللہ غازی پر کفر کا فتوے لگایا گیا ہے۔ اور باغیوں کی شرعی حیثیت سے امداد کی حباب رہی ہے۔ جس سے دشمنان اسلام فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطنت اسلام کو برباد کر رہے ہیں۔ (عصیب الرحمن لدھیانوی)

سوالات

۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہ امان اللہ غازی والی افغانستان نے جو اصلاحات اپنے ملک میں جاری کی تھیں۔ کیا وہ ان کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا؟
۲۔ (الف) کیا ان اصلاحات کا اجرا شاہ امان اللہ کے خلاف بغاوت کرنے کی شرعاً اجازت دیتا ہے؟

۱۔ (ب) جو جماعت ان اصلاحات کی بنا پر بغاوت کرنا چاہتی ہے۔ اس کی کس قسم کی معاونت کرنا کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز ہے۔

۳۔ جو لوگ ان اصلاحات کے اجرا کی وجہ سے شاہ امان اللہ کو کافر کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔

۴۔ جبکہ دشمنان اسلام مختلف ذرائع سے سلطنت افغانستان کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات

میں شاہ امان اللہ کی امداد کرنا مسلمان پر شرعاً فرض نہیں ہے!

اب لطیف یہ ہے کہ خود مفتی محمود کے بزرگوں نے اس فتوے کے جواب میں ان اصلاحات کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ شرح کے مطابق بنایا اور امان اللہ کی حمایت کو فرض قرار دیا۔ لیکن مرکزی خلافت کمیٹی اور علی برادران سے جو شدید اختلافات پیدا ہوئے۔ اس پر مولانا عرفان صاحب کا غیر مطبوعہ خط اور مولانا شوکت علی صاحب کے بیان پر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا بیان انہی جگہ بہت سی تفصیلات رکھتا ہے۔ مگر ان تفصیلات پر جنرل نادر خان کے خط مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۲۹ء اور جنرل نادر خان کے خط کے ساتھ شہزادہ فضل داد خان کا خط مولانا شوکت علی اور مرکزی خلافت کمیٹی کے تباہ کن اثرات پر پوری طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ ان خطوط کی آمد کے بعد مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور ان کے تمام ساتھی مرکزی خلافت کمیٹی سے مسئلہ افغانستان میں کسی طرح بھی شفیق نہیں ہو سکتے تھے۔ شہزادہ فضل داد خان کے خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

از ڈیرہ اسماعیل خان

عالی جناب محمدمی و محترمی حضرت فخر الاحرار صاحب مظلمہ العالی ،
اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج اقدس! اندریں زماں جبکہ ہر طرف حوادث انقلابی رونما ہو رہے ہیں۔ ہندوستان و افغانستان میں حیثیت سیاسیات و شوارعبو زرائع سے گذر رہے ہیں۔ ایک سلطنت کا دوسری ہمسایہ سلطنت پر اثر انداز ہونا ہر حیثیت سے ضروری ہے۔ افغانستان و سلطنت محروسہ کے برخلاف چند گراہ و کوتاہ اندیش اشخاص نے ضرورت حال و اتقنائے زمانہ سے نا آشنا ہو کر جو نگرہ کن پر دیکھنا شروع کر رکھے۔ جو نقصان امن و اصلاح ملک و سلطنت ہے۔ اس سے جناب بھی باخبر و واقف ہوں گے۔ اکابر اسلام کی متفقہ آواز کو نہایت سرد مہری و کم دانشی سے پس پشت ڈال کر بے سرو پا خود ساختہ افسانے گھڑ کر دولتِ عالیہ افغانستان کے خلاف بدظن کرنے کی جو ناپاک کوشش شروع کر رکھی ہے۔ ان سب ہتھکنڈوں سے جناب والا مطلع ہوں گے۔ ان کے خلاف اعلان فرمائیں گے، جو افغانستان کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور ہماری مدد خیر مانگیں گے۔ (بالکل پرائیویٹ)

نیازمند
شہزادہ فضل داد خان

کوچہ حافظ جمال ڈیرہ اسماعیل خان

اس خط کے ساتھ حسب ذیل خط جنرل نادر خان شہید کا موصول ہوا۔ جس کا مضمون درج ہے:
”درجہ اولیٰ عالیہ ہند و جریدہ فریدہ افغانستان علاوہ از اظہار ہمدردی و تمام معنوی و تبلیغی کہ برادران ہندی راجع باحوال تباہ قابلِ زحمت افغانستان دارند۔ میخواستند کہ باعانت مالی نیز برادران تمام

و متاثر خود را اندام مجاہدین حریت افغانی را تقویہ نمایند، وضعیت موجودہ مجاہدین خیلے بامداد ملی برادران ہمدرد خویش احتیاج دارد، و یگانہ وسیلہ پیشرفت مجاہدین و نجات افغانستان ازین تہلکہ و بربادی وابستہ بہ امداد است الذہن ازین عقیدہ عالمیہ و ادارہ حسنہ برادران ہندی خود اظہار ممنونیت و امتنان نمودہ امید میکنم کہ ارادہ ذہنی خود متاثر فروری لباس علمی پوشانیدہ ملت در رسیدہ افغانستان را در این حالت فلاکت و تباہی شان دستگیری نمایند۔

امید وارم کہ این حالت زار افغانستان ہمہ ہمدردان فروع بشر را متاثر نمودہ باشد دوست معاون خود شان را این ملت مصیبت زدہ کوتاہ نخواہد نمود، و این ملت را برابر ہمیشہ ممنون احسان خواہد نمود۔
محمد نادر خان سپہ سالار ۲۸۔ اگست ۱۹۲۹ء

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نادر خان کو جو اس زمانے میں مقبولیت حاصل ہوئی وہ اسی بنا پر تھی کہ وہ امان اللہ خان کو واپس لانے کے لئے مصروف پیکار ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس کو درپردہ برطانیہ کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن چونکہ برطانیہ نے ہندوستان میں امان اللہ کی مقبولیت کا احساس کیا تھا۔ اس لئے نادر خان کو یہاں امان اللہ کے دوست کے طور پر پیش کیا گیا۔ لیکن برطانیہ کا جو مقصد تھا کہ امان اللہ کے جو سودیت یونین سے تعلقات میں قربت اور گہرائی اگر ہی ہے۔ اس کے عمل کو رد کیا جائے اس میں وہ کامیاب ہو گئے۔

کیا آج بھی امریکہ اور برطانیہ کو اسی لئے پریشانی پہنچی ہے کہ ہاں ہاں کیوں افغانستان میں ایسا انقلاب ہوا ہے اور ایسے لوگ برسرِ اقتدار آئے ہیں جو ہاسکو کے قریب ہیں، حالانکہ سوال ہاسکو کی قربت کا نہیں ہے۔ سوال ہے عوام کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کا ظاہر ہے جب بھی عامۃ الناس کے حالات زندگی بہتر کرنے کی کوشش کی جائے گی تو جو اتالیقی گروہ مال و دولت کے وسائل سمیٹے بیٹھا ہے۔ اس پر جوٹ پڑے گی اور وہ اور اس کے تمام عزیز و اقارب پریشان ہوں گے۔ یہ علماء یہ مشائخ یہ مذہبی جو یہاں آکے شور مچا رہے ہیں اور چہرہ بہاں پر آتے بیٹھے ہوتے ہیں۔ یہ سب وہاں کے امراء کے دوست اور ان کے پروردہ ہیں اور یہ دراصل دنیا کی اس امر کی دہرے رہتے ہیں کہ ہاں ہاں رہیں کیوں چھینی جا رہی ہیں، سودی کاروبار کیوں بند ہو رہا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ افغانستان کے امراء میں سودی کاروبار کی روایت بہت پرانی ہے۔ یہ پانچویں سو برس پہلے سودی کاروبار کہہ تے نظر آئے۔ یہ اسی روایت ہی کا ایک حصہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امان اللہ نے جب اس کاروبار پر قدغن لگائی اور اس کے خلاف سختی اٹھی تو تلوٹوں کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا جیسے کہ میں پہلے کچھ چکا ہوں کہ ان کاموں میں مطالبہ تھا کہ لوگوں کو قرضہ دینے کی آزادی ہو، اب اس کا مطلب کیا تھا کہ قرضے کی آزادی سے مراد سود کی آزادی ہے کہ آپ جیسے چاہیں قرضہ دیں اور جتنا چاہیں وصول کریں۔

اقبال اور امان اللہ خان مخالف تحریک

امان اللہ خان کے متعلق رشتہ دوانیوں، برطانوی سامراج کی سازشوں اور "علماء اور مشائخ" کا ان سازشوں میں ملوث ہونے کے متعلق میں اس دور کے خلافت رہنماؤں کے ایک گروہ، علمائے دیوبند اور اخبارات کا رجحان کافی تفصیل سے دے چکا ہوں اب اس ضمن میں ایک اور ہستی کے رجحان کا میں تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں، یہ ہستی علامہ اقبال کی تھی، علامہ کا امان اللہ کے خلاف تحریک کے بارے میں جو تاثرات تھے ان کا تذکرہ میرے پیارے دوست ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اپنی ایک بہت ہی اہم تصنیف سرگزشت اقبال میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

علامہ اقبال ساری دنیائے اسلام کے حالات و کوائف اور تعمیری رجحانات میں دلچسپی لیتے تھے، لیکن جو انسانی قرب کی بناء پر افغانستان سے انہیں کچھ زیادہ ہی لگاؤ تھا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ افغانستان مدتوں برطانیہ اور روس کی طرف سے مداخلت کا شکار رہا اور اس پر سالہا سال تک برطانیہ کا تسلط رہا۔ اور اس کے بعد افغانستان نے اس جوئے کو آماجھینکا اور آزادی کی نعمتوں سے لذت امدوز ہونے لگا۔ اور جس تیسری افغان جنگ کے نتیجے میں افغانستان آزادی سے ہلکا رہا۔ وہ اسی دور میں لڑی گئی جب برعظیم کے مسلمان تحریک خلافت کی آدماشوں سے گذر رہے تھے۔ افغانستان غازی امان اللہ کے عہد میں آزاد ہوا، اس لئے اقبال کو غازی مرحفوں سے محبت بھی تھی اور عقیدت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پیام مشرق "امان اللہ کے نام سے معنون کی اور ایک طویل نظم میں انہیں حجاز عقیدت ادا کیا۔ پیام مشرق کے دیباچے میں انہوں نے اقباب کی وجوہ بیان کی: "اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جیسا مقصد افراد اقوام کی شکاہ کو جغرافی حدود سے بالا کر کے ان میں ایک صحیح اور قومی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو، قابل احترام ہے۔ اسی بنا پر میں نے چند اور ان کو اعلیٰ حضرت فرما کر لائے افغانستان کے نام نامی سے منسوب کیا ہے کہ وہ اپنی فطری ذہانت و ذہانت سے اس نکتے سے بخوبی آگاہ معلوم ہو تے ہیں اور افغانوں کی تربیت انہیں خاص طور پر مد نظر ہے۔ اس عظیم الشان کام میں خدا تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔"

برطانیہ چاہتا تھا کہ افغانستان آزادی کے بعد بھی اس کا مطیع رہے لیکن امان اللہ خان ملت افغانہ کو تعمیر اور ترقی کے راہ پر گامزن کرانے کے لئے آزاد خارجہ پالیسی کے قائل تھے۔ انہوں نے اشتراکی روس سے دوستی کا معاہدہ کیا، ترکیہ اور ایران سے بہتر مراسم پیدا کئے اور اس زمانے کی بڑی طاقتوں کو نظر انداز کر کے جرمنی سے تکنیکی معاہدات کئے۔ برطانیہ کو یہ طرز عمل پسند نہ آیا۔ بالخصوص اسے روس کے ساتھ گہرے تعلقات پر اعتراض تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں مغربی طاقتیں روس کو اچھوت سمجھتی تھیں۔ چونکہ امان اللہ خان دباؤ میں نہ آئے، اس لئے برطانیہ نے ان کے خلاف لکیشہ و درانیان شروع کر دیں اور بعض اصلاحات کے خلاف ملاؤں کو بھڑکا کر بغاوت کی راہ پر برطانوی ممبرین نے یہ چرچا کیا کہ بغاوت کی اصل وجہ اصلاحات کا نفاذ ہے۔ یہ بغاوت ۱۴ ربیع الثانی ۱۹۲۰ء کو شروع ہوئی اور ۱۶ جنوری ۱۹۲۱ء کو حسیب اللہ عرف بچہ سقہ نامی ایک ڈاکو نے کابل پر قبضہ کر کے امان اللہ خان کو نکلنے پر مجبور کر دیا۔ بچہ سقہ

نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور ملک میں امارت کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

۲۶ فروری ۲۹ کو لاہور کے انگریزی روزنامے "ٹریبون" کے نامور نگار خصوصی نے حضرت علامہ سے ان کا پہلا دریافت کیا، تو انہوں نے کہا:۔ اہل ہند افغانستان کی آزادی اور اس کے اتحاد و استحکام کے ساتھ گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔ مغرب اور وسط ایشیا کا سیاسی انحطاط ہندوستان اور چین کی ترقی پر رجعت پسندانہ اثر کرے گا۔ اس لئے اب ان ممالک کے سیاست دانوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ سیاسی نصب العین کی تنگ نظری کو ترک کر کے معاملات کو زیادہ وسیع نگاہ سے دیکھیں اور اپنی حکومت عملی کی تشکیل اس کے مطابق کریں۔۔۔۔۔۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ نہ صرف افغانستان کے مفاد بلکہ ایشیا کے وسیع تر افغان و متفاصد کے لحاظ سے ضروری ہے، کہ شاہ امان اللہ خاں کی

حکومت برقرار رکھی جائے۔۔۔۔۔۔ اس انقلاب کے اسباب، دریافت کئے گئے، تو انہوں نے کسی قطعی رائے کے اظہار سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ جو چیزیں آ رہی ہیں، وہ اعتماد کے قابل نہیں ہیں۔ بہرحال انہوں نے ایک وسیع تر منظر میں اس رائے کا اظہار کیا:۔ اس امر کے یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ عالم اسلام میں قدامت پسندانہ جذبات اور لبرل خیالات میں جنگ شروع ہو گئی ہے۔ غلبہ ہے، کہ قدامت پرست اسلام بغیر جدوجہد کے تسلیم ختم نہیں کرے گا۔ اس لئے ہر ایک ملک کے مسلم مصلحین کو چاہیے کہ روف اسلام کی حقیقی روایات کو غور سے دیکھیں۔ بلکہ جدید تہذیب کی ترویج اندرون تصدیق کا بھی احتیاط سے مطالعہ کریں جو بے شمار طاقتوں میں اسلامی تہذیب کی مزید ترقی کا درجہ رکھتی ہے۔ جو چیزیں غیر ضروری ہیں، ان کو ملتوی کر دینا چاہیے۔ کیونکہ صرف ضروری چیزیں فی الحقیقت قابل لحاظ ہیں۔ یہ امر صحیح نہیں کہ مجلسی معاملات میں قدامت پسندانہ طاقتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ انسانی زندگی اپنی اصلی روایات کا بوجھ اٹھا حوں پر اٹھا کر منزل ارتقاء طے کرتی ہے۔

افغانستان میں حالات تیزی کے ساتھ بدلتے چلے گئے۔ غازی امان اللہ خاں وطن چھوڑ کر یورپ چلے گئے۔ ان کے بھائیوں سے حالات منجھائے نہ گئے۔ دوسری طرف، برطانیہ نے بھی محسوس کیا کہ بجز مسرت کی حکومت زیادہ دیر نہیں چلے گی۔ اور کئی ایسی متبادل قیادت سامنے لانی چاہیے جس پر ملک اعتماد کر سکے۔ خود افغانستان کے اندر بھی بعض عناصر متبادل قیادت کے آرزو مند تھے۔ چنانچہ انہوں نے پریس میں مقیم افغان سفیر جنرل نادر خاں کو دعوت دی کہ وہ حالات سدھارنے کی سعی فرمائیں۔ ان کے نام سے یہ خوشگوار یاد بھی وابستہ تھی کہ انہوں نے افغانستان کی جنگ آزادی اور دوسرے لفظوں میں تیسری افغان جنگ میں ملی کے مقام پر انگریزی فوج کے وامت کھٹے کئے اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ جنرل نادر خاں اپنے تین بھائیوں کے ساتھ پہلے برطانیہ میں آئے اور اس کے بعد افغانستان میں داخل ہو گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں نے ان کی مدد کی۔ ایک قوت ہتھیار فراہم کئے۔ دوسرے، یہ اجازت دی کہ آزاد قبائلی علاقے میں وزیر بری اور محسود قبائل کی مدد سے لشکر تیار کریں۔ اس مدد کے پس پردہ برطانیہ کا یہ اندیشہ کارفرما تھا کہ یہیں سوریہ یونین بعض عناصر کی مدد کے افغانستان میں اپنی مرضی کی حکومت قائم نہ کر لے۔ علامہ کی نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں تھی۔ لیکن افغانستان کے وسیع تر مفاد میں ان کی آرزو تھی کہ جلد از جلد ملتان حالات نارمل ہو جائیں

اور ایک پائدار حکومت قائم ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے افغانستان کی مدد جاری رکھی۔

بریتانوی کئی عوام میں نے اس لئے بھی کمر دیا ہے کہ ہمارے عوام دیا ننداری سے غور کر سکیں کہ کل افغانی مولویوں، پیروں اور شائخ کے ایک گروہ نے برطانوی سامراج کے اشارہ پر تحریک شروع کی تھی۔ کیونکہ وہ افغانستان کے طبقاتی رشتوں اور قبائلی معاشرے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتے تھے اور ان نام نہاد مولویوں، پیروں، اور شائخ کے مفادات، قبائلی سرداروں، زمینداروں، سودخوروں اور برطانوی سامراج سے ہم آہنگ ہو گئے تھے اور انہوں نے لی کران اللہ کی ترقی پسند قوت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ آج پھر افغانستان میں طبقاتی رشتے بدل رہے ہیں، عوام کو زمینداروں اور قبائلی سرداروں کے ظلم و جبر سے نجات مل رہی ہے تو پھر یہ طبقات مولویوں، پیروں اور شائخ کو لے کر میدان میں اتر آئے ہیں اور اس کے لئے پھر اسی خطہ کو چنا گیا ہے جس کو کل چنا گیا تھا اور آج ان کو یہاں کی رجعت پسند جماعتوں اور عناصر کی حمایت حاصل ہے اور ان صفوں میں مفتی محمود کا اضافہ ہے۔ کل ان کے بزرگ سامراج دشمن صفوں میں تھے۔ لیکن آج مفتی صاحب ان صفوں میں ہیں جن کا براہ راست تعلق سامراج کی حاشیہ بردار طاقتوں سے ہے، وگرنہ مفتی محمود صاحب کے لئے افغانستان کے اندر کی صورت حال جتنا کوئی مشن کام نہیں،

دوسرا باب

انقلاب کیسے بپا ہوا

نور محمد ترکئی — صدر جمہوریہ افغانستان

انقلاب افغانستان کی اہمیت

صالح محمد زائری — رکن مرکزی کمیٹی خلق پارٹی

افغانستان — ماضی سے انقلاب تک

اجملہ خٹک — جنرل سیکرٹری کالعدم نیشنل عوامی پارٹی

انقلاب افغانستان کے چشم دید واقعات

عالمی منظر پر رونما ہونے والی اہم ترین تبدیلیوں کے بارے میں جناب نور محمد نرہ کئی سیکرٹری جنرل سنٹرل کمیٹی سپیڈ ٹیم کو ٹیک پارٹی آف افغانستان نے ۲۷ نومبر ۱۹۷۸ء کو سنٹرل کمیٹی کے ایک اعلیٰ سطح کے اجلاس میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے ان الفاظ میں اظہار خیال کیا تھا۔

”دونوں ہر دون سوئڈن کو فتح نصیب ہو رہی ہے۔ دنیا بھر میں قومی تحریکوں کو تقویت مل رہی ہے اور امپریزم متوازن دسم نوٹر رہا ہے اقوام متحدہ میں دن ہر دن سوشلسٹ ممالک کا متوقف مضبوط ہو رہا ہے۔ لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے عوام کی قومی آزادی کی تحریکوں کو مزید حمایت حاصل ہو رہی ہے اور امپریزم کا قافیہ تنگ ہو رہا ہے۔“

جناب نور محمد نرہ کئی نے افغانستان میں ٹور انقلاب کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے ایشیا کے تمام خطوں میں امپریزم کی ناکامی کا ذکر مذکورہ بالا رپورٹ میں یوں کیا تھا۔

”افغانستان میں ٹور انقلاب کی کامیابی نے امپریزم کو یوں کر دیا ہے۔ بحر منہ میں امپریزم کو مزید رسوائی ہو رہی ہے۔ امپریزم انڈونیشیا کی چودھراہٹ کے ذریعے جزائر میں تحریکوں کو نہیں داسکا۔ سامراجیوں میں مقابلہ شدید ہو رہا ہے۔ مشرقی ایشیا میں عوامی جمہوریہ افغانستان نے جنوبی کوریہ کو سرکاری طور پر تسلیم کر لینے کا فیصلہ واپس لے کر سامراج کی شکست کے عمل کو تیز کر دیا ہے سب سے زیادہ اہم بات یہاں رویت نام کی ان چند مہیاہ ممالک کی سازشوں کے خلاف کامیابی کے آثار ہیں جن سے امپریزم کے ساتھ ان مشترکہ محاذ کا راز فاش ہو گیا ہے۔“

مشرق وسطیٰ کی تازہ ترین صورت حال کے بارے میں کامریڈ نور محمد نرہ کئی نے اپنی اسی رپورٹ میں... اظہار خیال کرتے ہوئے عرب ممالک کو امپریزم کی سازشوں سے یوں آگاہ کیا تھا

”مشرق وسطیٰ میں جنگ جاری ہے۔ امپریزم اپنی تمام تر طاقت و قوت کے ساتھ اسرائیل اور عرب رجعت پسندوں کی طرف داری کر رہا ہے۔ امپریزم ابھی تک بعض ایسے عرب ممالک کو اپنی چودھراہٹ منوانے میں کامیاب ہو چکا ہے جو کل تک اسرائیل کی جارحیت کا شکار تھے اور اب انہیں عرب مفادات کے خلاف صفت آرا کر کیا جا رہا ہے کیمپ ڈیوڈ مذاکرات نے ترقی پسند قوتوں اور عربوں کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔“

جناب نور محمد نرہ کئی نے افریقہ میں امپریزم کی مداخلت کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے سنٹرل کمیٹی کے ارکان کو یوں آگاہ کیا۔

اور افغانستان میں شور انقلاب نے مشرق وسطیٰ کی رجعت پسند قوتوں اور امپریزم کو باہم مخدکہ دیا ہے افریقہ میں امپریزم کی جارحیت اپنی پوری طاقت کے ساتھ بدستور جاری ہے۔ اگرچہ افریقہ انگولا، اینگولیا، موزمبیق اور دیگر چند تحریکوں نے دنیا بھر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے تاہم امپریزم کے اجارہ دارانہ ذرائع افریقہ میں مسلسل اپنی جارحیت جاری رکھے ہوئے ہیں اور بعض سوشلسٹ ممالک کے خلاف بھی امپریزم کی ریشہ دوانیاں جاری ہیں۔

یورپ میں سوشلسٹ کمیپ کی شاندار کامیابیوں کے باوجود سامراج دنیا کے خلاف سازش تیار کر رہا ہے اور مہلک ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدے کے راستے میں رخ پھیر رہا ہے۔

ایران کی اندرونی صورت حال اس خطے کے اہل قابل توجہ واقعات میں شامل ہے جن میں امپریزم کا ہاتھ بہت صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایران پریشان کن بغاوت جاری ہے۔ ایران میں امپریزم کی براہ راست مداخلت نے اس خطے میں مزید خطرہ پیدا کر دیا ہے جس پر تمام امن دوستوں کی توجہ مرکوز ہے۔

صدر اور وزیر اعظم افغانستان جناب نور محمد زردکئی نے ہنہ چینی کے بارے میں چینی کا نام لے لیں اس کی مذمت کی اور ویت نام کے بہادر عوام کی حوصلہ افزائی ان الفاظ میں کی تھی۔

”ہنہ چینی میں بہادر ویت نام کی فتح اور متحدہ سوشلسٹ ویت نام کا قیام امپریزم پر ایک ضرب کاری تھا کیونکہ اس کی آزادی تمام دوستوں کے لئے باعث مسرت تھی۔ لیکن تمام افسوس ہے کہ یہ بہت جلد غلط پالیسی کا شکار ہو گیا اور بعض سمسایہ ممالک کے لیڈروں کے ساتھ بہادر ویت نام کے خلاف ایک محاذیں شریک ہو گیا جو مکمل طور پر سامراج کی ولی خواہشات کے عین مطابق ہے،“

جناب نور محمد زردکئی نے اپنی رپورٹ میں واضح طور پر اعلان کیا کہ:-

”افغانستان کے شور انقلاب کا پشتونوں اور بلوچوں پر گہرا اثر پڑا ہے اور پشتون اور بلوچ قبیلہ کے انداز میں عوامی جمہوریہ افغانستان کی حمایت کر رہے ہیں۔“

اندرونی ملک کیا ہوا؟

یہ حقیقت ہے کہ جب افغانستان میں انقلاب شور کا میابی سے ممکنہ ہوا تو اندرون ملک اور بیرون ملک افغان عوام کے دشمنوں کی غیندیں حرام ہو گئیں۔ انہوں نے ہر سازش، دباؤ پھیلانے کا مصمم ارادہ کر لیا تاکہ انقلاب شور کو سبوتاژ کیا جاسکے بعض مقامات پر ضلعی سپاہیوں پر مسلح حملے کئے گئے۔ بعض مقامات پر ضلعی محافظ دستوں نے علاقے کے عوام کے تعاون کے ساتھ ان پر کاری ضربیں لگائیں اور ان کا صفایا کر دیا اگرچہ حالات بدستور خلقی ریاست کے قابو میں ہیں تاہم یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ جب تک دشمن موجود ہے وہ بھی دوبارہ یہی تہکندے استعمال کرنے پر اتر سکتا ہے۔ جناب نور محمد زردکئی نے کہا افغان عوام خلقی ریاست اور انقلاب شور نے ان دشمنوں کے چہرے سے اب پردہ اٹھا دیا ہے۔ انہوں نے اپنی رپورٹ سنٹرل کمیٹی کے سامنے پڑھتے ہوئے ۷ نومبر

۱۹۷۸ء کو ان الفاظ میں کہا تھا۔

”مختلف شہادتوں، مثال کے طور پر ہتھیاروں، مطبوعات، خطوط، اقرارناموں اور اس قسم کی دیگر باتوں سے یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ سامراجی ممالک بائیں بازو کے انتہا پسندوں اور اس خطے کے رجعت پسندوں کا ہماری خلقی ریاست کے خلاف سازشوں میں بہت زیادہ حصہ ہے۔ لیکن یہ بات ہمارے لئے فخر کا باعث ہے کہ خلقی مسلح افواج انقلاب کے دفاع کے لئے پوری طرح سے تیار ہیں۔“

ڈیر کامریڈ! آپ کی خلقی ریاست صرف انقلاب کے دفاع کے لئے ہی پوری طرح تیار نہیں بلکہ یہ مختلف سازشوں کو جو ہماری پارٹی اور انقلاب کے خلاف کی جا رہی ہیں۔ ان کو بے نقاب کرنے اور کچلنے کی پوری صلاحیت بھی رکھتی ہے اس وقت امرار اور اوپری طیف کے باقیات، بائیں بازو کے انتہا پسند، انخوانی، کونناہ اندیش اور اقتدار کے پیجاری قوم پرست اور دیگر رجعت پسند عناصر نے سامراج کے ساتھ خلقی حکومت کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیا ہے اور اب جانے پہچانے رجعت پسند ملک کے اندر بیٹھ کر ہمارے انقلاب کے خلاف جدوجہد کے منصوبے بناتے جا رہے ہیں۔

اس پوری جدوجہد کے دوران میں یہ مناسب سمجھنا ہوں کہ میں مختصراً اس سازش سے آپ کو آگاہ کر رہا ہوں جو ہمارے دشمنوں نے تیار کی تھی جس میں سامراج بنیادی ردی ادا کر رہا ہے۔

جدوجہد میں مصروف رفیقو! آپ سب کو علم ہے کہ ہمارے ثور انقلاب کی کامیابی کا سہرا ہمارے خلقی عوام کے انقلابی عزم اور خلقی جماعت کی دانش مندانہ قیادت کے سرے پر جیسے ہی یہ اپریل انقلاب اپریل کی شاخیں کو پاتا تو انو اسی کے ساتھ ہی انقلاب کے خلاف سازشیں بھی شروع ہو گئیں اور سامراج مصروف عمل ہو گیا۔

انقلاب کی کامیابی کے بعد کابل میں منظم سامراجی ذرائع نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اپنا رابطہ جاری رکھا۔ سیکورٹی کے انچارج لوگوں کو اس کی اطلاع مل گئی لیکن انہوں نے مثبت دستاویزات کو حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں جو دن گزرتے گئے اطلاعات و معلومات میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ بعض ایسی دستاویزات سیکورٹی کے عمل کو ہانڈ لگ گئیں جن سے یہ پتہ چلا کہ بعض پارٹی کامریڈ بھی برک کارمل قواد اور دیگر لوگوں کی زیر قیادت اس سازش میں ملوث ہیں۔

یہ بات بالخصوص قابل ذکر ہے کہ نادر پارٹی کے اتحاد سے بھی پہلے ہمارے ساتھ شامل ہوا تھا۔ اس کا برک کارمل جیسے بائیں بازو کے انتہا پسندوں اور جنگ نظر قومی پرستوں کے ساتھ رابطہ پہلے ہی سے قائم تھا لیکن اس کے باوجود ان مذکورہ بالا لوگوں کو اپنی اصلاح کا موقع دیا گیا چنانچہ برک کارمل کو پراگ، نور محمد نور کو واشنگٹن، وکیل کو لندن، اناہٹہ کو بلخ، نجیب کو تہران اور محمود بر بالائی کو پاکستان میں سفیر مقرر کیا گیا لیکن چونکہ سازش کے سلسلے میں جو دستاویزات افغان حکومت کے ہاتھ آئیں ان میں نادر میر علی اکبر اور شاہ پور

سازش میں براہ راست ملوث تھے اس لئے ان تینوں کو گرفتار کر لیا۔ ان ہی دستاویزات سے دو اور اشخاص سلطان علی شہنشاہی اور رفیع کاردار بھی منظر عام پر آیا چنانچہ ان کو بھی فوری طور پر گرفتار کر لیا گیا۔ علاوہ انہیں طاہر بخش فی اور دیگر رجعت پسندوں نے بھی سامراجی جاسوسوں کی ہدایات کے مطابق سازش میں حصہ لیا۔ جنہیں معاف کر دینا انقلاب ثور سے غداری کے مترادف تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو لوگ اس سازش میں براہ راست طور پر ملوث تھے اور جنہوں نے انتہائی فعال کردار ادا کیا تھا انہیں گرفتار کر لیا جائے چنانچہ سب سے پہلے ان تمام مذکورہ بالا سفیروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ فوری طور پر اپنے وطن واپس آجائیں وہ نہ صرف وطن واپس نہ آئے بلکہ انہوں نے سفارت خانوں کے مال و اسباب کو لوٹنا شروع کر دیا جناب حفیظ الدین جو ان ہی دنوں خلق پارٹی کے سیکرٹری چنے گئے انہوں نے ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ سائنسی اصولوں کے مطابق نئے انقلابی مرحلے پر طبقاتی خصوصیات کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ یہ منظر عام پر آگئی ہیں یہی بات چند پارٹی کارکنوں کے بارے میں بھی صحیح ہے جو پارٹی اور ریاست کے خلاف سرگرم عمل ہیں اور سازشوں میں ملوث ہیں۔ یہ لوگ پارٹی میں تفرقہ بازی پیدا کر رہے ہیں۔ "افغان حکومت کے خفیہ سرائے غراماں اور ان کی معلومات کے مطابق ببرک کارمل کی قیادت میں خلق پارٹی کا ایک حصہ پرچم کے نام سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔

افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے سیکرٹری جنرل جناب نور محمد زہ کی طرف سے رپورٹ کے بعد اعلیٰ سطحی اجلاس منعقدہ ۷ نومبر ۱۹۷۸ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ سنٹرل کمیٹی کے سات ارکان اور انقلابی کونسل کے دو ارکان ببرک کارمل، نور محمد نور، سلطان علی شہنشاہی، ڈاکٹر انتہہ راتبہ راؤ، محمود بار بالائی، وکیل ڈاکٹر نجیب، قادر اور رفیع جنہوں نے عظیم ثور انقلاب، عوامی جمہوریہ افغانستان اور ہمارے عظیم عوامی جہاد کا پارٹی کے خلاف مکارانہ سازش کی تھی۔ ان میں سے چھ اپنے وطن واپس نہ آئے چنانچہ انہیں ان کے اعمال کے بدلے میں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی سے خارج کیا جانا ہے۔

سنٹرل کمیٹی کے چار ارکان کامریڈ نظام الدین، نبیہ کامریڈ، ماجد سرملند کامریڈ، سرور علیش اور کامریڈ فدا محمد دل نشیں جو غیر قانونی سرگرمیوں کے مرتکب تھے ان کی سنٹرل کمیٹی سے تنزلی کر دی گئی ہے اور اب وہ صرف پارٹی کے امکانی رکن رہیں گے تا کہ وہ پارٹی کی پالیسی، تنقید خود تنقیدی کے تحت اپنی اصلاح کر سکیں زمین کے متعلق انقلابی کونسل کے حکام نہ یہ کہ جو حکومت عوامی جمہوریہ افغانستان نے مرتب کیا تھا اس کی منظوری دی گئی اور انقلابی کونسل کی توثیق کے بعد اس پر عملدرآمد کیا جائے گا۔

علاوہ انہیں دو اور ببرک کارمل کے رفقاء کار کامریڈ برقی شفاق اور سلیمان لبیک نے سازش بے نقاب ہونے کے بعد رضا کارانہ طور پر سنٹرل کمیٹی کی پولٹ بیورو کی رکنیت سے مستعفی ہونے کی درخواست کی جنہیں منظور کر لیا گیا اور ان کی خواہش کے مطابق انہیں صرف سنٹرل کمیٹی کا رکن بدستور رہنے دیا گیا :-

افغانستان ایک قدیم ملک ہے جس کی تاریخ تقریباً تین ہزار برس پرانی ہے۔ عظیم کشن ریاست کے زوال کے بعد یہاں غلام داری نظام کی جگہ جاگیر داری نظام قائم ہوا جو آج سے تقریباً پندرہ سو برس پہلے کی بات ہے۔ اس طویل مدتی ملام آزاد نہیں تھے کیوں کہ ان کے پاس نہ کوئی پارٹی تھی اور نہ ہی کوئی نظریہ اور منظم جوان کی قسمت بدلتے میں مدد کرتے۔

۱۸۳۸ء میں برطانوی سامراج نے پہلی بار ہمارے ملک پر حملہ کیا لیکن جارحیت کا مزہ توڑ جواب دیا گیا اور برطانیہ کو شکست فاش ہوئی لیکن چونکہ افغانستان برطانیہ کے نزدیک کافی اہمیت کا حامل تھا وہ ۱۵ ہندوستان کے لوگوں کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ برطانیہ نے (۸۰ - ۱۹۰۸) کے درمیان دوبارہ افغانستان پر حملہ کر دیا حملہ آوروں کو ایک بار پھر شکست فاش ہوئی اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ ہمارے بہادر عوام کو براہ راست محکوم نہیں بنا سکتے۔

تاہم بادشاہوں اور جاگیرداروں نے مختلف قوتوں کا اظہار کیا، ۱۸۸۹ء میں برطانوی سامراج نے امیر یعقوب خان کو برطانیہ کے ساتھ ایک مختار معاہدے پر دستخط کرنے کی ترغیب دی جس کے تحت اسے سالانہ چھ لاکھ روپے کی امدادی رقم دی جلتی تھی اس کے تقریباً چالیس برس سے زائد عرصے تک افغانستان پر افغان بادشاہ حکومت کرتے رہے لیکن یہ برطانیہ کا محتاج ہو گیا۔

جب دوسری پروتاریہ عالمی سامراج کے سلسلے کی کمزور گودی کو توڑ دیا اور کامیاب سوشلسٹ انقلاب پیا گیا تو اس واقعے کا عام ایشیا بالخصوص افغانستان پر خاطر خواہ اثر پڑا۔ ہمارے ملام نے تیسری بار برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا اور ۱۹۷۹ء میں قومی آزادی سے جھکنا رہوئے۔

اب افغانستان اپنی اقتصادی آزادی اور قومی خود مختاری کو مستحکم بنا سکا تھا لیکن برطانوی سامراجیوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب وہ انڈیا پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے، انھوں نے بادشاہ امان اللہ خان کو تخت سے اتار کر اس کی بجائے ایک وفادار غلام نادر خان کو مسند بادشاہت پر بٹھایا اور شاہ نادر خان نے ان مجاہدین کو جن جن قتل کر دیا اور جو برطانوی غلبے کے خلاف تھے وہ بہت دیر بہت کی انتہا یہاں تک جا پہنچی کہ بالآخر ایک محب وطن نے اسے قتل کر دیا، بعد ازاں حکمرانوں نے موقع مل کی مناسبت سے مختلف جیلوں میں ان سے حکومت کی بعض اوقات جمہوریت کی اجازت دی لیکن "نیشنل ڈسپلن" کے نام پر ہڑتالوں اور مظاہروں کی مذمت کی کیونکہ قومی معیشت کے لیے یہ باتیں اچھی نہیں تھیں، حقیقت یہ ہے "نیشنل ڈسپلن" سے ان کی مراد مکمل "مطلق العنانی" تھی،

”ہم مطلقاً انسانی کا دور بھی افغانستان کو عالمی تبدیلیوں سے الگ تھلک نہ رکھ سکتے نظریات اور اثرات ایک مضبوط سوشلسٹ کمیپ کے معرض وجود میں آنے کے بعد دنیا میں ہر جگہ مستحکم ہو رہے تھے۔ تو آبادیاتی نظام دم توڑ رہا تھا اور درجنوں کی تعداد میں آزاد خود مختار ریاستیں قائم ہو رہی تھیں لیکن افغانستان میں کوشا ہی جاگیر دار قوتوں نے بورژوا آئینڈیا لوجی اور بورژوا طبقے تک کے ارتقا اور فروغ کی بھی سخت مخالفت کی کیونکہ انھیں ڈر سیہ تھا کہ بین الاقوامی تبدیلیوں کے زیر اثر انقلابی اور پولزیشن موڈ منٹ زیادہ تیز نہ ہو جائے ان دنوں بورژوا پارٹیوں کے قیام کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ نتیجتاً افغانستان میں نہ تو کسی بورژوا تحریک کا وجود عمل میں میں آیا اور نہ ہی بیابان بورژوا نظریات ہی پہنچ سکے لیکن انقلابی اور ترقی پسند اندیشہ و دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا یہ نظر غائر ملاحظہ کرے تھے وہ محنت کش ہتھی کی آئینڈیا لوجی کی طرف مائل ہونا شروع ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان میں مروجہ جاگیر دار اور آئینڈیا لوجی پر ورتا دیر کی آئینڈیا لوجی کا مقابلہ نہ کر سکی اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں افغان فوجوان اس پروتاری تحریک سے وابستہ ہونے لگے۔

سائنٹیفک نظریات سے لیس ہو کر انقلابیوں نے آزادی کے بعد کی ملکی صورت حال کا جائزہ لینا شروع کیا، اگرچہ ہمارے مل قومی تعطیلات ہو کر تھی تھیں۔ ہمارا قومی پرچم تھا اور ہمیں بین الاقوامی طور پر ایک خود مختار اور آزاد ملک تسلیم کیا جا چکا تھا۔ لیکن پھر بھی ہمارا ملک آزاد نہیں تھا حتیٰ کہ ہماری سیاسی آزادی محدود ثابت ہوئی، ہمارے عوام بالواسطہ طور پر آبادیاتی نظام کا شکار رہے، انھیں زنجیروں میں جکودا گیا تھا بلکہ ان کے گلے ریشمی رد مال سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے اثرات انتہائی تباہ کن تھے۔ فی کس آمدنی دنیا بھر کے متبادلے میں سب سے کم تھی (تقریباً ۱۰ سالانہ) اور عوام کی پیداوار کا زیادہ حصہ سامراجی ہتھیالے لیتے تھے۔

اپنے وطن اور عوام پر نازاں چند ایک محب وطن لوگوں نے پس ماندگی اور ظلم و تشدد کے تلخ حقائق پر احتجاج کیا جنہیں لوہا بادیاتی حکمران اپنے براہ راست قبضے میں کبھی نہیں لے سکے تھے۔ بالآخر انقلابی اس نتیجے پہنچے کہ انھیں اپنے ملک کے مستقبل کے نام پر حسب الوطنی کی تحریک چلانی چاہیے لیکن کسی تنظیم کے بغیر یہ کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

”ہم نے جنوری ۱۹۶۵ء میں اپنی پارٹی قائم کی، اس پارٹی کے قیام کے لیے تقریباً ۱۸ مہینے تک ہماری تیاریاں جاری رہیں، ہمارے قائد کامریڈ نور محمد ترہ کی نے حالات کا گہرا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک نئی قسم کی پارٹی افغانستان میں قائم کی جاسکتی ہے جو محنت کش طبقے کی سائنٹیفک آئینڈیا لوجی سے رہنمائی حاصل کرتی ہو، اس کی کارگر خود ان کے اپنے گھر منعقد ہوتی جہاں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ پارٹی کے قیام کے ضمن میں ہم نے ظاہر شاہ کے دور میں آئین کی ایک دفعہ سے فائدہ اٹھایا تھا جس کے تحت پارٹیوں کی تشکیل کے لیے اجازت دی گئی تھی لیکن یہ حقیقت ہے کہ حکام نے ہمیں روکنے کی انتہائی کوشش کی۔

پارٹی نے کام کرنا شروع کر دیا۔ ہم بنیادی طور پر مظاہروں اور سیاسی ہڑتاتوں کے ذریعے جدوجہد کر کے بہت اور محنت کش طبقے کی آئینڈیا لوجی کا پرہیزگار بن گئے تھے۔ ہم نے یوم سہمی کی طرح تمام قومی اور بین الاقوامی تعطیلات منائیں جن سے دسے عامر کو مہوار کرنے اور ترقی پسند افکار کو فروغ دینے میں مدد ملی۔

پارٹی کے کام کے لیے حالات انتہائی مشکل تھے۔ یہ درست ہے کہ ظاہر شاہ نے اپنے آپ کو جمہوریت پسند کے

طور پر اجاگر کیا لیکن جس کی وجہ سے ہم نے بلا روک ٹوک مظاہرے کئے۔ لیکن ہمارے کامریڈوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، انھیں ملازمت سے نکال دیا گیا انھیں پابند سلاسل کر دیا گیا اور انھیں جیلوں اس طرح قتل کر دیا گیا کہ انکی خبر ملک میں کہیں ہوئی اور نہ ہی باہر کسی کو کچھ معلوم تھا۔ لوگوں کو شبہ ہی معلوم ہو گا کہ ان دنوں افغانستان میں کواچی جمہوری پارٹی ان مشکلات کے باوجود اپنا کام کرتی رہی۔

لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا ہماری سرگرمیاں عوام الناس کے علم میں آتی گئیں۔ بالآخر انقلابی مجاہدین قوتوں پارٹی کے زیر قیادت جدوجہد نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اس فرسودہ حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ یہ بات مد نظر رکھتے ہوئے کہ دو پرانی دگر پر آگے بڑھا۔ جاسکتا ہے اور نہ ہی روز افزوں عوامی تحریک کے ساتھ مطابقت جاسکتا ہے۔ حکمران گروہ کے ایک حصے نے سردار داؤد اور اس کے خاندان کی قیادت میں ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا اور بادشاہت کے خاتمے کا اعلان کر دیا لیکن بعد کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صدمہ درحقیقت ترقی پسند قوتوں اور ہماری پارٹی کے خلاف تھا۔

ایک مطلق الصنان اور خود سرانسان سردار داؤد نے انقلابی زبان استعمال کرنا شروع کر دی اور مقابلہ ترقی پسند پروگرام کا اعلان کر دیا جس کی ترقی پسند قوتوں نے حمایت کی مثال کے طور پر اس نے متحدہ محاذ کے قیام کی تجویز پیش کی ہم نے اس میں شمولیت کا فوراً اعلان کر دیا لیکن ان میٹھی میٹھی باتوں اور انقلابی زبان کے پس پردہ جمہوریت، دہشتی کے عزائم پوشیدہ تھے۔ پانچ برس تک داؤد برسرِ اقتدار رہا لیکن اس نے اقتصادی و سماجی ترقی کے لیے کوئی کام نہ کیا اسے بادشاہت سے ورثے میں ملنے والی مطلق العنانی کا جو نظام ملا وہ ابھی تک بدستور قائم تھا، ماضی کی طرح حکومت سیاسی اقتدار کو ظالموں اور استحصالیوں کے حق میں استعمال کرتی رہی اس کی وجہی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ سرکاری حکام نے انقلاب اور آزادی کے متعلق باتیں کرتے ہوئے ان دونوں کو کچلنے کی طرف قدم اٹھانے میں کوئی دیر نہ کی۔

داؤد کو مستند سیاسی آزاد باہن منسوخ کر دیں اور ہر قسم کے مظاہروں اور ہڑتاؤں پر پابندی لگا دی، اس نے تمام پارٹیوں کو ماسوائے غنشل ریو و لوشن پارٹی کے جو سرسرا لہلاب دشمن اور قوم دشمن پارٹی تھی خلافتی قانون قرار دے دیا اس صورت حال نے ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، تقریباً ساڑھے تین برس کے نیم آئینی وجود کے بعد افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی نے پبلک مرگرمیوں سے اجتناب کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ ایک وفد پھر ہم نے میٹنگوں اور ٹائپ شدہ اشتہاروں کے ذریعے اپنی حالیہ پالیسی کو پھیلا دیا۔

داؤد ۱۹۷۶ء کے بعد ہم نے مسلح افواج میں اپنے کام کو تیز کر دیا، ہماری پارٹی لیڈر شپ نے ہمیشہ ان پر بہت زیادہ توجہ دی۔ پارٹی نے ہمیشہ باوردی کامریڈوں کو تعلیم دی انھیں سیاسی اور نظریاتی طور پر شعور بخشا، یہ کام اس معیشت کے پیش نظر اور بھی آسان ہو گیا کہ زیادہ تر انیسر طبقاتی لحاظ سے کسانوں یا مزدوروں کے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ماسوائے چند ایک کے، وہ اپنی سماجی بنیادوں کے باوجود معمر حکمران طبقے کے ساتھ وابستہ نہیں تھے۔ اس طبقے کے ارکان فوجی دسپن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے جس میں سخت پابندیاں تھیں کسی فیوڈل لارڈ کا بیٹا جنرل کی زندگی کے بجائے گورنمنٹ یا سرکاری ملازمت کا خواہش مند تھا۔ وہ کابینہ کا وزیر یا سفیر بننے کو ترجیح دیتا تھا تاکہ مغربی یورپ یا امریکہ میں اعلیٰ تسم کی زندگی گزار سکے۔ لیکن معمولی خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد

کی حالت ایسی نہیں تھی، وہ عوام کی انگلیوں کا احترام کرتے ہوئے بخوشی پسند کرتے ہوئے پارٹی میں شامل ہونے کے سوا کسی اور چیز کی فکر نہ کرتے تھے۔ حکومت ان کے لئے ایک منظم حق کے لئے لڑ رہی تھی۔ لیکن ہونے کی حیثیت میں پارٹی ڈسپن کو قبول کر لیا۔ جوں جوں داد و حکومت اندرون ملک اور بیرون ملک رجعت پسندوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رہی گئی، فوج اور سوسائٹی میں علم و شعور اور احتجاج کی لہر ستریز ہو رہی تھی۔

عوام بنیاد پر تیار تھے ان کا معیار زندگی روز بروز گرا رہا تھا۔ لوگ اپنے خاندانوں کو چھوڑ کر ملازمت کے لیے باہر چلے جا رہے تھے۔ ملازمت کے لیے صرف ایران جانے والے افغانوں کی تعداد لاکھ سے زائد تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم محنت کشوں کی ایک بہت بڑی تعداد سے محروم ہو رہے تھے جو قومی معیشت میں روکاؤٹ پر منتج ہوئی۔ سرکاری حکام کا وقار عوام کی نظروں میں گر گیا۔ اور دونوں کے درمیان فیج اتنی وسیع ہو گئی کہ احکامات اور سرکاری ہدایات کی تعمیل نہ ہوتی تھی۔ سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات جو رخ اختیار کر رہے تھے ان میں یہ حقیقت کافی اہمیت کی حامل ہے کہ ہم تیرہ چودہ برس تک عوامی تحریک کی راہنمائی کرتے رہے۔ انقلاب کے موقع پر ہمارے بچاس ہزار پارٹی ورکر اور ہمدرد ایک بہت بڑی موثر طاقت تھے جس کے خیال سے ہی حکام بالاکو خوف آنے لگتا تھا، چنانچہ حکومت نے ہمارے کارکنوں کے خلاف ظلم و تشدد کا آغاز کر دیا، عوام کے غائب شدہ رہنما جیلوں میں بند کر دیے گئے اور بعض کو موت کی آغوش میں چھکیل دیا گیا۔

ہم نے محسوس کیا کہ اب حکومت اپنی ڈی بی اے کی لیڈر شپ اور پارٹی لیڈر نور محمد ترہ کی کے ساتھ بھی بی حزہوئے کہے چنانچہ کامریڈ نور محمد ترہ کی نے ابتدائیں ہی ہمارے کامریڈوں اور مسلح افواج میں موجود دوستوں کو متنبہ کر دیا تھا کہ وہ ان کی گرفتاری کو داؤدوٹلے کے خلاف کاروائی کا سگسل سمجھیں۔ جب افغانستان کی عوامی جمہوریت پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ارکان اور ہدایت خود کامریڈ نور محمد ترہ کی کو جیل بھیجا گیا یا اپنے گھروں میں نظر بند کیا گیا تو پارٹی اور ملک کے لیے تباہ کن خطرہ کھل کر سامنے آ گیا، گرفتاری ایک واضح اشارہ تھی، پلان اور کامریڈ ترہ کی کی ہدایات کے مطابق ایک پارٹی لیڈر کامریڈ حفیظ اللہ امین نے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے زیر قیادت انقلابی جلسے کے آغاز کا حکم دے دیا۔ یہ آپریشن اتنا منظم تھا کہ یہ دن دھارے کا سیاہی سے ہمکنار ہوا۔ اس میں بہت مختصر عرصہ لگا۔ صرف دس گھنٹے، اور اس میں بہت کم جانی نقصان ہوا۔

سماجی پریس کی الزام تراشی کمزور تھی فوجی ۷۵۶ نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایسا انقلاب تھا۔ جسے عوام کی اور محب وطن اکثریت کی حمایت حاصل تھی۔

ریڈیو پر انقلاب کی خبر سن کر افغانستان بھر سے ہزاروں لاکھ لوگ نئے عوامی امداد کے حق میں مظاہرہ کرنے ہوئے شہروں پر نکل آئے۔ لوگوں نے حکومت عوامی جمہوریہ افغانستان کے اعلان کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ قبول کیا، جس کا مقصد قومی جمہوریہ انقلاب کے ثمرات کو مستحکم کرنا اور اس کے بنیادی فریضوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

ہمارا انقلاب ایک نئی طرح کا انقلاب تھا، اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر عوام ترقی پسند آئیندہ لوجی پر منحصر کسی تنظیم کو قبول کریں جو کمالوں اور مزدوروں کے بہترین سپوتوں پر مشتمل اپنی مفصل میں دایں اور بائیں کی مفاد پرستی کا مقابلہ کرنے کے لیے بنیاد مسلح افواج میں ترقی پسند نظریات کو فروغ کی خاطر کام کر رہی ہو بشرطیکہ

فرج میں کسانوں اور مزدوروں کے بہترین سہولت موجود ہوں تو عوام کے بہترین سہولتوں کا انقلاب ہمیشہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ افغانستان میں انقلاب صرف ایک ہی پارٹی نے پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا جو محنت کش طبقے کی ہر ادلی پارٹی تھی۔ افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی نے انقلابی کونسل کو قومی معاملات اپنے ماتحت لینے کے اختیارات تفویض کیے تھے۔ جہاں تک بذات خود کونسل اور کونسل کی تشکیل کردہ حکومت کا تعلق تھا۔ انھوں نے مول کمیٹی ہدایات کے مطابق کام کیا۔ پارٹی کے بہترین کارکن حکومت میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر صوبائی گورنر افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی اور سنٹرل کمیٹی کے ارکان ہیں، وہ بذات خود بیوفی کام کرنے کے مجاز نہیں ہیں بلکہ وہ تمام کام صوبائی پارٹی کمیٹیوں کی حمایت سے کرتے ہیں جو سرکاری انجینئروں کو گورنری منظوری سے اپنی تجاویز بھیجتے ہیں کہ فلان آدمی کو سرکاری عہدے پر فائز کیا جائے یا نہی اپنی پالیسی کو سرکاری اداروں کے ذریعے اگے بڑھاتی ہے سنٹرل کمیٹی مختلف مسائل حکومت کے سامنے پیش کرتی ہے جو غور و فکر کے بعد مناسب فیصلے کرتی ہے۔

ملک کو متحد مسائل کا سامنا ہے جو زیادہ تر ہمارے انقلاب کی نوعیت سے پیدا ہوئے ہیں یہ حقیقت ہے کہ یہ انقلاب ایک ایسے معاشرے میں رونما ہوا ہے جہاں سماجی اور اقتصادی لحاظ سے جاگیر داری منظم کا غلبہ تھا یوں ہمارا بنیادی مقصد جہاں تک جلدی ہو سکے جاگیر داری نظام کا مکمل خاتمہ کرنا اور جمہوری تبدیلیاں لانا ہے۔ اس مرحلے پر سب سے بڑا مسئلہ زمین کا ہے جس کے لیے ہمارے انقلاب کو زرعی اصلاحات کی اس شد ضرورت ہے۔

زرعی تعلقات اور کاشتکاری میں ہمارا ورثہ کافی پریشان کن ہے، ہمارے ملک میں ۳۴ ملین ہیکٹر قابل کاشت اراضی ہے۔ لیکن ماضی میں صرف ۳۰۰ ملین ہیکٹر اراضی پر کاشت ہوتی تھی، تقریباً نصف زمین جاگیرداروں کے پاس تھی جو کل آبادی کے ۵ فیصد حصہ میں ہی طبقہ آبپاشی اور بیج و دہیزہ کی سہولتوں سے بہرہ ور تھا، بے زمین کاشت کاروں کی تعداد کل آبادی کا ۶۳ فیصد حصہ ہے لیکن چھوٹے کسان جن کے پاس ۳۴ ہیکٹر فی کس اراضی سے کم تھی ان کی تعداد ۴۸ فیصد تھی۔ علاوہ ازیں ملک میں بیس تیس لاکھ خانہ بدوش تھے جو بری طرح سے مصائب برداشت کر رہے تھے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان حالات میں زرعی انقلاب حکمت عملی کے لحاظ سے کافی اہمیت کا حامل تھا۔ چنانچہ اصلاحات کیلئے راہ ہموار کرنا بھی بہت ضروری تھا اس میں کسانوں کی تنظیم کا مسئلہ بھی شامل تھا تاکہ کسان آبادی اور پیش رفت کے ساتھ شمولیت اختیار کریں۔ ہمیں اس قسم کے متعدد مسائل کا سامنا تھا چنانچہ ان مسائل کو حل کرنے کی خاطر ہمارا زرعی فریضہ یہ بنتا تھا کہ جمہوری زرعی اصلاحات کا نفاذ کیا جائے جو کسانوں کے مفادات کے لیے ان کی براہ راست شمولیت پر منتج ہو۔

انقلابی حکومت نے حکم نامہ نمبر ۶ کا اعلان کر کے زرعی تبدیلیوں کی طرف پہلا قدم اٹھایا جس کے تحت بے زمین اور چھوٹے کسانوں کے قرضے اور سود معاف کر دیئے گئے اور انھوں نے جاگیرداروں اور زمینوں کو ادا کرنے تھے۔ چنانچہ چھ ماہی محنت کشوں نے گروئی شدہ زمینیں دوبارہ حاصل کر لیں۔ تقریباً ۱۰۵ ملین بے زمین کسانوں اور چھوٹے کسانوں کو سونچے ہوئے کے بوجھ سے نجات دی گئی۔

جس طرح عوام نے اس حکمران کی حلیت کی وہ بدست خود اس بات کا ثبوت تھا کہ ہماری پارٹی اور ریاست ان کے مفادات کی خاطر کس طرح کام کر رہی ہے۔ درسِ آشنا، افغانستان کے یہاں علاقوں میں لمبستانی جدوجہد تیز ہو گئی جس سے کانوں کو منظم کرنے کا راستہ ہموار ہو گیا۔

ہم نے کسوں کی امداد باجی کی خاطر کوآپریٹو اور فنڈز قائم کیے جہاں سے کسان امداد حاصل کر سکتے تھے اور جو کوآپریٹو کے ممبر ہوئے تھے وہ ذریعہوں سے امداد حاصل کر سکتے تھے۔

انقلاب قومی مسئلے کو حل کرنے کے لیے بھی کام کر رہا ہے ہم نے اپنے ملک میں آباد تمام تر عوام بشمول تاجک، ازبک، ہزارہ اور اس کے دیگر سانی کو وہ وسیع کے لیے مادی حیثیت کا اعلان کیا ہے۔ ہماری پارٹی کی اس سلسلے میں پالیسی پہلے ہی واضح ہے۔ ہم پہلے ہی سے تمام قسم کے قومی جبر و تشدد کے خلاف ہیں، ہر ایک کو اپنی قومی زبان استعمال کرنے اور ثقافت کے فروغ کا حق دیا گیا ہے۔

چنانچہ ہم اس پروگرام پر عملدرآمد کر رہے ہیں۔ قبل ازیں ازبک آبادی کا اپنی زبان میں کوئی اخبار شائع نہیں ہوتا تھا پشتون ہزارہ تاجک، ازبک اور دیگر تمام قومیں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی اور گورنمنٹ کے دوش بدوش کام کر رہی ہیں وہ حکومت کی پوزیشن کو سب سے اعلیٰ تصور کر رہے ہیں۔ افغان عوام کے کلچر کا فروغ ابلاغ عامہ کے ذریعے پر جا رہا گیا جاتا ہے۔

ہم نے کہا ہے کہ ہم اسلام کے اصول کا احترام کرتے ہیں اور کسی آدمی کو مذہبی فریضوں کی ادائیگی سے نہیں روکتے ہم کسی آدمی کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ ہمیں تمام ایمان داروں اور مذہبی لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان کے رہنماؤں کی طرح وہ کہتے ہیں کہ حکمران ہر مذہب کے فرقے سامان کرنے کے بارے میں حقیقت ایک مذہبی کارنامہ ہے۔ انھوں نے سجدوں میں اپنی دعاؤں سے اس کی حمایت کی ہے یہ لوگ عمیر الیم اور درجہ پندی کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھتے لیکن جو لوگ ایسے ہیں ہماری پارٹی کی پالیسی ان کے خلاف ہے۔ وہ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے کیونکہ عوام ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ اور حکومت کو عوام اور سلع افواج بے پناہ حمایت حاصل ہے جہاں پارٹی کا اثر و رسوخ ناقابلِ شک ہے۔

الغرض انقلاب کے بعد اقتصادی اور سماجی ترقی کے بارے میں چند الفاظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں ہمارا بیجن سالہ منصوبہ ۱۹۷۹ء کی پہلی سہ ماہی سے نافذ العمل ہے اور صنعتی منصوبوں کے بارے میں کام ہو رہا ہے جب سے عوامی حکومت قائم ہوئی ہے اقتصادی مسائل کو حل کرنے کی خاطر کافی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ دیگر چند ایک امور کے علاوہ کوئلے کی پیداوار میں بہت اضافہ ہو رہا ہے۔ اور آئل اور گیس کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے ہم نے ۱۱۰ نئے سکول قائم کئے ہیں اور دس لاکھ سے زائد نصابی کتابیں چھاپ کر تقسیم کر دی ہیں۔ ۶۰ لاکھ افغان تعلیم یافتہوں کے ذریعے علم حاصل کر رہے ہیں۔ ہم نے خوراک اور دیگر اشیائے خورد و ذائقہ کی قیمتیں کم کر دی ہیں۔ اور چھوٹے درجے کے ملازمین کی تنخواہیں بڑھا دی ہیں، اوقاتِ کار کم کر دیے ہیں، اور زیادہ لوگوں کو روزگار دیا ہے۔

ہمارا سب سے بڑا مقصد محنت کش انسان کی بہتری ہے کیونکہ اس کے نام اور باجی کی بھلائی کی خاطر انقلاب برپا کیا گیا تھا۔ ہم نے مسلسل ۵ برس تک یہ اعلان کیا تھا کہ ہم محنت کش طبقہ کی ہر ادل پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں، آج ہم یہ دعویٰ اپنے اعمال سے صحیح ثابت کر رہے ہیں۔

اجلے خٹکے پاکستان کے سیاست میں ایک نامور شخصیت کے حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ نیشنل عوامی پارٹی کے جرنل سیکرٹری تھے۔ جب قیادت باخدا کا سانحہ پیش آیا اور ملک بھلو اور حکومت میں ۳۳ مارچ کو منعقد ہونے والے جلسہ عام کو گولیوں کے زخم سے رکھ لیا گیا، اسے جیل میں اجلے خٹکے بھی دوسری نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈروں کے ہمراہ شریکے ہوئے۔ لیکن اسے بعد وہ افغانستان چلے گئے اور اب تک وہ وہیں مقیم ہیں۔ ان کا مکتوب بڑے اہمیت کا حامل ہے کہ اولاً یہ ان کے چشم دید حالات پر مبنی ہے، دوسرے یہ مفتی محمود کے ان تمام بیانات کے نفی کرتا ہے کہ اسے انقلاب میں تیسے تیسے ہزار افراد مابے گئے اور یہ ایک "سفاکے" انقلاب ہے، "یہ اسلام دشمنی" انقلاب ہے، سوئم یہ مکتوب یہ بھی سوال کرتا ہے کہ آخر اجلے خٹکے کے دوست اور ساترے رہنا خالص دل سے خالص انقلاب افغانستان کے بارے میں "خاموشی" کیوں ہے؟ اجلے خٹکے کا یہ مکتوب میرے دوست مولانا اشفاق مدیر "تذکرہ" نے اپنے رسالے میں آج سے آٹھ نو ماہ پہلے شائع کیا تھا، اسے مکتوب کے اہمیت کے پیش نظر اسے کتاب میں شائع کیا جا رہا ہے۔

(افغانستان) میں ۲۰ اپریل ۱۹۷۹ء کے انقلاب کے بارے میں اس کے داعیوں کا کہنا ہے کہ عوام کی انگلیوں کے مطابق اس کی پارٹی "حزب دیو کرینک" کی قیادت میں فوج کے اندروں اور جانوں نے اپنے غیور اور محب وطن عوام کے تعاون سے دن دن نئے ستر و سج کیا اور صرف اٹھارہ گھنٹے میں کامیابی سے نکل کر بایا۔ اس انقلاب نے افغانستان میں تاریخی جاگیر داری اور قبائل باؤش ہست اور دیگر خاندان کے تسلط کا خاتمہ کر دیا اور ملک میں ملک کے اپنے عوام کی مرضی سے عوام کی حکومت کی ابتدا کی۔ ۱۹۲۹ء میں نادر شاہ نے فرانس سے اگر صدر سرحد اور ملحقہ قبائل کی مدد سے غازی امان اللہ خاں کے لے کابل کا تخت والپس حاصل کرنے کے نام پر بچہ سنے کو شکست دے دی۔ اور کابل کو فوج کیا بگڑ دیا تو ہی سے اپنے اقتدار کے لئے امان اللہ خاں کے ساتھ بے وفائی اور عوام کے ساتھ بدعہدی کر کے لوگوں کی مرضی اور اپنے وعدوں کے خلاف خود تخت پر بیٹھ گیا اور اپنے مین بھائیوں ہاشم خاں، شاہ محمود خاں اور شاہ ولی خان کے ساتھ سازش کر کے چاروں بھائیوں کی حکومت کی بنا ڈال چو نکھیر بھال عوام کے ساتھ دھوکا کر کے ہوتے تھے اس لے عوام پر جو ستم، کشت و خون اور طرح طرح کے حیوں عربوں کے ذریعے حکومت کرتے رہے

کہتے ہیں کہ نادر شاہ کو حکومت برطانیہ کی ایشیاء حاصل تھی۔ اور یہ خاندان درپردہ اس نازک اور اہم جزو خانیہ نکتہ پر سامراجی آقاؤں کے کردار کے طور پر خدمات انجام دے رہا تھا۔ چنانچہ ملک کے اندر ہر قسم کی سیاسی بیداری، عوامی شعور اور جمہوری افکار کا سخت مخالفت تھا۔ اس طرح یہ خاندان ملک کے عوام کو سیرولی سرسیتوں کی مدد اور مرضی سے جبراً استبداد کے ذریعے قبضہ میں رکھتا تھا۔

انفانتان کے عوام اپنے گرد و پیش کے انقلابات اور نئی دنیا کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ لوگوں میں شاہی خاندان سے نفرت و بیزاری بڑھتی رہی۔ قومی اور انسانی حقوق کا احساس بڑھتا رہا۔ محمد داؤد اس خاندان کا سب سے ذریک اور چالاک شہزادہ تھا۔ عوام کی بیداری کا احساس تھا چنانچہ اس نے ایک ترقی پسند اور جمہوریت خواہ لیڈر کا نقاب پہن لیا۔ وہ اس چال میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں ہم کہ شاہی نظام سے لوگوں کی بیزاری دیکھ کر اس نے شاہ ظاہر شاہ سے مخالفت کا ڈھونگ رچایا اور اس کی وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے کر گھر میں بیٹھ گیا۔

انفانتان کے سیاست دان اور عوام درست منکرین کہتے ہیں کہ اس طرح داؤد خان بارہ سال تک گھر میں بیٹھا رہا اور اس تمام عرصہ عوام کے شاہی خاندان کے خلاف غم و غصہ کے سیلاب کو اپنی مصنوعی شخصیت اور جموں سیاست کے زور سے روکتا رہا۔ بالآخر جب ۱۹۷۳ء میں دیپتے بھند کے پانی کے سلسلے میں ظاہر شاہ نے ایران کے ساتھ افغان عوام کی مرضی اور مفاد کے خلاف لا سوزا بازی کی اور عوام اس فیصلہ کی بنا پر شاہی خاندان کے خلاف اُٹ پڑنے کے لئے بے چین ہو گئے تو محمد داؤد نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ظاہر شاہ کو سلطنت سے ہٹا کر خود جمہوریت کے دعوؤں کے ساتھ برسرِ اقتدار لگیا۔ برسرِ اقتدار آتے ہی اس شہزادہ کے چہرے سے قوم پرستی اور جمہوریت خواہی کا نقاب اترا اور شروع ہوا اور اس نے بہت جلد فوجی انقلابی کونسل یا انقلابی مرکزی کمیٹی کو بے اثر اور بے اختیار بنا کر شروع کیا۔ یہ کمیٹی فوج کے ان افسروں اور جوانوں پر مشتمل تھی جو ۱۹۷۳ء کو "بغات" کے پرزے تھے اور پھر دکن جمہوریت پسند اور باشعور تھے۔ یہ کمیٹی حسن شرفی نائب وزیر عظمیٰ، فیض محمد خان (۳) کیپٹن باجگل وزیر سرحدات (۴) کیپٹن عبدالحمید مختار وزیر مواصلات (۵) کیپٹن عوث الدین خان وزیر فائد نامہ (۶) کیپٹن محمد ضیا دہلوی سیکرٹری صدر حکومت (۷) کیپٹن محمد سرور کمانڈنٹ آرٹھ گورڈ وٹرین منسٹر (۸) کیپٹن یوسف خان آرٹھ گورڈ وٹرین نمبر (۹) کیپٹن مولانا داؤد خان (۱۰) کیپٹن خلیل خان (۱۱) عبدالقدیر نورستانی آئی جی پولیس (۱۲) بریگیڈیئر حیدر خان رسول (۱۳) عبداللہ وزیر باہر اور خود محمد پرست تھی۔ بعد میں ان میں سے صرف حیدر خان رسول، عبدالقدیر نورستانی، عبداللہ، محمد داؤد کے چیمپے بن گئے۔ حسن شرفی، فیض محمد خان باجگل خان، عبدالحمید مختار اور محمد ضیا وغیرہ بہت سے ساقیوں سمیت معزول ہو گئے۔ خلیل خان وغیرہ محتو رہے۔ باقی کو پناہ دست نگر بنایا۔ اس طرح فوجی انقلابی کونسل یا مرکزی کمیٹی برائے نام دہی اور بالآخر ۱۹۷۷ء میں نئے آئین کا اعلان کر کے اس تکلف (مرکزی کمیٹی) کو برطرف کر دیا اور ملک کے سیاہ و سفید کاظم اختیار محمد داؤد اور اس کے بھائی محمد نعیم کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ دونوں بھائی حیدر خان رسول جواب وزیر دفاع بن گئے تھے۔ عبدالقدیر نورستانی جواب وزیر داخلہ تھے اور عبداللہ جو وزیر باہر اور ڈپٹی چیف منسٹر تھے کو کھٹہ پٹیوں کی طرح بچاتے تھے۔ اس طرح یہ پانچ ملک اور عام کی قسمت، عزت اور دولت سے کھیلے رہے۔ اس ٹوے

نے اپنی خدمت کے لئے ملک مجھ کے بنام ترین مفاد پرستوں، ایجنٹوں اور چالوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ ان کو لوٹ مار و عیش و عشرت میں شریک بنایا۔ اور دوسری طرف فوج اور ملکی انتظامیہ میں جتنے باضمیر اور باشعور لوگ تھے سب کو معزول کیا یا ملک سے باہر نکالا۔ اس طرح ریاست کی پوری مشینری کو اپنی مرضی کے تابع بنانے کے لئے یہ نہیں بلکہ جو محبوب وطن اور بیدار جوان۔ ان کی حمایت اور پالیسیوں کے سامنے تسلیم نہ ہوا اس کو قید یا قتل کیا۔ اس طرح عوام کو اس ٹولہ کے اقتدار اور تسلط کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے انہوں نے قومی انقلابی پارٹی بنانے کی کوششیں کیں۔ جس میں ٹاؤٹ دلال قسم کے لوگ سمگلر، ڈاکو اور بدعاش جمع ہو گئے جن کا کام اس حکومتی ٹولہ کے لئے جاسوسی کرنا اور لوگوں کو غلام، بوس اور تشدد کا نشانہ بنانا پر اپنا اور ٹولہ کا رعب بٹھانا تھا۔ چنانچہ اس قسم کے لوگوں نے قتل، اغوا، رہزنی اور ڈاکو کے واقعات بھی کئے۔ اس کا الزام مشرعی دیا تو یہ پر نگاہ کران کو ڈرا دھمکایا بھی اور بھران سے رشتہ بھی لیں۔ دوسری طرف ملک میں سیاسی حرکات پر ممکن اور سخت پابندی تھی۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر بیٹھ کر بھی سیاست کی کسی قسم کی سیاسی سرگرمی نہیں کر سکتے تھے۔ خصوصاً عرب دیوکر یک خلق کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ کیونکہ حکمران ٹولہ کو اس پارٹی کی مدد کی تسلیم اور لفظی قوت سے بہت زیادہ خطرہ تھا اور جب محمد داؤد اور اس کے ٹولہ نے سامراج کی طرف جھکاؤ کا راستہ اختیار کیا تو اسے یہ پارٹی جو سامراج دشمن پارٹی ہے۔ دشمن نمبر ایک نظر آئے تھی۔ اور اس کے کارکن، ممبر تعلیمی اداروں، درس گاہوں، انتظامیہ اور حکومتی محکموں جہاں بھی تھے گردن زدنی قرار پاتے اور عوام میں ان کو غدار اور کافرا بت کرنے کے لئے حکومتی مشینری نے لہجہ زور لگایا۔ اس مدعا تک کہ نظم و نسق بری طرح خراب ہو گیا۔ معیشت تباہ ہوتی گئی۔ میزور دیکر لسی اور ان کے دلاؤں کی فروعیت بہت زیادہ بڑھتی گئی۔ رشوت اور جھوٹے مقدمات کی بھرا ہوئی گئی۔ دفتر تہوہ خانے بلکہ عشرت خانے بننے لگے۔ حکومت کا کام لگتا گیا اور عوام کی زندگی اجڑتی ہوئی گئی۔

اس تمام مصدّت حالی سے نمٹنے کے لئے حکومتی ٹولہ نے جبر و تشدد کے پنجے تیز اور مضبوط کرنے کی کھائی۔ اس نے سازشی منصوبے اور ان پر عمل کرانے کے لئے پولیس فوج اور اہل قاتلوں کی ایک خفیہ فورس بنائی۔ اس کام کے لئے منزلی ہمارے مے جو بد تشدد واد جاسوسی کے جدید ترین آلات منگوائے۔ محمد داؤد اور اس کے ٹولے نے فیصلہ کر لیا کہ محبوب وطن جمہوریت پسند اور باشعور افراد و جوان کی راہ میں حائل ہو سکتے ہیں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسا یا جہتے ڈرا دھمکایا جائے۔ ملک چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ اور بالآخر قید یا قتل کر دیا جائے۔ بالخصوص حزب دیوکر یک خلق کو ختم کیا جائے۔ اس سازشی منصوبہ کے تحت لوگوں کے گھروں کے اندر سے انہیں سٹنا اور ڈھپ کرنا اور انہیں کے ٹیلی فون ٹیپ کرنا، اندھیرا اس سے اپنی مرضی کے مطابق ٹیپ تیار کرنا، اور اس طرح جس کو چاہیں اس کو چھانسنے کے لئے شہادت مہیا کرنا اس ٹولے کے کارندوں کا معمول تھا۔ اُجرت، قاتلوں اور ڈاکوؤں کے ذریعے انہیں کو تسلیم کرنا یا ختم کرنا، ان کا تشغیل تھا۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں سٹیٹ پائلٹ انعام المی گران، میجر ڈاکٹر نیاز محمد موند، میجر ڈاکٹر صالح اور ڈاکٹر دین محمد قتل کر دیا گیا۔ حکومت کے ایک وزیر پلان مسٹر حرم کرود روشن اس کے دفتر میں گولی مار دی گئی۔

کھتے ہیں یہ ایک منصوبہ تھا جس کا ایک مقصد مخالفین پر سخت حکومت کرنے کے لئے ایک بھانہ پیدا کرنا تھا اور دوسرا مقصد یہ کہ موزوں سمیت میدان سے ہٹا دیا جاسے اس کے پاس تھے۔ ان تمام سازشوں اور جملوں

کو پارٹی برداشت کرتی رہی مگر عوام پر اس کا بہت ظراب اثر مرتب ہوتا رہا اور خود حکومت پریشان سے پریشان ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۸ء کو اس پارٹی کے محبوب ترین لیڈر میر گربا سٹاؤ کو قتل کر کے اس نے ایک طرف اپنے ذہنی دیوالیہ پن اور بکھلا ہٹ کا ثبوت دیا کہ اس کے علاوہ دوسری طرف اس پارٹی کے صدر کا یہاں برس بھر کا یانیز اس حرکت سے عوام بھی بہت متاثر ہوئے اس پر مستزاد یہ کہ اس حکومتی ٹولہ نے میر گربا کے تجویز و کمین کے دوران پارٹی کا جو شہ و خروش دیکھا تو گویا اس کے اوسان خطا ہو گئے باوجودیکہ حکومت کی طرف سے جہازہ اور نثار تحسین جیسے پرہیزگار پابندی تھی۔ اور اس دن دفتروں اور درس گاہوں میں خصوصی انتظامات کیے گئے تھے تاہم عام انداز کے مطابق ساٹھ ہزار آٹھ لاکھ لوگوں نے اپنے محبوب لیڈر کے جنازہ کو ایک منظم شکل دے دی۔ استاد میر گربا کے قبر پر پارٹی کے سربراہ نور محمد ترکئی اور میر گربا کا رمل وغیرہ نے تقریریں کیں جن میں حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ اتنا دیر گربا کے قاتلوں کا اگر سراغ نہ لگایا گیا، حکومتی شہنشاہی کو سازشی عناصر سے پاک نہ کیا گیا اور سیاسی قتلوں کا یہ سلسلہ بند نہ کیا گیا تو اس کے تمام نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ حکومتی ٹولہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس نے پارٹی کو مزید متوجہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر ایک منصوبہ بنایا جس کے مطابق اس پارٹی کے تمام کارکنوں اور عہدوں کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ پارٹی کے مرکزی کمیٹی کو گرفتار کیا جائے گا۔ اور غداری کے الزام میں دو تین دن کے اندر چھاپسی دی جائے گی۔ پارٹی کے سرکردہ کارکن فرج سول، منتظامیہ اور تعلیمی اداروں سے گرفتار کیا جائے گا۔ ان کو ان کی اہمیت اور اثر و نفوذ کے مطابق موت یا قید و بند کی سزا دی جائے گی۔ تقریباً چار سو کارکنوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے کا پروگرام تھا۔ باقی کو غلامزوں سے بٹانا، دورانہ مقامات پر تبدیل کرنا، ان کی مصنوعات نکالیں، باز سزا اگر دانہ اور لوگوں میں غلامی اور کافر کا الزام لگا کر مردانا۔ اس منصوبہ کا سلسلہ وار مقصد تھا۔ اس پونے منصوبے کا اس پارٹی کو اپنے ذرائع سے علم ہوا یہ ہے کہ اس پارٹی کے عہدار کارکن حکومت کے اعلیٰ اداروں میں بھی مخفی طور پر موجود تھے۔ ۲۵-۲۶ مارچ کی رات کو مرکزی کمیٹی کے عہدوں کی گرفتاری نے یہ ثابت کر دیا کہ اس منصوبہ پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے چنانچہ اس منظم پارٹی نے بھی فیصلہ کر لیا کہ جو بھی ہو اس حکومتی ٹولہ کا مقصد یک جائے۔ یہ پارٹی عرصہ سے حکومت کے کثرت اور عوام پر اس کے رویوں کا مطالعہ کر رہی تھی۔

کہتے ہیں کہ اس کے پاس اس قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے خاکہ موجود تھا۔ اس تیاری کے ذریعہ لیڈر گرفتاری سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے اپنے فوجی ساتھیوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں میدان میں نکل آنے کا حکم دے دیا۔ ۲۷ مارچ کی رات کو ان افراد نے مختلف یونٹوں میں اپنے ساتھیوں کو جو پہلے سے خصوصی سازشی منصوبہ سے آگاہ تھے اور حکومتی ٹولہ پر حملہ کرنے کے لئے بے چین تھے فیصلہ سے مطلع کر دیا۔ ۲۷ مارچ کو جب کہ حکومتی ٹولہ ملک بھر میں فوجی یونٹوں، سرکاری دفتروں اور تعلیمی اداروں میں حزب دیو کر رہا۔ خلق کے لیڈروں کی گرفتاری پر خوشی کا جشن منا رہا تھا اور جن میں اس پارٹی کے کارکنوں پر گھر کے قوتے صادر کر رہا تھا۔ اس پارٹی کے جوان مبظاہر جشن کے ناچ گدیس شامل تھے مگر وہ پردہ اپنے ساتھیوں کو پارٹی کا فیصلہ سنا اور مقررہ وقت پر اسکو سنہانے میں مصروف تھے۔ حکومتی پارٹی کا فیصلہ یہ تھا کہ اسی دن جشن کے بہانے سب کو فوجی یونٹوں میں اکٹھا رکھا جائے۔ اور وہاں گھر کے قوتے لگائے جائیں اور وہ پارٹی کے دنا دار افسروں کو دوسرے جوازوں کے ذریعہ گرفتار کیا جائے۔ مگر ابھی یہ جشن جاری تھے اور دوسرے قدم اٹھانے لے لیں گرفتاریاں کرنے کی دیر تھی

کہ امر کو رد نہ کیا ڈویشن میں پارٹی کے کانڈمنٹ میجر اسلم خاں اور میجر رفیق وغیرہ نے اپنی دونوں ڈویشنوں کو تسلیم امدان کے پاس ٹینک شہر میں شاہی محل صدارت کے پورے کے پورے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاں کا مینہ کا اجلاس ہو رہا تھا امدان اپنے سازشی منصوبے کو آگے بڑھانے پر غور ہو رہا تھا۔ صدارتی محل کے محفلوں نے میجر اسلم وغیرہ کا متقابل مشروع کیا اور محمد داؤد کو حالات کی نزاکت کا احساس ہوا تھا اس نے اپنے دفاتر ایئر فورس کے چیف محمد موسیٰ کو ٹیلیفون پر حکم دیا کہ گنگ اور سوم ہمارے حامی فوراً پرواز کریں اور صدارتی محل کے سامنے نشانہ دروازہ پر کھڑے ہوں۔ شہر ٹینکوں کو نیست و نابود کریں۔ ایئر ہیڈ کوارٹر میں ایئر چیف کے معاون عبدالغفار خاں نے ایک طرف اس حکم پر عمل نہ ہونے دیا۔ دوسرے وہ سمجھ گیا کہ اس کے سامنے شہر میں پہنچ گئے ہیں۔ اس اثنا میں محمد موسیٰ عبدالغفار کے ارادوں اور محل کو بھانپ گیا اور تھوڑے وقفے کے لئے اسکو حراست میں رکھا مگر بہت جلد عبدالغفار کے سامنے ایئر ہیڈ کوارٹر میں بھی متحرک ہو گئے۔ اس اثنا میں عبدالغفار کو موقع مل گیا۔ وہ پہلی کاپر کے ذریعے تیس میل دور باگرامی کے ہوائی میدان تک پہنچا جہاں تک اوپر بولی سے کھڑے تھے۔ جہاں میدان کا پتھر ان کا سامنے اور جہاں اکثر پائلٹ ان کے ہمران اور ہم کار تھے اور جب اوپر صدارتی محل کے سامنے محل کے محفلوں کے ماڈرن اسلیم اور اسلم خاں کے ٹینکوں کی فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی اور عبدالغفار کے گنگ اوپر بولی روں نے صدارتی محل پر حملے مشروع کر دیئے اور ابھی شام کا اندھیرا پوری طرح نہیں چھا یا تھا کہ صدارتی محل کے محفلوں کا زور ٹوٹ گیا اور محمد داؤد خاں کے اقتدار کا مضبوط مورچہ ختم ہو گیا۔ اسی قیام دوران صرف صدارتی محل کی چار دیواری کے اندر فریاد سے زیادہ چار دیواری کے پاس ہی جنگ ہو رہی تھی۔ اس محل کے قریب ہی غیر ریسٹورنٹ کے پاس دوسری طرف سے باغ درخشاں کے قریب اور غیر سی طرف ایران کے سفارت خانہ کے چوک پر لوگ کھڑے اس قیام کا ردائی کو دیکھتے رہے۔ اور قیام شہر میں ٹینک ادا کاروں کا حساب معمول تھا۔ محمد داؤد اور اس کی کابینہ محل میں موجود تھی۔ اور حزب وکرینک خلق کے لیڈروں اور فوج میں ان کے ساتھیوں کو شکانے لگانے کے منصوبے پر آگاہ قدم اٹھانے پر غور کر رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کو ۱۱ بجے کے قریب فوج میں مخصوص پش دروازہ پر واقع امر کو ڈویشن کے ہیڈ کوارٹر میں گزار کر اطلاع ہوئی تھی مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ جنگاری جنگل کی آگ بننے والی ہے۔ تھوڑی دیر میں اس ہیڈ کوارٹر سے سپاہی ٹینک شہر کا گناہتہ روائہ ہوتے اور ۱۱ بجے کے قریب وزارت دفاع کے دفاتر پہنچ گیا تھا اور اس نے پہلا گولہ داغ دیا تھا۔ جس نے وزارت دفاع میں کھیل محادی خود دہرہ دفاع دفتر میں موجود تھا اسے بغاوت کی اطلاع مل گئی تھی اس کو فائر مشن کرنے کے لئے کابینہ کے اجلاس سے دفتر میں چلا آیا تھا۔ ٹینک کے فائر سے ہی اسے حالات کی نزاکت کا احساس ہوا۔ چنانچہ وہ وزارت دفاع کو جھوٹے اور شہر کے نواح میں ایک مضبوط چھاپا لگا کر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ محمد داؤد کو جب معلوم ہوا کہ محل ٹینکوں کے گھیرے میں ہے تو اس نے محل کے محفلین کی کان فرودستیال لی۔ مگر بہت جلد اسے اپنی بے چارگی کا احساس ہوا۔ اور حزب عبدالغفار خاں اور میجر اسلم خاں نے شہر پر قبضہ کیا اور محل کے محفلین کو بے بس کر دیا تو محمد داؤد خاں کو تسلیم کرنے کا پیغام بھیجا۔ کہتے ہیں کہ اس کے دروازہ اور طاعان کے مجبوروں نے اس کو مشورہ دیا کہ تسلیم ہونے میں عافیت ہے مگر وہ نہ مانا اس نے انقلابیوں کے جواب میں کہا جیسا کہ میں ایک فوجی جرنل ہوں اگر زیریں میں گاؤں کسی چھوٹے افسر کے سامنے نہیں آکر خود اسلم خاں اور عبدالغفار میرے پاس آئیں گے تو سپہنوں ان کے حملے کر دوں گا۔ اس پر انقلابی افسروں نے ایک کیپٹن اور دو جوان اس کے

س بھیجے وہ سمجھا کہ اسلم خان وغیرہ کہہ رہے ہیں چنانچہ اس نے بدر سے ان پر گولی چلا دی۔ کیپٹن کو کہتی کے نیچے اور لیٹل نے اس جہاز میں گولی لگی۔ جس کے جواب میں کیپٹن اور اس کے ساتھیوں نے جوابی فائر کئے۔ اس دوران محمد داؤد نے ایک بیٹی اور ایک بہو کو خود گولی مار دی۔ اور خاندان کی دوسری عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے ہر اپنے لڑکے بولیں کو مامور کرایا۔ کیونکہ محمد داؤد یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے گھر کی عورتیں اور بچے انقلابیوں کے قیدی بن جائیں۔ لہذا وہ ان جہازوں کی گولہ باری اور محمد داؤد کی گولی سے دشمنی کیپٹن کی فائرنگ سے خود داؤد اور اس کا لڑکا کام راکٹ تو خاندان کے تمام افراد خود ان کے ہاتھوں قتل ہو جاتے۔ اب ان میں سے اکثر دشمنی اور زیر علاج ہیں۔ یا س حکومت کی نگرانی میں ہیں۔ محل کی نگرانی فوج کی تعداد ۲۳ سو تھی جو ہر قسم کے جدید اسلحہ سے لیس بھی تھی۔ محل سے مضبوط دفاعی انتظامات نے تقریباً اٹھ گھنٹے مزاحمت کی۔ تقریباً سترہ سو افراد جو ان تسلیم ہوئے بچے دشمنی ہو گئے۔ اس اور چالیس کے درمیان مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ محل پر تقریباً چار گھنٹے تک اور سترہ بجے جہازوں نے گولہ باری کی۔ اس وقفہ میں محل کی حد سے باہر صرف ایک گولہ گرا۔ باقی تمام محل کے ایک مربع میں علاقے میں گرے۔ اس تمام جنگ کے دوران محل سے باہر صرف کابل ہوٹل کے معزلی حصہ میں آریا رانہ انان ایر دیز کا دفتر محل کے محافظوں کے توپ کے گولے سے محل کرتباہ ہو گیا ہے۔

محمد داؤد خان اور سردار نعیم کے گھروں کے درمیان دافعہ فرانسیسی سفارت خانہ میں چند گولے گرے ہیں۔ باقی اس پاس کی تمام عمارتیں اور مکانات محفوظ ہیں۔ البتہ دہاکوں سے شیشے ٹوٹ گئے ہیں۔

شہر کے اندر اور باہر شاہی فوج کے مشہور مرکز تھے۔ جن میں قلعہ بالا حصہ اور قلعہ شیر پور بہت اہم ہیں۔ ان کے علاوہ شہر کے مغرب میں تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ترقہ میں ایک ڈویژن فوج موجود تھی۔ اس کے پاس جدید میزائل راکٹوں پر مشتمل ہوائی دفاع کا ایک مکمل بریگیڈ پڑھا تھا۔ جنوب مغرب میں شہر سے ملتی مہتاب قلعہ میں انگریزی ڈویژن کا مرکز تھا۔ شہر کے جنوب میں سنٹرل فورسز کا ہیڈ کوارٹر اور اس کے پاس ہی ریشم کی چھائی تھی۔ ہیڈ کوارٹر خود وزیر دفاع کی نگرانی میں تھا۔ اور ریشم خور کی چھائی میں ملک کا سب سے مضبوط اور جدید اسلحہ سے مکمل ڈویژن موجود تھا۔ اس کے علاوہ بالا حصہ اور اس کے قریب چھاپہ ماروں اور کمانڈرز کے دفاتر مشہور تھے۔ شہر کے اندر دو مقامات پر ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح دو قطعات جنہیں قطعات منظر

(STRIKING FORCE) سمجھا جاتا تھا موجود تھے۔ وزیر دفاع بھاگ کر قرضہ پہنچے مگر وہاں آٹھ سو ڈویژن اور ہوائی دفاعی فورس کو اپنے حق میں متحرک نہ کر سکے۔ پھر وہاں سے سنٹرل فورسز کے ہیڈ کوارٹر چلے گئے۔ یہاں سے ریشم خور اور سنٹرل فورس کو شہر کی جانب روانہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے ارمرڈ کورارٹینک شہر تک پہنچ گئے اور انہوں نے انقلابیوں کا مقابلہ بھی کیا مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ انقلاب کس کی طرف سے ہوا ہے تو ان کی ملامت برائے نام ہو گئی۔ ہیڈ کوارٹر اور چھائی پر ہوائی جہازوں کی بمباری نے یہ ثابت کر دیا کہ انقلاب روکنے کی کوشش بے سود ہے۔

یہ فورسز ۲ مارچ کی صبح کو کہ بجے تک تسلیم ہو گئیں اور خود وزیر دفاع بھی اس دوران کام آیا۔ دراصل فوج کے اندر انقلابیوں کے ساتھی موجود تھے اس لئے منافعت کی تمام کوششیں اور مقابلے برائے نام رہے اس لئے جانی و دان بہت کم ہوا۔ اس انقلاب کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ شہر ہی خاندان کے تسلط اور خدو

محمد داؤد کی سفاکی، دغا بازی اور دور رس پن کی وجہ سے ملک کے تمام عوام متنفذ اور تنگ سوچے تھے۔ مختلف نسلی اور لسانی وحدتوں میں محمدی کا احساس شدید ہو چکا تھا اور جس غرض کے لئے قاضی شاہ کو ہٹایا گیا تھا وہ لوہا نہ برسکا بلکہ ملک کا امتیاز چھوٹے اصول اور حیثیت افراد کے ہاتھوں میں مرکوز ہو گیا۔ جس نے ملک کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر فساد اور بدعنوانیوں میں بے حد اضافہ کر دیا۔ جمہوریت کے نام پر ایسے استبدادی نظام کو مسلط کیا گیا تھا۔ جس میں تحریر و تقریر، اجتماع اور جلسے جلوس کی وہ تھوڑی بہت آزادی جو شاہ کے وقت حق کی کو بھی سلب کر لیا تھا خصوصاً فوج جس نے محمد داؤد کو گورنمنٹ نشینی سے اٹھا کر رئیس دولت اور رئیس جسوز بنا دیا تھا۔ سخت غصہ اور خفا بھی محمد داؤد اور اس کے چند حواریوں کو جو فزولئی نشر میں بدست تھے۔ اس صورت حال کا احساس نہ تھا۔ دوسری طرف عوام کی سیاسی پارٹی، اس کے افسر اور جوان ان حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے امداد اپنے آپ کو انقلابی شعور و قوت تنظیم ڈسپین سے آراستہ کرنے میں مصروف تھے اور کسی اچانک جیلنگ کے مقابلے کے لئے معنی منصوبہ تیار نہ کر سکے۔ بہت تھے۔ چنانچہ ان پر حملہ کیا گیا اور ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کسی مرحلہ سر پر ان پہنچا تو انہوں نے مجبوراً مٹھ مصمم ارادے اور منظم قوت کے ساتھ حرکت کی۔ جس میں وہ نظام کی فرسودگی اور عوام کے اجماع کے پیش نظر اپنے انقلابی شعور۔ جذبے، ڈسپین اور پارٹی کی مدد پرانہ رہنمائی میں کامیاب ہو گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب کی قوتوں کو انقلاب کے بعد ملک و ملت کے تاریخی مرحلہ، سماجی کیفیت اور اقتصادی پس ماندگی کا پورا پورا احساس ہے۔ اس لئے روزِ اول ہی سے انقلابی فوجی کونسل اور حزب دیوگرینک خلیق کی مرکزی کمیٹی کو ملکر ایک قومی انقلابی کونسل تشکیل دی گئی۔ تاکہ جس انقلابی ارادے، ڈسپین اور جذبے سے انقلاب کا پتہ ہوا اس کو بروئے کار لاکر ملک کی تعمیر و ترقی اور خوش حالی کے اہم ترین اور نازک ترین مراحل چلے جائے۔ تہذیبی انقلاب کے بعد نئی حکومت کے بیانات امداد ایسی اعلانات جو آج تک ہمیں موصول ہوئے ہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو افغانستان کے مسلمان اور محب وطن عوام کے جذبات۔ عقائد اور ضروریات کا نگہ راجح اس ہے اس لئے اس کے صدر نور محمد ترہ کی۔ ذہنی، ادبی، غیر ملکی اخباری نمائندوں کی پہلی پریجریم پریس کانفرنس میں اور اس کے بعد اس کی پہلی تقریر میں جو وضاحتیں کیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پارٹی افغانستان کے عوام کو دینی۔ قومی اور سماجی خدمت کے لئے آگے آئی ہے اور قوم کے نام محب وطن جمہوریت پسند اور انقلاب دوست لڑکوں کے تعداد میں سے یہ مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس طرح ملک صحیح معنوں میں قومی جمہوری حکومت دینے کی طرف بڑھے گا۔ افغانستان جغرافیائی لحاظ سے نہایت نازک اور اہم نکتہ پر واقع ہے۔ آج کے حالات میں ہر ہند، خلیج فارس اور حزببانی ایشیائی جو منصوبے اور تحریکات کا رفرما ہیں اس کے پیش نظر افغانستان کی اہمیت و نزاکت اور یہی بڑھ گئی ہے۔ سری لنکا، بنگلہ دیش۔ بھارت اور پاکستان وغیرہ میں حکومتوں کی تبدیلی سے نیز بھارت اور ایران میں تعلقات میں زیادہ قرب پیدا ہونے کی وجہ سے اور پھر ان ملک کے مغرب کی جانب تھکاؤ کے تعلق سے افغانستان میں دایم بازو کے عناصر بہت فعال اور خوش نظر آ رہے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ یہ عناصر ملک میں گرم یا سرد واقعات لاکر افغانستان کی سوائے غیر جانبداری کی پالیسی کو بدل دینے والے ہیں بلکہ محسوس یہ ہو رہا تھا کہ محمد داؤد کی موجودگی میں ایک خاموش انقلاب کا فرما ہو چکا ہے اور افغانستان کھلم کھلا مغربی کمپ میں جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں اچانک جمہوری انقلاب آیا جو ان تمام اندازوں کے برعکس ہے اور جو اس علاقہ میں ہوا کے عام رُخ سے مخالف سمت میں نظر

آ رہا ہے۔ لہذا وہ تمام قوتیں، حلقے اور ادارے جو یہاں مصروف تھے جو ٹھک گئے ہوں گے۔ اور اس انقلاب کو کو اپنے منصوبوں اور غرضات کے برعکس سمجھتے ہوں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے حلقے اس جمہوری انقلاب کو غلط رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے مسلمان افغان لیڈروں اور جوانوں کو الزامات کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس معزز دشمن عوامی حرکت کو جس میں کم سے کم حزن بہا ہے خوزیزی اور بربریت کا نام دیتے ہیں۔ برطانوی استعمال کے وقت کے اسلام دشمن اور وطن دشمن پروپیگنڈوں سے کام لے رہے ہیں مسلمان کو مسلمان سے لڑانے اور ایک ہی ملک و ملت کے لوگوں کو آپس میں کشت و خون کے لئے آمادہ کرنے کے لئے مذہب کے پاک منہیے کو استعمال کر رہے ہیں۔

انگریزوں نے امان اندھاں کے خلاف مذہبی تعصب کو مشتعل کیا تھا آج دنیا جانتی ہے کہ اس طرح افغانستان کے مسلمان عوام کی ترقی، تعمیر اور خوش حالی کا راستہ روکا گیا تھا اور انگریزوں کی سازشوں کو کامیاب کر دیا گیا تھا آج اس بدل ہوئی دنیا میں نئے اور پرانے سامراج کے ایکٹ اس پرانے عربیے کو استعمال کرنے کی کوشش کریں گے مگر آج افغانستان ۱۹۲۸ء کا افغانستان نہیں ہے۔ ۱۹۷۸ء کے افغانستان میں بیداری اور شعور موجود ہے۔

پاکستان افغانستان کا قریب ترین ہمسایہ بھائی ملک ہے۔ دونوں ممالک کے عوام نہ صرف تاریخی اور ثقافتی ملوث پر ہر دوسرے ملک اور دوسری قوم کے آپس میں زیادہ قریب ہیں بلکہ اقتصادی اور کاجی گمانہ سے بھی ایک کا دوسرے پر انحصار موجود ہے۔ اس لئے ان میں سے ایک ملک دوسرے کی سیاسی تبدیلی سے بے اثر نہیں رہ سکتا۔ اور افغانوں کی اپنی قائدہ جمہوری حکومت جو ایک سیاسی پارٹی کی قیادت میں کام کرے گی۔ افغانستان اور پاکستان کو قریب سے قریب تر لانے کا سبب بنیں گی۔

افغانستان کے گذشتہ حکمرانوں نے اپنے شخصی اور خاندانی اقتدار کو بچانے اور مضبوط بنانے کے افغانستان اور پاکستان کے عوام کو ایک دوسرے سے دور رکھنے اور اس غرض کے لئے دونوں کے درمیان مسائل پیدا کرنے، ان کو بھادینے اور ایسے مسائل کو سودا بازی کے لئے زندہ رکھنے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ افغانستان کی انقلابی طاقت ایسا نہیں کرے گی۔ یہیں خوشی ہے کہ اس حکومت کے سر رہنے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ یہیں یقین ہے کہ افغانستان کی انقلابی حکومت برادری اور برابری کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر انصاف کے تقاضوں کے مطابق پھر امن و بقا باہمی کی بنیادوں پر دوستی اور برادری استوار کرنے کی راہ نکالیں گے۔

گذشتہ ادوار میں دونوں ممالک کے درمیان مسائل سے ہر دو ممالک کے عوام کے دشمنوں اور اس منظم میں امن اور استحکام کے دشمنوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے جس کی وجہ سے دونوں ممالک کے عوام کے لئے ترقی کرنے کی خوشگوار دنیا جہاں نہیں ہوئی۔

یہیں یقین ہے کہ افغانستان کے عوام کی انقلابی جمہوری حکومت اس طرف پوری توجہ دے گی۔ اس لئے شرط اول یہ ہے کہ بہت جلد گفت و شنید اور انعام و تقسیم کا آغاز ہو جس کے قبل ایک دوسرے کے ممالک کے اندر ہر قسم کی اندرونی مخالفت سے قطعاً پرہیز ہے۔

تیسرا باب

انقلاب افغانستان کی بنیادی خصوصیات

خلق پارٹی کے انقلابی نظریات

حفیظ اللہ امین ————— وزیر اعظم افغانستان

فوج اور پارٹی کا کردار

فیروز احمد ————— ایڈیٹر پاکستانی فورم

عوامی جمہوریہ افغانستان کے نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ جناب حفیظ اللہ امین نے عوامی جمہوری پارٹی (خلق) کی چودھویں سالگرہ اور پہلی کانگریس کے سلسلہ میں یکم جنوری ۱۹۷۹ء کو کابل فندری آڈیٹیم میں منعقد ہونے والی سنٹرل کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کی جس کا مکمل متن درج ذیل ہے۔

مسلمہ کامریڈو، بہادر دوستو! پیارے وطن پرستو! اور جہان ہائے گرامی قدر!

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی اس عظیم الشان تقریب میں شریک ہوں جو محنت کش طبقے کے ہر اول دستے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تقریب میری قابل فخر پارٹی کی چودھویں سالگرہ منانے کے سلسلہ میں منعقد کی گئی ہے، میں بین الاقوامی انقلابی پرومٹاری تحریک میں اس نایابی دن کے موقع پر افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے بانی جناب نور محمد زہکی کو خلقی مبارک باد پیش کرتا ہوں جو سنٹرل کمیٹی کے سیکرٹری جنرل، انقلابی کونسل کے صدر اور عوامی جمہوریہ افغانستان کے صدر ہیں۔ ہماری پارٹی روزِ اول سے ہی ان پر فخر کرتی رہی ہے۔ انہوں نے پارٹی کے قیام سے لے کر پہلی کانگریس کے بعد آج تک پارٹی کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی پولٹ بیورو اور سنٹرل کمیٹی کے ارکان مخلص اور بہادر کارکنوں اور دیگر تمام تر محنت کش عوام کی راہنمائی کی ہے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی دنیا کی پہلی پردلاری پارٹی ہے جس نے اپنی زندگی کی انتہائی قلیل مدت میں کامیابی حاصل کی ہے۔ پارٹی کی چودہ سالہ جدوجہد اس عظیم کام کی تخلیقی قیادت میں جاری رہی اور خلقی تدابیر سے آراستہ سنٹرل کمیٹی کے ارکان نے محنت کشوں کی ایڈیالوجی اور سائنسی تدابیر کو دنیا بھر کے مزدور اور عظیم انقلاب اکتوبر کے بعد تمام ترقی پذیر ممالک کے بہادر عوام کے جوش کو ہمیز دیتی ہیں، مالا مال دنیا ان حقائق کی معروضی اور سائنسی تفصیلات پیش کرنے کی خاطر محنت کش طبقہ کی سائنٹیفک تصویروں کی روشنی میں ان کا الگ الگ جائزہ اپنی اولین فرسٹ میں پیش کریں گے۔ فی الحال طبقاتی جدوجہد کے فلسفیانہ اصول و نظریات اور افغانستان میں طبقاتی جدوجہد کے چیدہ چیدہ مرحلوں اور خصوصیات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے میں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے رول اور توجہ انقلاب کی فتح کے ضمن میں جناب نور محمد ترہ کی تجزیہ کی اثر آفرینی پر کچھ کہنا چاہوں گا۔ میں افغانستان اور بیرونی دنیا کے ماہرین سکالروں اور پولیٹیکل سائنس کے طالب علموں کو توجہ ان مذکورہ بالا امور کی طرف دلاؤں گا تاکہ وہ اسے موضوع بحث بنائیں۔ اس کی قدر و قیمت کو جانیں اور عوامی محنت کش طبقہ کی سائنٹیفک تصویروں کے

ازمقائیں مناسب طور پر ترکیب ہوں۔ یہاں میں مندرجہ ذیل امور پر بحث کروں گا:

سیاست

ریاست

پارٹی

انقلاب

سیاست

سیاست طبقاتی جدوجہد کی آئینہ دار ہوتی ہے اور سوسائٹی کو دشمن طبقات میں تقسیم کر کے اسی طرح نمودار ہوتی ہے جس طرح دشمن طبقات پر مبنی سوسائٹی میں مختلف طبقات کے مشادات باہر آ جلتے ہیں اور سیاست ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لئے ریاست مختلف طبقات کے درمیان رابطے کا نام ہے اور اتنی دیر تک اس کا وجود برقرار رہنا جتنی دیر تک طبقات موجود ہوتے ہیں، لیکن مختلف طبقات سے منسلک عناصر کے درمیان تعلقات یا مختلف طبقات کے درمیان باہمی تعلقات کبھی سیاست قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ مثال کے طور پر، ایک کسان اور جاگیردار کے درمیان تعلقات جس کے لئے وہ کام کرے ہیں معزوف ہے، قطعی طور پر سیاست نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ استحصالی تعلقات ہیں۔ اسی طرح ایک مزدور کی سرمایہ دار کے ہاں ملازمت جس میں وہ پروٹناری کی محنت سے حاصل ہونے والی پیداوار کو بیٹھنے میں معزوف ہے اور اس کا استحصال کرتا ہے، قطعی طور پر سیاست نہیں کہلائے گی۔ استحصالی تعلقات اقتصادی نوعیت کے ہوتے ہیں اور ایک طبقاتی سوسائٹی کے پیداوار کی تعلقات — اقتصادی تعلقات صرف اسی وقت سیاسی تعلقات میں تبدیل ہوتے ہیں جب ایک کسان یا کسانوں کا ایک گروہ جاگیرداروں کے خلاف جدوجہد کرتا ہے۔ صرف اپنے مالک کے خلاف نہیں بلکہ جاگیرداری کے خلاف — جاگیردارانہ نظام کے خلاف اور تمام جاگیرداری طبقے اور جاگیر شاہی کے خلاف — اسی طرح ایک مزدور یا سرمایہ دار دشمن مزدوروں کے ایک گروہ یا سرمایہ داروں کے ایک گروہ کی خواہشوں میں اضافے کی جدوجہد سیاست قرار نہیں دی جاسکتی۔ لیکن سرمایہ داری اور سیاست میں سرمایہ داری کے غلبہ و تسلط کے خلاف جدوجہد کا نام سیاست ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل دو مختصر مختلف طبقات کے درمیان تعلقات میں سیاسی شخص کو اجاگر کرنے میں اہم ترین رول ادا کرتے ہیں۔ اول کسی طبقے کا بنیادی مفاد پوری طرح سے اور زیادہ گہرائی کے ساتھ صرف سیاست میں ہی واضح کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر مزدوروں کے لئے کام کرنے کی صلاحیت زیادہ منافع بخش طور پر فروخت کرنے میں کوئی اہمیت نہیں بلکہ مزدوروں کے لئے بنیادی مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ اجرت کے غلامانہ نظام کو تھیں تھیں کر دیا جائے، جس کا اظہار سیاسی جدوجہد ہوتا ہے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ہر طبقاتی جدوجہد کسی مخصوص طرز پیداوار پر ایک نمایاں پہلو ہوتا ہے جو اپنی ترقی پذیر شکل میں سیاسی جدوجہد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے

جدوجہد محنت کش عوام کی آزادی کی جدوجہد کی اعلیٰ ترین شکل ہوتی ہے، ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہر طبقے کی سیاست اس کے طبقاتی نقطہ نظر پر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ جس میں اس کے بنیادی مفاد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب محنت کش طبقہ اقتدار اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے سلسلے میں اس کے داخلی اور خارجی امور کا تعین کرے گا۔ دوم۔ سیاست عوام کے ذہنوں میں جنم لینے والے طبقات کے درمیان رابطے کا نام ہے۔ مثال کے طور پر کسانوں کی بغاوتیں اور جنگیں، مظلوم عوام کی قومی آزادی کی تحریکیں اور پروتاری انقلاب عوام کی ان آرزوؤں کا منظر ہوتی ہیں کہ سماجی اور قومی جبر و تشدد کا خاتمہ کیا جائے، یہی وجہ ہے سیاست، معیشت کے برعکس سوسائٹی کے بالائی ٹھکانے کا ایک حصہ ہوتی ہے سیاست کسی طبقے یا کسی طبقے کے گروہ، سماجی گروہ، ریاست اور سماجی مظاہرات کے شعور یا رویے کا نام ہوتی ہے جو بنیادی اور جاری شکل میں پیداواری تعلقات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاست نہ صرف اقتصادیات کی آئینہ دار ہوتی ہے بلکہ اس کی فطرت کا بھی منظر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دنیا بھر کے محنت کشوں کے قائد نے سچا طور پر کہا تھا کہ سیاست معاشیات کی سرگزشت اور مجتمعہ اظہار ہوتی ہے، لیکن سیاست اقتصادی مسائل سے بڑھ کر زیادہ اشیاء کا احاطہ کرتی ہے۔ ایک طبقاتی معاشیے میں تمام سماجی تعلقات انقلاب اور اقتدار، جنگ اور امن، عوام اور قومیں، تعلقات۔ نظریاتی کراؤ اور دیگر تمام مظاہر کسی نہ کسی طرح سیاست کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں، من حیث مجموعی، سیاست ایک فعال عنصر یا سماجی زندگی کا نام ہوتی ہے۔ طبقات اور مختلف سماجی گروپ مختلف اداروں اور تنظیموں یعنی سیاسی پارٹیوں، پریس، ریڈیو، ٹی وی اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہیں حکمران طبقے کی پالیسی سر دست ریاست کے ذریعے نافذ العمل ہوتی ہے اور مخالف طبقات کی مخالفت کی جاتی ہے اور ریاست اور سیاسی پارٹیاں سیاسی جدوجہد کے کرنیہ یا ہم شیر و شکر ہوتی ہیں چنانچہ ایک بورژوا نظریہ ساز انارکسٹ مفکرین اور پیٹری بورژوا انقلابی سیاست کو جبر و تشدد کی حد تک پیچھے لے آتے ہیں جو ایک سنگین غلطی ہے۔ غلے اور تسبیط کے لئے بے شمار سیاسی شکلیں اور طریقہ لمئے کار موجود ہیں بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی حکمران طبقہ اپنی آمریت کو برقرار رکھنے کے لئے کبھی طور پر جبر و تشدد سے دستبردار نہیں ہو سکتا لیکن جبر و تشدد ہی واحد شکل نہیں ہے جس کے ذریعے اپنے نصب العین کو حاصل کیا جائے انقلابی طبقات کوئی سوسائٹی کی تعمیر و تشکیل کے لئے جس قسم کی طاقت و قوت درکار ہوتی ہے وہ جماعت پسند طبقات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی جو نہ نرئی شے کو نیست و نابود کر دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے قوت و طاقت کا تعین اقتصادیات کرتی ہے۔ سیاست اس ضمن میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جب اس کے سوتے افسانہ دیتا و معیشت کے بلن سے پھولیں تار بخوبی اصولوں سے متضاد سیاست نامی سے ہیکنا رہوگی۔ آخر طاق کا استعمال تو ریاست بھی کرتی ہے۔

ریاست

ریاست سوسائٹی کے اندرونی ارتقاء کی پیداوار ہوتی ہے اور مادی پیداوار میں رونما ہونے والی

تبدیلیوں سے معرض وجود میں آتی ہے۔ جب ایک قسم کا طرز پیداوار دوسرے قسم کے طرز پیداوار کی جگہ لیتا ہے تو ریاستی نظام تبدیل ہو جاتا ہے۔ ریاست ہمیشہ کے لئے قائم و دائم نہیں ہے۔ ابتدائی معاشرے میں جہاں ذاتی ملکیت اور طبقات کا وجود نہیں تھا۔ وہاں ریاست کا نام و نشان نہیں تھا۔ ریاست کی تشکیل اور اس کا مزید ارتقاء شدید طبقاتی جدوجہد کے ساتھ مربوط ہے۔ غیر طبقاتی معاشرے کی حتمی شکل میں جب طبقات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ طبقاتی سوسائٹی کی پیداوار ریاست خود بخود دم توڑ جائے گی۔ ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں دشمنانہ طبقات موجود ہیں ریاست ایک سیاسی اوزار ہے جیسا کہ دنیا بھر کے مزدوروں کے قائد نے کہا تھا۔ ”ریاست ایک طبقے کی دوسرے طبقے کی حاکمیت کا تحفظ کرنے کی ایک مشین کا نام ہے۔“ ریاست مظلوم اور بوجہ تشدد کے شکار لوگوں کو کچلنے کے لئے ایک ذریعہ ہے جو ان طبقوں کے ہاتھ میں ہے جنہیں حاکمیت کا شرف حاصل ہے اور تمام ذرائع پیداوار ان کی ملکیت میں ہیں۔ ریاست جو واضح طور پر طبقاتی کردار کی حامل ہوتی ہے۔ بالائی ڈھانچے کا بنیادی حصہ ہوتی ہے۔ جس کی جرئیں اقتصادیات میں پیوست ہوتی ہیں۔ یہ بنیادوں کی حمایت اور استحکام کے لئے تمام ذرائع بروئے کار لاتا ہے، ریاست کی موجودگی میں پبلک پاور کا وجود انتہائی معقول بات ہے۔ یہ تمام تر آبادی کے مفادات کی نمائندگی نہیں کرتی لیکن اس طبقے کے مفادات کی نگہبان ہوتی ہے جو اقتصادی لحاظ سے غالب ہے اور اس کا زیادہ تر انحصار مسلح افواج، آرمی سرائیڈز (پولیس) پر مبنی ہوتا ہے تاکہ یہ عوام کی طاقت (پبلک پاور) کے خلاف مزاحمت کر سکے۔ ریاست استحصال پر مبنی غلامانہ، جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں اندرون ملک اور بیرون ملک مخالف طبقات اور ملکوں کے مقابلے میں حکمران طبقے کے مفادات کا تحفظ کرنے کا فریضہ ادا کرتی ہے۔ اس لئے ہر ریاست کے ذمے اندرون ملک اور بیرون ملک دو فریضے ہوتے ہیں۔ اندرون ملک فریضے ریاست کے فحش سب فریضوں سے مقدم ہوتے ہیں۔ جن سے خارجہ پالیسی کے فریضوں کا تعین ہوتا ہے چنانچہ یہ سبیا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ کسی ملک کی خارجہ پالیسی دراصل اس ملک کی داخلی پالیسی کی توسیع ہوتی ہے۔ ریاست اپنے طبقات کے مفاد میں ایک دوسرے سے اختلاف بھی کر سکتی ہے۔ جن کی وہ طراز ہوتی ہے یا جن اقتصادیاں بنیادوں کے ساتھ وہ منسلک ہوتی ہے۔ آج تک تاریخ میں چار قسم کی ریاستیں ملتی ہیں مثال کے طور پر غلامانہ جاگیرداری، سرمایہ داری اور سوشلسٹ ریاستیں، پہلی تینوں قسم کی ریاستیں جو استحصال کرنے والوں کے مفادات کی نگہبان ہوتی ہیں کے مقابلے میں سوشلسٹ ریاست حقیقی خلق ریاست کی طرح کی ایک نئی ریاست ہوتی ہے۔ پرولتاری ڈکٹیٹر شپ کی ریاست یا مزدوری کی ریاست حقیقی معنوں میں ایک ایسی ریاست ہوتی ہے جو سرمایہ داری سے سوشلزم تک کے عبوری دور میں قائم ہوتی ہے۔ پرولتاری ریاست کی خاصیتوں میں سے ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ ایک سے زائد طرز پیداوار معیشت میں کارفرما ہوتے ہیں اور پرولتاری اور بورژوا یا استحصال اور استحصال زدہ طبقات کے درمیان بلطقی جنگ شدید ہوتی ہے۔

طبقاتی نظام کی طرف سماجی ارتقاء کے بارے میں عظیم لیبن نے کہا تھا۔
 ”پرولتاریہ ڈکٹیٹر شپ کے ذریعے آگے بڑھتا ہے اور اس کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتا“

کیونکہ سرمایہ دارانہ استحصال کرنے والوں کی مزاحمت کا خاتمہ کسی اور ذریعے سے کوئی اور لوگ نہیں کر سکتے۔

پارٹی

یہ بات بھی واضح ہے کہ پروتاری ڈکٹیٹر شپ مزدور طبقے کی سائنٹیفک تھیوری سے لیس درکار پارٹی کے بغیر ناممکن ہے۔ پارٹی سوسائٹی کے کسی مخصوص طبقے کا ایک ادارہ، عنصر یا حصہ ہوتی ہے جو تمام طبقے کو متحد کرتی ہے، لیکن یہ صرف اس طبقے کے سب سے زیادہ فعال عناصر کو متحد کرتی ہے جو ان کی طبقائی جدوجہد میں راہنما کرتا ہے اور ان کے طبقائی مفادات کا تحفظ کرتا ہے یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ متعدد پارٹیاں ایک استحصالی طبقے کی توجہ جانی کرتی ہیں تاکہ محنت کشوں کو یہ دھوکا دیا جائے کہ ان کے درمیان اختلافات پاٹے جاتے ہیں۔ استحصال پر مبنی سوسائٹی میں محنت کشوں کو دھوکا دینے کا خاطر بعض پارٹیاں یہ دعوے کرتی ہیں کہ وہ مزدوروں کے مفادات کا تحفظ کر رہی ہیں لیکن درحقیقت وہ بورژوا کی خدمت کرتی ہیں۔ بعض غیر پروتاری یا ریاں یقینی طور پر حجت پسند دشمن پالیسیوں کے تحت کام کر رہی ہیں اور عوام کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ لیکن محنت کش طبقے اور دیگر محنت کش عوام کے مفادات کا تحفظ صرف ایک ہی پارٹی کر سکتی ہے جو مزدور طبقے کی اپنی پارٹی ہو اور تاریخ ساز آئیڈیالوجی سے بہرہ ور ہو۔ اس قسم کی پارٹی انتہائی مزدور طبقے کے عظیم انتہائی اعلیٰ دارنہ حجت پر مبنی ہوتی ہے جو اس کے اہم ترین مفادات کی تبلیغ دار ہوتی ہے اور سائنٹیفک انقلابی آئیڈیالوجی سے لیس ہوتی ہے، اس قسم کی پارٹی استحصالیوں کی حکومت کا تختہ الٹنے کے مقصد کے لئے محنت کش طبقے کی جدوجہد اور پروتاری ڈکٹیٹر شپ کے استیقام اور ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان کے استحصال سے پاک غیر طبقائی سماج کی تعمیر کے لئے راہنمائی کرتی ہے

انقلاب

انقلاب کسی سوسائٹی کی زندگی میں بنیادی اور غیر مقداری تبدیلی کا نام ہے۔ لیکن کہتے ہیں: "ہر انقلاب وسیع تر عوام کی زندگی میں بے پناہ اور فوری تبدیلی لاتا ہے۔ انقلاب کی نتجہ بندی کے لئے موجودہ معروضی حالات کا مساوی حالات کے باوجود ہونا ضروری ہے، معروضی حالات کا مطلب بالائے کمالات میں شدید بحران اور مظلوم عوام کے غیر معمولی مطالبات اور ان کی محرومی میں مسلسل اضافہ جیسے حالات ہیں جو عوام کو ایک خود مختار تاریخی اقدام کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔ عظیم لینن نے کہا تھا: "ان تمام معروضی حالات کو انقلابی صورتحال کا نام دیا جاسکتا ہے۔ سماجی انقلاب کے ساتھ ہی کسی معاشرے کی سماجی و اقتصادی بنیئت ترکیبی ایک اور سماجی و اقتصادی بنیئت ترکیبی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کسی معاشرے کی مخصوص سماجی، اقتصادی اور استحصالی ڈھلچے میں تبدیلی لامحالہ طور پر پیداواری صلاحیتوں کے ارتقاء کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن ایک سوشلسٹ انقلاب دراصل ایک سماجی اقتصادی اور استحصالی ڈھلچے سے ایک ایسے سماجی اور اقتصادی ڈھلچے میں تبدیلی

ہوتا ہے جہاں انسان کے باخسوں انسان کے استحصال کا وجود نہ ہو اسے سوشلزم کہا جاتا ہے سوشلسٹ انقلاب اس وقت تک ممکن نہیں ہوگا جب تک کہ انقلابی حالات نہ ہوں اور محنت کش طبقہ کی آئیڈیالوجی سے بہرہ ور پروتاری پارٹی شعوری طور پر جدوجہد نہ کرے۔ اس لئے سوشلسٹ انقلاب اپنے انقلابی رہنما کی زیر قیادت مزدور طبقے کا تاریخی مشن ہوتا ہے۔

ان مندرجہ بالا سائنٹفک اور فلسفیانہ حقائق کی روشنی میں اب ہم افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے تاریخی واقعات ماقبل از انقلاب و بعد از انقلاب کا جائزہ لیں گے اور سائنٹفک سوشلزم کے اصول و ضوابط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کو متاثر سکارڈوں کے سامنے مطالعہ و تجزیہ کے لئے پیش کریں گے۔ افغانستان کی تاریخ میں یہ بات مرقوم ہے کہ ہمارے بہادر عوام نے امپریلزم اور نوآبادیاتی نظام کے ظلم و تشدد کے خلاف قربانیوں سے بھرپور جدوجہد کی ہے جس پر ہمارے بہادر بچے فخر کر سکتے ہیں۔ افغانستان کے عوام نے یہ بہادرانہ جدوجہد جاری رکھی ہے اور بعض اوقات کھلے بندوں۔ بعض اوقات منظم جے کئے ہیں۔ بعض اوقات ایکا دکا خود رو ہڑتالوں کی صورت میں بعض اوقات باقاعدہ شکل میں جدوجہد کی ہے اور بعض اوقات بے قاعدہ طور پر، لیکن قربانی کے جذبے سے سرشار ہمارے عوام کی جدوجہد کسی ایسی پارٹی کی مرہون منت نہیں رہی جو کسی مخصوص طبقے کی نمائندگی کرتی ہو۔ حتیٰ کہ ۱۹۵۰ء کے بعد بھی یہ حالت تھی کہ پارٹی کا نقطہ نظر ان کی جدوجہد کی تاریخ میں کبھی حقیقی معنوں میں استعمال نہیں تھا۔ اس سلسلے میں ہمارے قائد جناب نور محمد ترقی کار دل سب سے زیادہ تھا۔ اس کا بہترین ثبوت ”انگار“ نامی جرمیدہ تھا۔ جس کی اشاعت کا بیڑہ ”ویش ظلمیان پارٹی“ WESH ZALMIYAN PARTY نے اٹھایا تھا اور جناب نور محمد ترقی اس میں فغان کر دار ادا کرتے تھے اور یوں ہی سیاست کا حقیقی منہمک اجاگر ہوا کیونکہ اس کے اندر فغان لوگوں اور حکمران طبقوں کی لیڈر شپ کے خلاف جدوجہد بڑھ رہی تھی اور ہمارے عوام جاگیر دار حکمرانوں کے جبر و تشدد سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر شعوری طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ان ہی دلوں سیاست نے رائے عامہ کو مختلف ملکی طبقات اور معیشت کے درمیان رابطے کے طور پر اپنی طرف متوجہ کیا جس کا سب سے زیادہ کردار کریدٹ ہمارے محبوب۔ قائد کو مایا ہے۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے خاتمے اور ساتویں دہائی کے آغاز پر جناب نور محمد ترقی نے افغان سوسائٹی کے مکمل ادراک اور محنت کش طبقہ کی آئیڈیالوجی پر گہرے عبور کے باعث کچھ اس طرح تخلیقی نظریے میں سماجی پہلوؤں کو متعارف کرایا کہ افغانستان میں جاگیر داری نہایت ہی حکومت کر رہی ہے اور بیاداری قوتوں کے انہلنے کے مقابلے میں محنت کش طبقے کی تعداد میں کمی کے پیش نظر ان خطوط پر سوچنا شروع کیا کہ محنت کش طبقے کی سائنٹفک تھیوری کے عمومی اصولوں کا اطلاقی ہماری سوسائٹی کے مخصوص حالات پر مناسب طور و فکر کے بعد کیا جائے۔ اس وقت جب کہ سرمایہ داری سے سوشلزم تک کے راستے میں محنت کش طبقے کا کردار مہم نواز بحث نہیں ہو سکتا تھا۔ کارڈ نور محمد ترقی مزدوروں کی پارٹی ”پیپلز ڈیموکریٹ پارٹی آف افغانستان“ کی بنیاد رکھی اور حقیقی معنوں میں سیاست کو پروان چڑھایا جس کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے تمام طبقات کے اتحاد کو مدنظر عام پر آیا۔ اگر ہم حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے سمجھیں تو ذرا مجھے تیرہ کسی کا ادراک

نیا بھرنے ان عوام کے لئے یذبہ محرک کی حیثیت رکھتا ہے جہاں غالباً افغانستان سے ملتے جلتے حالات ہیں۔ لیکنمہ نور محمد ترہ کیسی نے جان لیا تھا کہ جاگیر دارانہ ماحول میں استحصالی حکومت کے خلاف جدوجہد ملک کی درگزر پارٹی کے باعث ممکن ہے انہوں نے بادشاہت کے دوزان جاہلانہ حالات کے خلاف کچھ اس طرح رتو عمل اختیار کیا کہ انہوں نے محنت کش طبقے کی نئی طرح کی پارٹی کی پہلی کانگریس کے انعقاد کو ممکن بنا دیا۔ چنانچہ افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی پہلی کانگریس ان کی اپنی رہائش گاہ کہ ترہ چار پر جمادی دوم ۱۳۴۳ بمطابق یکم جنوری ۱۹۶۵ء کو منعقد ہوئی۔ اس کانگریس میں کامر بیک نور محمد ترہ کی کو متفقہ طور پر سنٹرل کمیٹی کا رکن چن لیا گیا اور سنٹرل کمیٹی کے پہلے اعلیٰ اختیاراتی اجلاس میں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا سیکرٹری جنرل چن لیا گیا۔ انہوں نے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے تمام ارکان کو آج تک اپنے فرائض کی بجائے اوس کے لئے متحرک رکھا ہے۔

ہمارے اسی کامر بیٹے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے نام کا تعین کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا جو پروتاریہ نوعیت کی پارٹی ہے کانگریس کی میٹنگ کے بعد نور محمد ترہ کی نے مندرجہ ذیل تعین نکات پر بار بار زور دیا۔

طبقاتی جدوجہد میں مزید شدت پیدا کرنا، محنت کش طبقے کی سائنٹیفک تھیوری کو مزید استعمال کرنا۔ اور محنت کش طبقے کی سائنٹیفک تھیوری کے فلسفیانہ حصے کو مقبول بنانے پر زور دینا، ہماری پارٹی کے کامیاب تجربات نے ہمارے رہنما کی طرف سے مندرجہ بالا تینوں نکات پر زور دینے کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ اصول افغانستان سے ملتے جلتے تمام ممالک کے حالات پر قابض اطلاق ہیں۔ ہماری پارٹی کی جدوجہد کے دوران ہم سب عوام کے رویے اور ہماری سوسائٹی کی تعبیر و تشکیل کا مطالعہ کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

نور محمد ترہ کی ہمیشہ تمام اہل ایمیز افغان معیاروں کو یکساں کرتے۔ وہ جب تک قائل نہ ہو جائیں کوئی حکم صادر نہیں کرتے تھے۔ مزید برآں انہوں نے نادار خاندان ظالم بادشاہت کے سماجی نوعیت اور طبقے کی تشجیس پر بہت زیادہ توجہ دی اور اس کی نفرت کی سپیان کرنے پر مکمل طور پر عبور حاصل کیا۔ انہوں نے ریاست کے تمام کلاسیک تجزیوں پر غور و فکر کیا۔ انہوں نے خصوصی طور پر ریاستی قیادت کے امپیریلزم اور رجعت پسندی کے ساتھ رشتے پر توجہ دی۔ چونکہ وہ پورے افغانستان میں طبقاتی جدوجہد کو تیز کرنے پر پوری توجہ دے رہے تھے اس لئے انہوں نے پارٹی کے اندر طبقاتی نوعیت اور سماجی تعلقات کے اظہار پر نظر رکھی اور انہوں نے پارٹی کے لئے ایسے حالات پیدا نہ کئے کہ وہ حکمران لوگوں کی مذمت کر سکے۔ اگرچہ ظالم ریاست نے ملک کی پروتاریہ تحریک کی قیادت درباریوں کے چہیتے لوگوں کے ہاتھوں میں دینے کی ناکام کوشش کی، لیکن نور محمد ترہ کی نے عوام پر مکمل اعتماد کی اور محنت کشوں کے فرزندوں کے بے پناہ عملا جیتوں کے باعث جاگیر شاہی ریاست کی قیادت کو یہ موقع ہم نہ پہنچا یا کہ اس سلسلے میں ان کی کوششیں پائے تک نہیں سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حقیقی کامریڈوں کے ذہن میں ہمیشہ طبقاتی نظریات سموتے رہے اور

قابل فخر و رکون کے ذریعے طبقاتی جدوجہد کو مزید تیز کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے عظیم کامریڈ نے انقلابی طبقہ جدوجہد میں پارٹی کے ہراول کی قدر و قیمت اور اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا۔ انہوں نے پارٹی کے ہر اکو عوام انسان کی خود رو و تحریک تک محدود نہ کیا۔ انہیں یقین تھا کہ پارٹی کی مخصوص طبقاتی جدوجہد کی مدد افغانستان کے محنت کش عوام کی حمایت حاصل کی جاسکتی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ ملک میں خود رو و تحریک رہی ہے۔ اس لئے اگر پارٹی قیادت کرنے کے لئے انقلابی حالات کا انتظار کرتی رہی، تو انقلاب پیچھے چلا جا وہ اکثر یہ تجربہ کر لیا کرتے تھے کہ جب بھی کسی محنت کش کے ہاں بکے پیدا ہوں تو اس کے کانوں میں طبقاتی جدوجہد مدھم آواز سنائی دلائے۔ ہمارے ممتاز کامریڈ نے قابل فخر پارٹی کی جدوجہد کے آغاز سے پارٹی کی قیادت کرتے ہوئے محنت کش طبقے کی پروتاریہ و ڈکٹیٹر شپ کے لئے جدوجہد پر زور دیا۔ ہماری سوسائٹی کے موجودہ پرہیزگار توجہ دیتے ہوئے وہ جمہوری تحریک کی قیادت غیر پروتاریہ طبقات یا حصوں کے ہاتھوں میں دینے پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس کے برعکس انہیں محنت کش طبقہ کی لیڈر شپ میں دلچسپی تھی، جس کی نمائندہ افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کرتی تھی۔

وہ محنت کش طبقے کی پارٹی پر اعتماد پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ میں آپ تمام کامریڈوں اور مجاہد دوستوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف دلاتا ہوں کہ محنت کش طبقے کی تمام تر جدوجہد میں مزدوروں کی پارٹی کو انقلابی تحریک کی راہنمائی کرتی ہے۔ لیکن ہمارے عظیم انقلابی کامریڈ انقلابی اصولوں کی روشنی میں عوام خود رو و تحریک کے اس انقلابی مرحلے تک انتظار کرنے میں یقین نہیں رکھتے تھے کہ اس وقت پارٹی کے طرہ قیادت کرے، اس کے برعکس انہیں پختہ یقین تھا کہ پارٹی کو عوام کی غلی اور فعال حمایت حاصل کرنے کیلئے جدوجہد پارٹی انقلاب کا آغاز کرے تو عوام بھی اس پر اعتماد کریں گے اور اس صورت میں یہ انقلاب بیا کرے گا تو عوام اس کی حمایت اور دفاع میں حصہ لیں گے۔ ہمارے عظیم قائد کا یہ نظریہ تو انقلاب میں بھی صحیح ثابت ہوا اور اس جدوجہد کے اصول پر چلنے سے دیگر تمام ملکوں کے عوام کی فتح کے لئے بھی ایک واضح ثبوت مل سکتا ہے۔ جہاں افغانستان سے ملنے جلتے حالات ہوں۔ امپریزم اور رجعت پسندوں نے غلطی تحریک کو کچھ اس انداز سے منسوخ کرنے کی کوششیں کیں کہ ایک طویل عرصے تک انسان کے ہاتھوں انسان کے استعمال سے پاک حکومت راستہ ناممکن بنا دیا جائے۔ لیکن پارٹی کے انقلابی نقطہ نظر کی قوت نے جسے عوام کی بے پناہ حمایت حاصل تھی۔ اصول کو عملی جامہ پہنا دیا کہ پارٹی انقلاب کی کامیابی کے لئے وسیع تر عوام کی حمایت حاصل کر سکتی ہے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس نونے کو اپنایا جائے گا کیونکہ افغانستان جیسے حالات رکھنے والے ممالک میں اس کی صداقت پائی ہوئی ہے۔ افغانستان کے عوام کی سماجی زندگی میں ہمارے دفت نے اقتدار کا بنیادی نمونہ سپان کیا تھا جو ایک جاہل ریاست کا تختہ الٹ سکتا تھا۔ قبل ازیں تمام ممالک میں محنت کش طبقے کی انقلابی قوت پروتاریہ ہوا کرتے تھے اور آج بھی یہی حالات ہیں۔ پروتاریہ انقلابی جدوجہد کو اس طرح امت میں لایا جاتا تھا تاکہ پروتاریہ کی توسیع کے لئے حالات سازگار بنائے جائیں۔ اس عمل کو اس انداز کے ساتھ ائے تر جیبا جاسکتا ہے کہ پروتاریہ طبقاتی شعور کے ذریعے پروتاریہ انقلاب کی فتح حاصل کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسٹا جائے اور

سلج افواج کو ملیا میٹ کر کے از سر نو تعمیر کیا جائے۔ لیکن ہم نے یہ جان لیا تھا کہ افغانستان کی ترقی پذیر سوسائٹی میں پروتاری انقلاب فوج کو محنت کش طبقے کی سائنٹیفک آئیڈیالوجی سے ذریعہ ذہنی طور پر تیار کر کے اور محنت کش طبقہ کے ساتھ اس کی نئی طرح کی تنظیم کر کے بپا کیا جاسکتا ہے جس میں فوج جابر و ظالم ریاست کا تختہ الٹنے کا بنیادی رول ادا کرے اور پروتاریہ اس کی امداد کریں۔

فوج کو شکست نہیں دینی چاہیے۔ لیکن اس کو خلقی اور انقلابی بنانا چاہیے۔ ہم نے یہی کیا اور اسی طرح پارٹی کی راہنمائی کی جس کی کہ ہمیں عظیم ثور انقلاب میں فتح ہوئی۔ ہم نے افغانستان سے ملتے جلتے حالات رکھنے والے معاشروں میں انقلابات بپا کر کے موجودہ حالات پر خصوصی توجہ دی انہیں یہ معلوم ہو کہ پروتاریہ تحریک کو جلد از جلد طاقتور بنانے کے لئے سب سے زیادہ بنیادی عناصر میں ایک یہ تھا کہ پارٹی سیاسی اور سماجی معاملات میں ایمان داری سے کام لیتی تھی اور لیڈر شپ کے ارکان کی پاک بازی شکر و شہرہ سے بالاتر تھی۔

ہمارے ممتاز رفعتاء کو افغانستان میں موجودہ سماجی حالات کا بھرپور ادراک تھا اور انہیں یقین تھا کہ ترقی پذیر ممالک کے موجودہ حالات میں عوام کا عدم اطمینان ان کے ناقابل چیلنج رویے میں پوشیدہ ہے اور یہ کہ محنت کش طبقے کی نئی طرز کی پارٹی عوام کی جمہوری اتداری اور مثبت ردابات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عوام کی مکمل حمایت کر سکتی ہے۔ ہمارے مکمل طور پر یہ جان لیا تھا کہ افغانستان کی طرح ترقی پذیر ممالک میں جو

ابھی تک سرمایہ دارانہ نظام کے اہمیر مایسٹ مرحلے میں داخل نہیں ہوئے۔ پروتاریہ حکومت کے قیام کیلئے حالات خصوصی کر دار کے حامل ہیں۔ بالخصوص اس حقیقت کو تسلیم کیا جانا چاہیے کہ ایک پروتاریہ ریاست جو ایک جاگیر دارانہ سوسائٹی میں نئی طرح کی مزدور پارٹی کے ذریعے قائم کی جاتی ہے۔ وہ ایک ایسی ریاست ہوتی ہے جو جاگیر داری سے سوشلزم کی طرف جانے کا عبوری درجہ رکھتی ہے نہ کہ سرمایہ داری سے سوشلزم کی طرف۔ یوں مذکورہ سوسائٹی بیک وقت تاریخی کسے دو مرحلوں کو سمجھے چھوڑ جاتی ہے اور ہماری خلقی ریاست اس طرح پروتاریہ حکومت کی بہترین اور اولین مثال ہے۔ کامریڈ نور محمد ترہکی کا ایک اور تخلیقی پہلو یہ تھا کہ وہ پارٹی کے مجاہد ارکان کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے اور ان کے کام کی رفتار کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے بارے میں اچھا رویہ رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی تخریبی رویہ اختیار نہ کیا اور ہمیشہ تعمیری سرگرمیوں کے امکان کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ وہ ہمیشہ انقلابی سرگرمیوں پر پوری توجہ دیتے تھے اور نوجوانوں کی تربیت پر زور دیتے تھے۔ وہ ہر آدمی کی طبقاتی فطرت پر گہری نظر رکھتے تھے اور افغانستان جیسے ممالک میں ان کے سماجی تعلقات کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ پارٹی کی کارروائیوں میں نظریہ پرست نہیں تھے۔ وہ پارٹی کی سرگرمیوں کا راستہ موجودہ حالات کی روشنی میں متین کیا کرتے تھے۔ یوں پارٹی نور انقلاب میں فتح مند ہوئی اسلئے آج ہماری پارٹی کو اپنے عظیم قائد کی ایڈر شپ کا اعزاز حاصل ہے۔ کامریڈ نور محمد ترہکی ہمیشہ جدوجہد کی مختلف شکلوں کو مد نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے پارٹی میں کسی اطاعت پسندی کے روز افزوں رویے کے امکان کا راستہ کھلا نہ چھوڑا۔ وہ ہمیشہ پارٹی میں انتہا پسندی کی ہر شکل

کو کٹر دل کیا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ مسائل کو جذباتی انداز میں دیکھا کرتے تھے۔ وہ انقلاب بپا کرنے کے لئے گوریلہ طرز جنگ کے ساتھ افغان نہیں کرنے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات افغانستان جیسے حالات رکھنے والے ممالک میں نئی طرز کی پارٹی کے نظریوں کے خلاف تھے۔

وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ سیاہ فام جماعت پسندوں کی امپریلزم کے ساتھ استحکام کی تاریخ مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے گوریلہ طرز جنگ میں (پولٹیکل پاور) سیاسی قوت نہیں راستے میں ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ سرگزشت طلب نہیں کہ وہ صرف پراسن جہد میں ہی یقین رکھتے تھے۔ لیکن وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ پارٹی کو اس انداز میں تیار ہو جانا چاہیے کہ انقلاب دق و مارے بپا ہو اور فتح حاصل کرے۔ سیاسی اقتدار براہ راست طور پر بدلتا رہے کی مانند افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے ہاتھوں میں منتقل ہو جو ملک میں مزدوروں کا ہر اول دستہ ہے چنانچہ شور انقلاب کے درمیان ہی واقعہ رونما ہوا۔

درباریوں اور احرار و شرفاء کے جیتے لوگوں نے پارٹی کے اندر نور محمد نرسنگی کی اس پالیسی کی مخالفت کی، بادشاہت کی مکمل حمایت کے بل بوتے پر وہ پارٹی سے الگ ہو گئے اور ہمارے عظیم قائد اور قابل فخر پارٹی کے خلاف سخت جہد و جدوجہد شروع کر دی۔ لیکن چونکہ ان کا تجزیہ افغانستان میں حالات رکھنے والے ممالک کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ تھا۔ اسلئے نادر اور داؤد کے درباریوں کے بیٹوں کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ بادشاہت اور سامراجیت نے متحد ہو کر کئی ایک بار عوامی جمہوری پارٹی کو کمزور بنانے کی خاطر اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ معدود تہذیبی عناصر کو ہمارے عظیم قائد کی طرف سے الگ کر دے تاہم ہر موقع پر جب کبھی ایسے لوگوں نے ہماری پارٹی چھوڑنے کا ارادہ کیا، تو افغانستان کے عوام میں ہمارے قائد کی مقبولیت اور بڑھ گئی اور اس کی صفوں میں توسیع ہوئی۔ ہمارے عظیم قائد نے اپنی سوسائٹی کے مکمل شعور سے بہرہ ور ہونے کے باعث تمام ارکان پارٹی اور تنظیموں کو ہر مرحلے پر کامیاب و رہنمائی ہم پہنچائی۔ کئی ایک موقعوں پر انہوں نے ظاہر داؤد حکومتوں کے نشانوں سے پارٹی کو دشمنوں کی خواہشات کے برعکس بچایا اور ایک موقع ایسا آیا کہ ہماری پارٹی کا رد ملخ افواج میں اتنا مضبوط ہو گیا کہ وہ داؤد حکومت کا خاتمہ کرنے کے قابل ہو گئی تھی۔ ہمارے محبوب قائد ملک کے مزدور طبقے کی ہر اول دستہ عوامی جمہوری پارٹی کے مستحکم ڈسپلین میں گہری دلچسپی لیتے تھے اور جمہوری مرکزیت کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ ہمارے قابل احترام کامریڈ بذات خود عوام میں مقبولیت اور کشش کا باعث بھی تھے اور پارٹی کے ارکان کے درمیان استحکام کی علامت تھے، جیسا کہ مایا کونسکی نے وی آئی لینن کے بارے میں کہا تھا، لینن اور پارٹی جسم اور روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا روح اور جسم کو ایک دوسرے سے جدا کیا جاسکتا ہے۔ جب ہم پارٹی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم لینن کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ یہ تقریبی جملہ کیونسل پارٹی آف سوویت یونین کی انتہائی مرکزیت کو ثابت کرتی ہے جو اپنے عظیم قائد کی ذات میں مجمع نظر آتی ہے۔ جس کے طاقتور ڈسپلین کے باعث انقلاب اکتوبر کامیابی سے ہنگامہ ہوا اور اپنے ثمرات کا دفاع کیا۔ ہم بھی اپنے عظیم قائد کے پیچھے مقلد ہونے کی حیثیت سے ہمارے عظیم شور انقلاب کی فتح اور اس کے نتائج دماغ کرنے میں ہمیشہ متحد رہیں گے اور اپنے قابل احترام قائد کے گرد جمع رہیں گے اور پارٹی ڈسپلین

کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں۔

”پارٹی اور ترقی کی جسم اور روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا جسم کو روح سے جدا کیا جاسکتا ہے؟

جب ہم پارٹی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم تمہ کئی کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ جب ہم

تمہ کئی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم پارٹی کے بارے میں بات کرتے ہیں۔“

یہ کہ ایک دنیا بھر کے پردتاریہ کا عظیم قائد ہے اور یہ افغانستان کے محنت کش عوام کا عظیم قائد ہے۔

دو یوں قائدین نے دو عظیم پردتاریہ انقلابات کی راہنمائی کی جو انسانیت کی تاریخ میں پہلے پردتاریہ انقلاب

تھے اور اپنی فتح کے بعد سیاسی اقتدار مزدوروں کے ہاتھوں میں منتقل کر دیا۔ ایک کا نام عظیم سوشلسٹ اکتوبر

انقلاب تھا اور دوسرے کا نام عظیم خاچی ٹور انقلاب تھا۔ عظیم اکتوبر انقلاب نے دنیا بھر میں پہلی مچا دی لیکن

عظیم ٹور انقلاب نے ایشیا کے اس خطے میں شہ کاہد بپا کر دیا ہے، اکتوبر انقلاب کے بعد دنیا کی چودہ سامراجی

اور رجعت پسند حکومتوں نے مل کر اکتوبر انقلاب کی سرزمین پر اپنی فوجیں اتار دی تھیں۔ لیکن آج بھی بڑی سامراجی

طاقتیں، وائیں اور بائیں بازو کے انتہا پسندوں نے متحد ہو کر ٹور انقلاب کے خلاف سازشیں شروع کر دی ہیں

انہوں نے سوویت یونین میں انقلاب اکتوبر کے خلاف مسلح مداخلت کی تھی، کیونکہ سوویت یونین کا اس وقت اپنی

طرح کا کوئی دوست نہیں تھا اور اس کے ہمسائے میں کوئی سوشلسٹ حکومت نہیں تھی۔ لیکن آج

ٹور انقلاب کی سرزمین پر کسی جارح کی طرف سے اس قسم کی فوجی مداخلت ناممکن ہے۔ کیونکہ گذشتہ ساٹھ

برس سے سوویتوں کے بڑے ملک سے اس کی دوستی قائم ہے اور اسے پردتاریہ حکومتوں، تمام تر دنیا کے

مزدوروں اور محنت کشوں کی حمایت حاصل ہے۔

عظیم اکتوبر انقلاب کو دنیا بھر کے مزدوروں کی حمایت حاصل ہے اور یہ بین الاقوامی پردتاریہ اور

عالمی محنت کش تحریک کے لئے کامیاب ترین جذبہ محرک ہے۔ اس خطے کے محنت کش ٹور انقلاب کو سرحدوں کے

امتیاز کے بغیر حمایت کرتے ہیں۔ وہ اپنے ہمسایہ کے سماجی و اقتصادی نظام کو بد نظر رکھتے ہوئے اور فتح یاب

ٹور انقلاب کے اصولوں کو درست سمجھتے ہوئے اور طبقاتی اخوت و بھائی چارے کے احساس سے سزشا رہ کر

اس کا دفاع کرتے ہیں۔

سوشلسٹ ملک کے عظیم لیڈر نے جہاں اکتوبر انقلاب رونما ہوا تھا۔ پہلی دفعہ اس کا اعلان کیا اور

داخلی و خارجی پالیسی کے درمیان منطقی رابطے کو اجاگر کیا۔ ٹور انقلاب کے عظیم قائد نے بھی افغانستان اور

سوویت یونین کے درمیان دوستی اور ہمسائیگی کے معاہدے پر دستخط کیے کے سوا سے زائد غیر ملکی سفارتی نمائندوں

کے سامنے یہ اعلان کیا کہ آج ہم نے ایک ایسے معاہدے پر دستخط کیے ہیں جس کا مقصد کسی اور ملک پر جارحیت

کا مرتکب ہونا ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کا واحد مقصد عالمی امن کا دفاع کرنا ہے۔ صرف اس کے دس ہی اس

پر آئندہ رہے ہیں۔ یوں عوامی جمہوریہ افغانستان کی خارجہ پالیسی اس کی اندرون ملک داخلی پالیسی کے

سلسلے کی ایک کڑی ہے جو دوسرے ہمسایہ کے اندرون معاملات میں کسی قسم کی جارحیت یا مداخلت کی بھرپور

مخالفت کرتی ہے۔ سوویت یونین کے ساتھ ہماری گہری دوستی اور ہمسائیگی ہے جو ہماری خود مختاری و آزادی

کے احترام اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں پر مبنی ہے اور ہمارا باہمی اعتماد اس طرح برسرِ کِ زناقت کا نتیجہ ہے۔ افغانستان کے محنت کش عوام بھارت کے عوام کے ساتھ بہت دیر سے دوستانہ وابستگی رکھتے ہیں اور ان کی ترقی کے لئے مخلصانہ تمنائیں رکھتے ہیں۔ ہم اس بات میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں کہ پاکستان کے ساتھ صرف پختون اور بلوچوں کے قومی شے پر سیاسی اختلاف کو دوستانہ اور آبرو مند انداز بات چیت کے ذریعہ دونوں ممالک کے برادر عوام کے مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے مثبت نتیجے کے ساتھ حل کیا جائے تاکہ علاقائی اور عالمی امن کو قائم رہ سکے، ہمارے بہادر اور محنت کش ایرانی بھائیوں نے افغانستان کے تمام تر محنت کش عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے اور ہمیں بین الاقوامی سامراج اور رجعت پسندوں کی ایران کے محنت کش عوام کے اندرونی معاملات میں مداخلت پر گہری تشویش ہے۔ ہم ان نبرد آزما عوام کے اتحاد و استحکام اور فتح و کامرانی کے متنبی ہیں۔ کامیاب ثور انقلاب اور ہماری خلقی ریاست خود بخود اس خطے اور دنیا بھر کے مزدوروں، کسانوں اور محنت کش عوام کی حمایت و تعاون سے فیض یاب ہو رہے ہیں ہم ایک لمحے کے لئے بھی ان کی تاریخی جدوجہد کو فراموش نہیں کر سکتے لیکن ہمارے خطے کی جدوجہد آزادی کو اور بھی تیز کرنے کا سب سے زیادہ اعزاز خود ان کے لئے بھی باعث افتخار ہے۔ عظیم ثور انقلاب ان کے لئے ایک بہترین مثال ہے اور ان کے ساتھ ہم طبقاتی جذبات اور اخوت کا احساس رکھتے ہیں۔ اس خطے کے محنت کش عوام کے حکمرانوں اور استعماری لوگوں کو یہ بات جاننی چاہیے کہ ثور انقلاب کی فتح و کامرانی ہمارے لئے اور اس خطے کے محنت کش عوام کی مضبوطی خود ان کے لئے باعث صدا افتخار ہے جس پر ہم بھی نازاں ہیں۔ یہ سب حقائق تمام تر عوام دشمنوں کے لئے گہری تشویش کا سبب ہیں۔ چاہے وہ نام نہاد مسلمان ہوں یا شہزادہ کے فرزند ہوں۔ یہ جرمیوں اور درباریوں کے نوکرچشم ہوں، سامراج کے نوکر ہوں یا خواہشوں کے اسیرائیں بازو کے انتہا پسند ہوں نا عاقبت اندیش نیشنلسٹ ہوں یا فاشزم کی طرف مائل شادلسٹ ہوں۔ یہ تمام امپریلزم اور رجعت پسندی کے زیر سایہ بیٹھ کر ہماری خلقی ریاست کے خلاف پُر فریب پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ وہ محمد ہو کر یک طرفہ پروپیگنڈہ کر رہے اور جھوٹے الزام لگانے میں لگے ہوئے ہیں۔

ابک دفعہ پھر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہماری خلقی ریاست افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی سینیسیٹو اور ثور انقلاب کے اعلیٰ مفاد کے مطابق عوام کی خدمت کر رہی ہے اور اسے ان کی مکمل حمایت حاصل ہے اگر ہمارے دشمنوں میں حب الوطنی کا فساد بھی شامل ہے یا پھر ان میں انسانی خمیر کی کوئی معمولی سی برقی جلی ہے تو انہیں تنقید کرنی چاہیے اور ہمارے کردار میں خامیوں کی نشاندہی کرنی چاہیے۔ چاہے وہ ہمارے اقوال پر ہوں یا ہمارے منصوبوں پر۔ اگر ان میں انسانی یا اخلاقی جرأت ہو تو وہ کبھی عوام کو جعل سازی کے ذریعے ہمارے خلاف دھوکہ کی حکمت عملی کا منصوبہ تیار نہ کرتے، وہ عوام کے سامنے جھوٹ ہرگز نہ بولتے اور ہمیں مورد الزام نہ ٹھہراتے۔ ہم افغانستان میں موجود تمام عزیزوں، ثور انقلاب اور خلقی ریاست ریاست کے تمام دوستوں اور دشمنوں کو یہ اعلان پہنچانے پیش کرتے ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر ہمارے اقوال و اعمال میں نقائص اور خامیوں کی نشاندہی کریں۔ ہم عوام کی آگہی پر اعتماد کرتے ہیں، نہ کہ انہیں بے وقوف بنانے اور گمراہ کرنے میں۔ ہمیں امید ہے کہ

ہے عوام اپنی منزل مقصود سے زیادہ آگاہ ہوں گے اور اپنے لقب العین کی طرف واضح اور درست ردل
 ی رکھیں گے۔ یہ صرف نام نہاد مسلمان ہی ہیں جو پاک اسلامی مذہب پر بھی ایمان نہیں رکھتے حالانکہ وہ اس
 دعویدار ہیں۔ وہ اس کے اعلیٰ دار فاع مقاصد کی مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے محنت کش عوام کے دشمنوں کی
 مات سر انجام دیتے ہیں۔ ہمارے عوام آج کل اپنے ملک، ماحول، زمین اور آسمان کے مالک ہیں۔ الغرض جو
 ہمارے افغانستان میں موجود ہے وہ ہمارے محنت کش عوام کا اپنا ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں:-

افغانستان کے بہادر عوام زندہ باد !

افغانستان کے عظیم قائد زندہ باد !

افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی فتح ہو۔

دنیا بھر میں امن، جمہوریت اور سماجی ترقی کی فتح ہو۔

افغانستان میں سردار داؤد خان کی حکومت کے خاتمہ اور قومی جمہوری اقتدار کے قیام کو دو مہینے ہو چکے ہیں۔ اس دوران نئے ریاستی اقتدار کو نواصر مستحکم کر لیا گیا ہے اور متعدد اہم جمہوری اور سماجی اقدام کا اعلان کیا گیا ہے۔ شاہی خاندان کی ملکیت ضبط کر لی گئی ہے۔ سیکوریٹی سٹریٹیجی میں سے نادر شاہی عوام دشمن عناصر کی قتل و کشتار کی تیزی سے شروع کر دیا گیا ہے۔ پرائمری سطح پر تعلیم مفت اور لازمی قرار دی گئی ہے جبکہ باقی سطحوں پر تعلیم صرف مفت کر دی گئی ہے۔ مفت علاج معالجہ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ بعض بنیادی ضرورت کی اشیاء کی قیمت میں کمی کر دی گئی ہے اور باقی اشیاء کی قیمتوں کو بڑھانے سے روک دیا گیا ہے۔ صدر نور محمد زکریا نے ایک نشریہ منتشر کر میں تیس نکاتی پروگرام کا اعلان کیا ہے۔ جس سے افغانستان کے انقلاب کے قومی جمہوری کردار کی ترجمانی ہوتی ہے۔

پوری دنیا کی نظر میں اس وقت افغانستان پر مرکوز ہیں۔ افغانستان کی حکومت اور افغان عوام اپنے ملک میں انقلابی تعمیر نو کرنے میں کسی حد تک اور کتنا جلدی کامیاب ہوتے ہیں۔ اس کا اثر اس خطہ، عالم اسلام اور نیسری دنیا پر ہوگا۔ چنانچہ افغان انقلاب کے کردار، اس کی حکمت عملی، اس کے محرکات اور نتائج پر سنجیدہ بحث کا آغاز ہو گیا ہے اور یہ بحث کافی عرصہ تک جاری رہے گی۔

افغان انقلاب کے سلسلہ میں جو سیما سے اہم سوال اٹھایا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ سردار داؤد کے اقتدار کے خاتمہ اور جمہوری خلق پارٹی کی قیادت میں انقلابی کاؤنسل کے برسر اقتدار آنے کو "انقلاب" کا نام دیا جاسکتا ہے؟ کیا فوج کے بعض انقلابی خیالات رکھنے والے افسروں اور جوانوں کی کامیاب مسلح بغاوت کو "انقلاب" کا درجہ دیا جاسکتا ہے؟ کیا عوام کی ہمد گیر اور طویل لڑائی کے بغیر بھی کوئی انقلاب ہو سکتا ہے؟ یہ سوالات بہت اہم اور بنیادی ہیں اور ان کا اطمینان بخش جواب فراہم کرنا پیچیدہ اور مشکل ہے چنانچہ سب سے پہلے "انقلاب" کے متعلق بعض مفروضوں کا تنقیدی جائزہ لے لیا جائے اور "انقلاب" کی ٹھوس تعریف متعین کر لی جائے تو پھر مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

انقلاب کے بارے میں ایک مفروضہ یہ ہے کہ یہ ایک ڈرامائی واقعہ ہے۔ درحقیقت انقلاب کسی ایک واقعہ کو نہیں کہتے بلکہ یہ ایک مسلسل عمل (PROCESS) ہے جس کے ذریعہ پرانے سماجی رشتوں کو توڑ کر ان کی جگہ نئے سماجی رشتے قائم کئے جاتے ہیں۔ ایک سماجی انقلاب میں بنیادی تبدیلی طریق پیداوار اور پیداوار رشتوں میں لائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی، ثقافتی اور اخلاقی بالائے ڈھانچہ میں بھی بنیادی تبدیلیاں برپا کی جاتی ہیں۔ لیکن تاریخ میں ایسی تبدیلیاں ایک طویل اور حسرت ارتقا کی عمل کے ذریعہ ہی عمل میں آتی ہیں۔ اس لئے ایک پیداواری نظام کی جگہ دوسرے پیداواری نظام کا ظہور پذیر ہونا

بذات خود انقلاب نہیں ہے۔ تیز رفتاری انقلابی تبدیلی کا بنیادی عنصر ہے۔ لیکن انقلاب سے مراد محض تیزی اور تشدد نہیں ہے۔ چونکہ معاشرے کے معاشی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی اداروں، رشتوں اور اقدار میں تغیر اور بنیادی تبدیلی عوام کی ہمہ گیر شرکت کے بغیر نہیں لائی جاسکتی۔ اس لئے واضح ہے کہ عوامی کی وسیع شرکت کے بغیر انقلاب نہیں ہو سکتا۔

کسی بھی ملک میں سماجی انقلاب لانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ ریاستی اقتدار پر قبضہ کیا جاتے، پرانے ریاستی ڈھانچے کو تھس تھس کر کے ایک نیا ریاستی ڈھانچہ قائم کیا جائے جو سماج میں انقلابی تبدیلیاں لانے کا آلہ کار بنے۔ اس لئے عام طور پر سماجی انقلاب کی خاطر سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنے کے عمل کو بھی انقلاب کہا جاتا ہے۔ اس محدود معنی میں بھی سیاسی اقتدار میں تبدیلی کو انقلاب اس وقت کہا جاسکتا ہے جب رابر سر اقتدار آنے والی قوت واضح طور پر سماج کے ایسے طبقہ یا طبقوں کی نمائندگی کرتی ہو، جن کے اپنے مفاد میں بنیادی سماجی تبدیلیاں لانا ہو، سیاسی ہراول دستہ انقلابی نظریہ سے لیس ہو اور ایک انقلابی سیاسی و معاشی پروگرام رکھتا ہو، وہ اپنی گذشتہ جدوجہد کے ذریعہ انقلاب کے ساتھ اپنی وفاداری کا عملی ثبوت دے چکا ہو۔ چنانچہ جب وہ اقتدار میں آئے تو یہ بات ہر کسی پر واضح ہو جائے کہ یہ محض محلاتی سازش یا کودتا نہیں ہے بلکہ ایک انقلاب ہے۔

چنانچہ اقتدار پر قبضہ کرنے والی قوت کے کردار سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ روٹا ہونے والی تبدیلی انقلاب ہے یا محض پرانی شراب نئی بوتل میں۔

”انقلاب“ کے متعلق ایک اور بات بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ کسی بھی سماجی تبدیلی کو زبانی مکالمات کی نسبت سے انقلابی یا غیر انقلابی قرار دیا جاتا ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپ میں فیوڈل نظام کے خاتمہ اور تیزی سے سرمایہ دارانہ طریق پیداوار اور بورژوا جمہوری اداروں کے قیام کی نوعیت انقلابی تھی۔ لیکن آج کے دور میں سرمایہ داری ایک انتہائی رجعتی نظام ہے۔ اسی طرح موجودہ دور میں دنیا کے مختلف ممالک کے درمیان پیداواری اور تکنیکی غیر ہماری کے پیش نظر مختلف ملکوں کے انقلابی معروضات مختلف ہیں۔ امریکہ، یورپ، جاپان وغیرہ میں صرف سوشل تبدیلی ہی انقلابی نوعیت کی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس تیسری دنیا کے وہ پس ماندہ ممالک جو نوآبادیاتی یا جدید نوآبادیاتی تسلط اور لوٹ کا شکار ہیں، ان ممالک کی تاریخی ضرورت تو یہ ہے۔

(NATIONAL LIBERATION) اور قومی جمہوری انقلاب ہے۔ چونکہ اس دور میں سماجی انقلاب بغیر حقیقی قومی آزادی حاصل کرنا اور برقرار رکھنا ناممکن ہے۔ اس لئے تیسری دنیا میں حقیقی قومی آزادی ہی نئے انقلابی عمل کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ قومی جمہوری انقلاب کی بنیادی خصوصیات مندرجہ ذیل ہوتی ہیں۔

۱، نوآبادیت، جدید نوآبادیت اور سامراجیت سے مکمل سیاسی آزادی اور قومی خود مختاری کی بحالی۔

۲، ملک کے اندر سامراج کے گماشتوں کے اقتدار کا خاتمہ اور عوامی جمہوری طبقوں کے راج کا قیام۔

۳، عالمی سامراج معاشی نظام سے قطع تعلقی اور ایک آزاد قومی معیشت کا نفاذ۔

۴، گماشتہ سرمایہ داری، جاگیر داری، ماقبل جاگیر دارانہ رشتوں اور نوجی و سولی نوکر شاہی کی غیر موجودگی۔

طفیل معیشت کا خاتمہ۔

۵) قومی عوامی پیداواری قوتوں کی آزادی اور ان کے ذریعہ عوام کے مفاد میں تیز معاشی ترقی۔

۶) سامراجی اور رواجی رجحانی ثقافت کی جگہ نئی عوامی جمہوری ثقافت کی نشوونما۔

۷) انقلابی ہراول پارٹی کی قیادت میں سوشلزم کی طرف اگے بڑھنے کے لئے واضح راہ تعین اور اس راہ پر شعور اور لگن کے ساتھ سفر۔

انقلاب کا طریقہ کار

بعض سیاسی حلقوں میں انقلاب کو صرف اقتدار پر قبضہ کرنے کے طریقہ کار سے عبارت سمجھا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ تیسری دنیا میں انقلاب صرف ملوین گولڈ جگ کے ذریعہ ہی آ سکتا ہے اور اگر کسی اور طریقہ سے طاقت پر قبضہ کر لیا جائے تو وہ انقلاب نہیں ہوگا۔ یہ سوچ انتہائی سادہ اور شبہی ہے۔ اقتدار حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ نہیں ہے۔ درحقیقت ہر انقلاب میں ایک وقت ایک سے زیادہ طریقے ہائے کار استعمال کئے جاتے ہیں جن میں سے ایک کو دوسرے طریقوں کی برعکسیت زیادہ نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ روس کے بالیشوک انقلاب میں مسلح بغاوت (ARMED INSURRECTION) کو ہی بنیادی اہمیت دی گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ پارلیمانی تکرار، کئی کچوں میں ایچی ٹیشن اور دیگر ضمنی طریقے بھی استعمال کئے گئے تھے۔ مزدوروں کی بین الاقوامی تنظیم کو ممبران نے بھی مسلح بغاوت کی تکنیک پر بہت زیادہ زور دیا تھا اور اس موضوع پر ایک فائدہ (MANUAL) بھی شائع کیا تھا۔ لیکن چین اورویت نام نے اپنے تجربے سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے حالات میں سب سے مؤثر طریقہ کسانوں کی طاقت کی بنیاد پر پہلے دیہی علاقوں کو آزاد کر دے اور پھر شہروں کا محاصرہ کر کے اقتدار پر قبضہ کرنا ہے۔ ان دو ملکوں کے علاوہ کیوبا میں بھی کسان فوج کے ذریعہ گولڈ جگ کی تکنیک پر عمل کرتے ہوئے پہلے دیہی علاقوں کو اور بعد میں شہروں کو آزاد کر دیا گیا۔ لیکن ان تینوں ملکوں میں مسلح جدوجہد کے ساتھ ساتھ متعدد دوسرے طریقے بھی اختیار کئے گئے اور یہ واضح کر دیا گیا کہ مسلح جدوجہد، سیاسی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔ اس سے انک کوئی چیز نہیں جہاں تک گولڈ جگ کی حکمت عملی یا تدبیروں کا سوال ہے تو گولڈ جگ کی تدبیریں انتہائی فلسفہ سے بہت پرانی ہیں اور انہیں مختلف قبائل، مذہبی گروہوں، طبقات اور قوموں نے مختلف نظریات کے تحت مختلف مقامات کے لئے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ گولڈ جگ اور انقلاب لازم و ملزوم نہیں ہیں۔

چونکہ ہر انقلابی جدوجہد ایک سیاسی جدوجہد ہے، اس لئے مسلح جدوجہد کا مقصد سیاسی طاقت کے توازن کو بدل کر دشمن کے بجائے اپنے حق میں کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی جدوجہد میں مکمل فوجی فتح ضروری نہیں ہوتی ہے۔ اگر جزوی فتح کے ذریعہ دشمن کو فیصل کن انداز میں کمزور کر کے اس کے اندرونی تنازعات کو شدید کر کے اسے مذاکرات پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور ان مذاکرات کے ذریعے اقتدار حاصل کیا جاسکتا ہے تو پھر مسلح جدوجہد کا مقصد میدان جنگ میں مکمل فتح کے بغیر ہی پورا ہو جاتا ہے۔ جنوبی چین، موزمبیق (اور نومبر ۱۹۷۵ء تک کے انگولا کی یہی صورت تھی۔ لاٹویا میں بھی مکمل فوجی فتح حاصل نہیں کی گئی تھی بلکہ ویت نام اور کمبوڈیا میں

امریکی سامراج اور اس کے گماشتوں کی شکست کے بعد، لاؤس میں بھی رفتہ رفتہ سیاسی توازن بہت حد تک انقلابوں کے حق میں ہوتا گیا۔

مختلف انقلابات کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ریاستی اقتدار پر قبضہ کرنے کا کوئی ایک مخصوص طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر ملک کے اپنے مخصوص تاریخی، سماجی، سیاسی اور جغرافیائی حالات اور مواقع انقلابی حکمت عملی متعین کرتے ہیں۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ تیسری دنیا میں جہاں کہیں بھی انقلاب آیا ہے وہاں طویل عوامی جنگ کی حکمت عملی اور تدبیروں پر ہی زیادہ انحصار کیا گیا ہے۔ افغانستان کا انقلاب اس لحاظ سے مختلف ہے کیونکہ وہ تقریباً اس کلاسیکی انداز میں آیا ہے جس کی کوششیں کافی عرصہ تک متعلقین کرتی رہی ہیں۔ مسلح بغاوت کے ذریعے اقتدار پر قابض ہونے کی اس کامیاب کوشش کی وجہ سے انقلابی حکمت عملی کے طالب علموں کے درمیان یقیناً ایک نئی بحث کا آغاز ہو گا اور اس بات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ یہ تجزیہ کس تک افغانستان کے لئے منفرد ہے اور کس حد تک اس سے عمومی نتائج برآمد کئے جاسکتے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم اس مسئلہ پر اپنا تجزیہ پیش کریں، ہم ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کریں گے جو مضمون کی ضرورت میں اٹھائے گئے تھے یعنی افغانستان میں اقتدار کی تبدیلی کو ”انقلاب“ کیوں یا کیوں نہیں کیا جاسکتا وغیرہ۔

انقلاب کیوں کیا جائے

انقلابی حکومت کے بارے میں اوپر بحث میں ہم نے بتایا کہ ہر انقلاب کے لئے گویا تدبیر و دل کا استعمال ضروری نہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے یہ بھی بتایا کہ مسلح بغاوت کے ذریعہ انقلابی اقتدار رائج کرنا ایک پرانا طریقہ ہے۔ لہذا صرف تکنیک یا حکمت عملی کی بنیاد پر افغانستان کی تبدیلی کو انقلاب کی تعریف سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ تبدیلی ایک ایسی پارٹی کی قیادت میں آئی ہے جو اپنے تاریخی سماجی حالات کے مطابق سلاج پیش رو کی طور پر اور نکلنے کے ساتھ انقلابی تبدیلیاں برپا کرنا چاہتی ہے اور اس نے اب سے ایک ٹھوس، مربوط اور حقیقت پسند انقلابی پروگرام پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس نے جن طبقات کا اقتدار ختم کیا ہے وہی سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور جن طبقات کی بالادستی قائم کر رہی ہے۔ وہی تاریخی طور پر انقلاب کے محرک ہیں۔ چونکہ انقلاب کا مطلب صرف اقتدار پر قبضہ نہیں بلکہ پورے سماج کو تیزی کے ساتھ اور بنیادی طور پر بدلتا ہے، تو یہ واضح ہے کہ یہ عمل افغانستان میں شروع ہو گیا ہے۔ اور اس مسلسل عمل کی وجہ سے ہی اس تبدیلی کو انقلابی کہنا صحیح بجانب ہو گا۔

اس ضمن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہو گا کہ افغانستان کے انقلاب کے پہلے مرحلہ میں عوام کی اتنی ہمہ گیر اور طویل شرکت نہیں تھی۔ جتنی کہ روس، چین، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا، جنوبی یمن، انگولا، موزمبیق، گنی بساؤ اور کمبوڈیا میں تھی۔ افغانستان کے مخصوص حالات کے تحت اس کی کو سمجھا جاسکتا ہے اور اس کی وجہ سے افغان تبدیلی کو انقلابی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن اس سے عمومی نتائج نکالتے وقت بے حد محتاط ہونا پڑے گا۔

افغانستان کے انقلاب کے بارے میں جو حقائق اس وقت تک حاصل ہو سکے ہیں، ان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گونا گونی خیالات رکھنے والے افراد، افواج، انفرشاپی، دانشوروں اور طالب علموں وغیرہ میں کافی عرصہ سے موجود تھے۔ ملک میں ایک انقلابی تنظیم خلق پارٹی کا وجود ۱۹۶۵ء میں عمل میں آیا لیکن پارٹی دو سال کے اندر دھو دھو میں بٹ گئی۔ ایک حصہ پارٹی کے رہنما نور محمد زہ کئی کے ساتھ رہا اور خلق ہی کہلا یا جب کہ دوسرا حصہ جس میں برک کارمل، انامتیاریاںب زادا اور سلیمان لالئی شامل تھے۔ اپنے ترجمان انجرا کی وجہ سے ”پرچم“ گروپ کہلایا۔ بظاہر ان دونوں گروہوں کا حلقہ اثر بنیادی طور پر طالب علموں، اساتذہ اور دانشوروں میں تھا ۱۹۷۷ء میں ان دونوں گروہوں کا دوبارہ اتحاد ہو گیا اور پارٹی ایک مرتبہ پھر متحدہ اور اسے نئی توانائی حاصل ہو گئی۔ حالیہ انقلاب میں فوجی افسروں اور سپاہیوں کی طرف سے انقلابی کارروائی سے یہ اندازہ ہو گیا کہ پارٹی نے فوج کے اندر کافی سیاسی کام ہوا تھا اور وہاں اس کا بہت اثر تھا۔ انقلاب سے چند روز قبل امیر کبیر خیر کے جنازے میں ہزاروں افراد کی شرکت اور مظاہروں سے اندازہ ہو گیا کہ پارٹی کی جڑیں شہری غریبوں میں گہرے طریقے سے پیوست تھیں۔ مختلف اندازوں کے مطابق کارمل کے ان مظاہروں میں ۱۵۰۰۰ سے لے کر ۲۰۰۰۰ افراد نے شرکت کی۔ کراچی شہر کی آبادی کے تناسب سے دیکھا جائے تو ۱۵ ہزار کا مجموعہ سوالا کھ کے مجموعے کے برابر ہے۔ اس مظاہرے میں سیکڑوں سرکاری اہلکاروں نے حصہ لیا۔ جس کی وجہ سے داؤد نے ان کے خلاف امتحامی کارروائی شروع کر دی تھی۔ سرکاری اہلکاروں کی اس شرکت سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ خلق پارٹی کا انفرشاپی اور ادنیٰ سرکاری ملازمین میں بھی اچھا خاصا اثر تھا۔ کسٹون میں پارٹی کے کام کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہیں۔ لیکن بحث کو جاری رکھنے کے لئے فی الحال یہ فرض کر لیتے ہیں کہ کسٹون میں خلق پارٹی کا کام نہیں تھا یا بہت محدود تھا تاہم افغانستان کے تاریخی اور سیاسی پس منظر میں دیکھا جائے تو شہری غریبوں، فوجیوں، سرکاری ملازمین، طالب علموں اور دانشوروں میں خلق پارٹی کو جو وسیع پیمانہ پر حمایت حاصل تھی وہ نہ صرف افغانستان کے قومی سیاست کے مطابق اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک وسیع بنیاد ملتی ہے۔ بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ افغانستان میں یہ سب سے مقبول پارٹی تھی۔ یاد رہے کہ ہم افغانستان کے اس محدود دائرے کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔ جہاں ایک شخص ایک ووٹ کی بنیاد پر کبھی انتخابات نہیں ہوتے۔ جہاں عوام الناس سیاسی عمل سے کٹے رہے۔ جہاں جلسے جلوس کرنے کی آزادی نہیں تھی۔ جہاں اقتدار ایک شاہی خاندان کے ہاتھ میں تھا۔ جہاں محلات سازش اور دھڑن تختہ کے سوا حکومت کو تبدیل کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں تھا اور جہاں محمد زئی خاندان کی مطلق العنانی کی وجہ سے خود سرکاری اہلکاروں اور فوج کے با اثر حلقوں میں تبدیلی اور انقلاب کی خواہش موجود تھی۔

ان حالات میں ایک انقلابی پارٹی جس سے پاس قومی تعمیر نو کا ایک مٹھوس پروگرام اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے ذرائع موجود ہوں۔ اگر سیاسی بحران سے نا امدہ لے کر انقلاب لاسکتی ہے تو وہ اپنے اس تاریخی فرض سے اس لئے کوتاہی نہیں کرے گی کہ ”انقلابی ناولا“ میں سے ایک آدھ غریب موجود ہے۔ خصوصاً جبکہ انقلاب ایک مسلسل عمل ہے، تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عوام کے وہ وسیع حلقے جو اب تک پارٹی سے نا آشنا تھے یا از خود انقلاب کے لئے تیار نہیں تھے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ سیاسی اور سماجی تبدیلیاں ان کے حق میں ہو رہی

ہیں تو وہ بھی اس انقلابی عمل میں شریک ہو جائیں گے۔ البتہ ایسی صورت میں نئے سیاسی و سماجی ادارے پیدا کرنے، معیشت کو از نئے تشکیل دینے اور نئی افکار کو فروغ دینے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان تمام کمزوریوں میں جہاں مرکزی ریاستی اقتدار طویل مسطح جدوجہد کے بعد حاصل ہوتا ہے، وہاں انقلابی ڈھانچے جدوجہد کے ساتھ ساتھ ہی کھڑے کئے جاتے ہیں اور مکمل اقتدار حاصل ہونے تک پارٹی کے کارکن اور عوام ریاستی امور کو چلانے اور بنیادی سماجی تبدیلیاں لانے کے کام میں کافی مجبوجاتے ہیں۔ میان اور دیگر آزاد علاقوں میں چینی انقلابیوں نے جو تجربہ حاصل کیا تھا، اس کی بنیاد پر انہیں پورے چین میں انقلابی اصلاحات لانے میں بہت مدد ملی۔ خصوصاً ”عوامی رابطہ عمل“ (MASS LINE) کا اطلاق پہلے میان میں ہی ہوا تھا تاہم جزوی طور پر کامیاب تبدیلیاں لانے کے باوجود انقلابی کام کو پھیلانے میں وقت پیش آتی ہے۔ جنوبی چین میں یہ صورتحال ہو گئی تھی کہ عدلیہ میں مرکزی اقتدار تو انقلابی محاذ کے بلقوں میں تھا، لیکن اس کے باوجود اس کی نافذ کردہ زرعی اصلاحات پر بہت سے علاقوں میں عملدرآمد نہیں ہو رہا تھا کیونکہ سرزمین پر شہنشاہ کا پرانا اقتدار ابھی نہیں ٹوٹا تھا۔ چنانچہ حکومت نے خود کسانوں اور ماہی گیروں کو بغاوت پر اکسایا تاکہ وہ مقامی طور پر عوامی اقتدار قائم کریں اور پرانے نظام کو بدل دیں۔

افغانستان میں جہاں انقلابی اقتدار طویل عوامی جنگ کے ذریعہ قائم نہیں ہوا ہے وہاں انقلابی پارٹی اور حکومت کو وہ سارا کام انقلاب کے موجودہ مرحلہ میں کرنا پڑے گا جو تیسری دنیا کے دوسرے انقلابی ملکوں میں جزوی طور پر اقتدار حاصل کرنے سے پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں افغانستان کی صورتحال سودیت روس کے مقابلہ میں بھی ناسازگار ہے کیونکہ روس میں بھی اقتدار کے لئے کش مکش بہت شدت (بلکہ شدید) سے اور بہت لمبے عرصے تک چلتی رہی۔ جس کے دوران عوام کے سیاسی شعور میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور انہیں سوویتوں کی شکل میں متبادل ریاستی ڈھانچے قائم کرنے اور چلانے کا تجربہ بھی حاصل ہوا۔ اس کے برعکس افغانستان ایک پسماندہ ملک ہے۔ جہاں سماجی اور سیاسی شعور کی سطح پہلے ہی بہت بلند نہیں ہے۔ ایسے ملک میں اقتدار کے لئے لڑائی کا عرصہ بہت مختصر ہونے کی وجہ سے عوام اس گہرے شعور اور شرکت کے تجربہ سے محروم ہو جاتے ہیں جو اقتدار حاصل کرنے کے بعد انقلاب کی بقا اور نشوونما کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ عوام الناس کو وسیع پیمانہ پر اور گہرے طریقے سے انقلابی عمل میں شریک کرنے کا کام موجودہ افغان حکومت کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہو گا۔

فوج کا کردار

انقلابی نظریہ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ لیڈرے طبقے کبھی بھی پُر امن طریقہ سے اپنے اقتدار سے دستبردار نہیں ہوتے۔ وہ مکمل طور پر حاکمیت کرنے کا جواز کھو بیٹھنے کے بعد بھی اقتدار سے چپٹے رہنے کی کوششیں اور عوام پر تشدد ہیں اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ محنت کش طبقوں اور عوام الناس کو بھی دیکھتی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے محنت کشوں کی بین الاقوامی تنظیم نے عوامی فوج بنانے اور

حکمران طبقوں کی فوج میں سیاسی کام کرنے پر بہت توجہ دی ہے۔ روس کے بالشویک انقلاب میں زار کی فوج کے سپاہیوں اور بعض افسروں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ چین انقلابی جنگ لڑنے کا کام بنیادی طور پر اس عوامی فوج نے کیا۔ جسے کمیونسٹ پارٹی نے کسانوں میں سے منظم کیا تھا۔ لیکن پھر بھی کومتانگ کی فوج میں سیاسی کام کرنے کی وجہ سے اس فوج کے بہت سارے افسر اور سپاہی سرخ فوج میں شامل ہو گئے۔ البتہ تیسری دنیا کے باقی ممالک میں جہاں انقلاب کامیاب ہوا ہے وہاں حکمران طبقے کی فوج کے عوام دوست عناصر کا انقلاب میں بہت محدود رد و دل رہا ہے۔ افغانستان کا انقلاب اس لحاظ سے منفرد ہے کیونکہ یہاں انقلابی اقتدار قائم کرنے کے لئے فوجی کارروائی حکمران طبقوں کی فوج کے انقلابی عناصر کی طرف سے ہی ہوئی ہے۔ یہاں نہ کوئی کسان فوج تھی اور نہ شہروں میں متبادل سرخ فوج۔

افغانستان میں فوج کے انقلابی کارنامے کی وجہ سے بھی تیسری دنیا میں انقلابی حکمت عملی کے بارے میں اور فوج کے کردار کے بارے میں از سر نو بحث کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں کسی بھی قطعی فیصلہ پر پہنچنے سے قبل افغانستان کے مخصوص حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

۱۔ پورے ایشیا میں میں تھائی لینڈ اور افغانستان ایسے ممالک ہیں جہاں براہ راست نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی تسلط قائم نہیں ہوا۔ افغانستان اپنے مخصوص سماجی، تاریخی اور جغرافیائی حالات کی وجہ انتہائی خود مختار ذہنیت کا حامل رہا۔ قبائلی سماج میں دیے بھی خود مختاری کا جذبہ بہت شدید ہوتا ہے۔ لیکن افغانستان میں مسلسل حملہ آوروں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی وجہ سے اس ملک کے عوام اور خاص طور پر دہلیزوں میں۔ اس جذبہ نے شدت اختیار کر لی۔ زار شاہی روس اور برطانوی سامراج کے حلوں اور توسیع پسندی کی وجہ سے افغانستان میں سامراج دشمن خیالات اور جذبات کو بہت فروغ ملا۔ افغانستان کی فوج نے اسی آزادی اور خود مختاری کے نعرے کو اپنی جہم لیا۔ یہ کسی سامراجی طاقت کی پیدا کردہ فوج نہیں تھی۔ نہ اس نے سامراجی حکمرانوں کی طرف سے اپنے عوام پر گولیاں برسائیں اور ہی اس نے استعماریوں کی خاطر دور دراز کے ملکوں میں جنگیں لڑیں۔

۲۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب براہ راست نوآبادیاتی راج کا نظام ختم ہونے لگا اور امریکی سامراج کی سربراہی میں جدید نوآبادیاتی سامراجیت کا جال بھیلنے لگا تو اکثر نوآبادیاتی ملک جدید سامراج کے جنگل میں پھنس گئے۔ امریکہ نے سب سے زیادہ توجہ ایسے ملکوں کے فوجی افسروں پر دی۔ فوجی اہلاد، فوجی مشاوریوں پر وگرام اور امریکہ میں افسروں کے تربیتی پروگراموں کے ذریعہ اور دوسری قسم کی رشوتوں اور لالچوں کے ذریعہ ان فوجی افسروں کو اپنا ہم خیال بنانے اور سامراجی مفاد پرستوں کے لئے استعمال کرنے منظم کوشش کی گئی۔ مختلف ملکوں میں سیاسی و صحافتی کونزور کے فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ سی آئی اے کی طرف سے خاص خاص جہازوں کو باقاعدہ معاوضہ ادا کیا جانے لگا اور ان سے غداری کروائی گئی۔ تھائی لینڈ جیسا ملک جو کبھی نوآبادیاتی تسلط کے تحت نہیں آیا تھا، اب "کینونزم" کے خوف کی وجہ سے مکمل طور پر امریکہ کا دستِ گربن بن گیا اور اس کی فوج مکمل طور پر امریکی سامراج کی لونڈی بن گئی۔

افغانستان کی صورت حال اس کے برعکس تھی۔ اس ملک کا حکمران طبقہ اپنی جغرافیائی پوزیشن کی وجہ

سے سوویت روس کے ساتھ قریبی تعلقات رکھنے پر مجبور تھا۔ اس نے فوجی امداد اور فوجی تربیت کے لئے روس کی طرف رجوع کیا۔ روس نے نہ صرف افغانستان کے فوجی افسروں کو کپٹ (اب عنوان) نہیں کیا بلکہ بہت سے افسروں کے نظام سے متاثر بھی ہوئے اور ان میں اپنے ملک کے اندر سماجی انصاف رائج کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

۳۔ ایک نوآبادیاتی فوج نہ ہونے کی وجہ سے اور پشتون روایت کی وجہ سے افغان فوج میں کھلی سیاسی بحث ہوتی رہتی تھی اور مختلف سیاسی نظریات زیر بحث آتے رہتے تھے۔ اس روایت کی وجہ سے فوجی افسروں اور سپاہیوں میں سیاسی شعور پیدا ہوا اور انقلابی پارٹی کو سیاسی کام کرنے کا ساڑھاں ماحول دستیاب ہوا۔

۴۔ افغانستان کی انتہائی پس ماندگی، سیاسی آزادیوں کی عدم موجودگی، حکومتی تشدد اور ملک کی کلی دست پرکھی بھروگوں کے قبضہ کی وجہ سے عوام انسان کے علاوہ پڑے لکھے لوگوں میں بھی بے چینی اور تبدیلی کی خواہش بہت شدید تھی۔ پارلیمانی نظام کی عدم موجودگی اور کھلی سیاست پر پابندی کی وجہ سے پرانے نظام کی حدود کے اندر ایک نیم جمہوری عم البدل منظم کرنے کے امکانات بھی موجود نہیں تھے اگر ایسا عم البدل موجود نہ ہوتا تو شاید فوج سول لوکر شاہی اور دانشوروں اگر ایسا عم البدل موجود ہوتا، تو شاید فوج، سول لوکر شاہی اور دانشوروں کے بہت سے روشن خیال عناصر اس کی طرف مائل ہوتے۔ لیکن اول تو ایسی پارٹی کے لئے مادی بنیاد بہت محدود تھی اور دوم ایسی "روشن خیال" پارٹیاں تشدد کے ماحول میں خفیہ یا نیم خفیہ طریقے سے کام کرنے کی اپلی نہیں تھیں چنانچہ جب خلق پارٹی نے ایک حقیقت پسند قومی جمہوری پروگرام اور مسلسل تنظیمی کام کے ذریعہ اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کی تو محب وطن فوجی افسروں، سول اہل کاروں اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد نے اسے قبول کیا۔ ممکن ہے کہ بعض فوجی افسروں نے اس کی صرف اس لئے حمایت کی ہو کہ وہ برہنیت پر نادر شاہی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اور انہیں خلق پارٹی میں وہ واحد تنظیم نظر آتی جو اس کی جگہ لے سکتی تھی۔

انتہائی ظالمانہ اور گھٹے ہوئے سیاسی نظاموں کی یہ جدیدیات ہے کہ وہاں صرف ٹھوس انقلابی تنظیمیں ہی محب وطن لوگوں کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ افریقہ میں قومی آزادی کی سب سے زیادہ انقلابی تحریکیں پرنسپل کی نوآبادیوں میں ہی پیدا ہوئیں۔ یہاں کسی درمیانی چیز کا مؤثر وجود ممکن ہی نہیں تھا۔ مذکورہ بالا نکات پر بحث سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ افغانستان تیسری دنیا میں ایک منفرد حیثیت کا حامل تھا اور اس کی فوج کی تاریخ اور حالات تیسری دنیا کے اکثر ملکوں کی فوج کے کردار حالات سے مختلف تھے۔ تاہم اس سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کیا جاسکتا کہ جدید نوآبادیاتی ملکوں میں فوج کھلی طور پر برہنیت ہے اور ان میں محب وطن عناصر کا وجود ممکن نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب فوج کو ایک مترتیب سیاست میں ملوث کر لیا جاتا ہے تو اس کی ضمانت باقی نہیں رہتی کہ یہ سیاست صرف ایک ہی سمت کی ہوگی۔ ساراچ نواز، رجعت پسند اور راشی فوجی افسر خندا اپنی ساراچ نوازی، عوام دشمنی اور لوٹ مار میں شدت اختیار کریں گے۔ تن ہی فوج کے بہت سے عوام دوست اور ریاستدار عناصر ہیں ان کے خلاف مزاحمت بڑھے گی۔ لیکن اب بے تحیثانہ اور مزاحمت کا بہت

سیاسی شعور میں تبدیل ہونا ضروری ہے۔ یہ عناصر اس وقت تک حرکت میں نہیں آسکتے اور متحرک نہیں ہو سکتے جب تک وہ کسی نہ کسی طرح منظم ہوں اور ان کی سیاسی راہ متعین کی گئی ہو۔ یہ کام ایک سیاسی پارٹی ہی کر سکتی ہے۔ جب انہیں یہ نظر آتا ہے کہ ایک ایسی وطن دوست اور عوام دوست پارٹی موجود ہے جو منظم ہے۔ جس کے پاس ایک قومی عوامی جمہوری پروگرام موجود ہے اور جو جدوجہد میں آزمائ ہوئی ہے تو پھر وہ رہنمائی کے لئے وہ اس پارٹی کی طرف دیکھتے ہیں اور خطرہ مول لینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ چاہے معروفی حالات کتنے ہی سازگار کیوں نہ ہوں۔ بغیر سیاسی تیار دنت کے فوج کے اندر انقلابی حلقہ پیدا کرنا ناممکن ہے۔

تیسری دنیا کے وہ ممالک جہاں سیاسی پارٹیوں، انتخابات، اسمبلیوں، جلسے جلسوں اور مظاہروں کی روایت رہی ہے اور عوام کو سیاسی عمل میں شرکت کا کم از کم احساس دیا گیا ہے۔ ان ملکوں میں انقلابی تبدیلی کے لئے بہت وسیع اور ہر گیر عوامی شرکت کی ضرورت ہوگی۔

بعض عوامی خصوصیات کو چھوڑ کر ہر ملک کا انقلاب منفرد ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کا انقلاب کسی دوسرے ملک کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ ہر ملک کے عوام کو اپنے ملک کے مخصوص جغرافیائی، تاریخی، سماجی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی حالات کے تحت اپنے انقلاب کی حکمت عملی متعین کرنی ہوتی ہے۔ افغان عوام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور ایک انتہائی منفرد ملک ہونے کی حیثیت سے اس کا انقلابی تجربہ بھی انتہائی منفرد ہے۔

پرتھاب

کیا انقلاب افغانستان اسلام دشمن ہے؟

اسلام اور افغانستان

افغانستان میں عید میلاد النبی کی تقریبات کی روئیدار

نور محمد ترکمنی

افغانستان کے انگریزی روزنامے

کابلے ٹائمز کے تراشے

نور محمد ترکمنی - انقلاب کے قائد

افغانستان کے انقلابی رہنما نور محمد ترکمنی، انقلاب روس کے سال ۱۹۱۷ء میں صوبہ غزنی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ان کے والد انتہائی غریب کسان تھے اور مولشی چرا کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ نور محمد ابھی پانچ سال کے تھے کہ انہیں ایک بیوہ کے مولشی چرانے کی نوکری مل گئی۔ لیکن ان کے والد چاہتے تھے کہ وہ تعلیم حاصل کریں انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے ضلع کے سکول میں اپنے والد کی زیر نگرانی حاصل کی ۱۹۳۲ء میں قندھار کی ایک کمپنی میں بحیثیت چپڑا اسی ملازم ہو گئے اور جلد ہی کلرک بنا کر۔ اس کی بمبئی شاخ میں کام کرنے کیلئے بھیج دیے گئے۔ بمبئی میں ایک نائٹ سکول سے انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا اور اپنے طور پر انگریزی میں دسترس حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں واپس افغانستان آئے تو ایک ادیب کی حیثیت سے اپنے کیرئیر کی ابتدا کی، اور ملکی سیاست میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ جلد ہی ایک ترقی پسند دانشور کے طور پر وہ علوم میں مقبول ہو گئے۔ ۱۹۴۸-۱۹۴۳ء کے دوران ان کی ادبی اور سیاسی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں۔ اب وہ ایک ایسی سیاسی جماعت کے بارے میں سوچنے لگے جو بادشاہت اور اشرافیہ کا تختہ الٹ سکے۔ چنانچہ "بیدار نوجوان"، نامی تنظیم کا قیام عمل میں آیا جس میں افغانستان کے ترقی پسند دانشوروں نے بڑی تعداد میں شمولیت اختیار کی۔ اس تنظیم کی زیر نگرانی انہوں نے "انکار" نامی اخبار کا اجرا کیا۔ جس کے پہلے شمارے میں تنظیم کا منشور چھاپا گیا حکومت نے اخبار کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے ڈر کر اس کی اشاعت پر پابندی لگا دی اور "بیدار نوجوان"، پر حملوں کا آغاز کر دیا۔ اس تنظیم نے ۱۹۵۳-۱۹۴۸ء کے درمیانی برسوں میں علوم کی ڈیٹھائی کی نور محمد ترکمنی سے جھگڑا حاصل کرنے کے لئے حکومت نے انہیں پریس آفیشی بنا کر واشنگٹن بھیج دیا۔ انہیں دنوں شاہ محمد کی جگہ اس کے چچا زاد بھائی داؤد کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ اس تبدیلی پر انہوں نے امریکی پریس کانفرنس بلائی اور کہا کہ افغانستان کا حکمران لوگ مکمل طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے۔ مستعفی ہوئے والا وزیر اعظم شاہ کا چچا تھا نیا وزیر اعظم داؤد اس کا چچا زاد بھائی اور سالہا ہے جہاں تک افغان عوام کا تعلق ہے وہ دنیا کے غریب ترین عوام میں سے ہیں۔ اور ہر طرح کے سیاسی حقوق سے محروم ہیں۔ اور اس پریس کانفرنس کے نتیجے میں انہیں واپس بلا لیا گیا۔ کہل پہنچے پر انہوں نے

بین الاقوامی نوعیت کے باعث حکومت انہیں گرفتار کرنے کی جرأت نہ کر سکی۔ ۶۳ - ۱۹۵۳ کے دوران انہوں نے ایک ٹرانسیشنل بیورو قائم کیا تاکہ روزگار کا مسئلہ حل کیا جاسکے انہوں نے محنت کشوں کے انقلابی فلسفے سے وابستہ افراد سے بھی رابطہ بڑھایا۔ اس عرصے میں ان کی بیشتر انقلابی تصانیف اور سیاسی مضامین سامنے آئے داؤد کی وزارت غلطی سے علیحدگی کے بعد نئے وزیر اعظم محمد یوسف نے نئے کابینہ کی سیاسی آزادیوں کا وعدہ کیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نور محمد ترکمٹی نے اپنے نظریاتی دوستوں کے ساتھ مل کر پولیٹاریہ کے فلسفے پر مشتمل انقلابی پارٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا یکم جنوری ۱۹۵۶ کو جنرل نور محمد ترکمٹی کاٹن کو پیر پبلز ڈیموکریٹک پارٹی کے قیام کا فیصلہ ہوا اور انہیں پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا سیکرٹری جنرل مقرر کیا گیا۔ اپریل ۱۶ میں محنت روزہ خلق کا اجلاس ہوا لیکن صرف چھ شماروں کے بعد ظاہر شاہ نے اس پر پابندی لگا دی جلد ہی حکومت کے چند پسندیدہ افراد پارٹی میں شامل ہو گئے۔ جنہوں نے اختلافات پیدا کر کے پارٹی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور بہت سے مخلص کارکن برک پور مل کے بہکاوے میں آکر انقلابی دھارے سے کٹ گئے۔ برک پور مل کو ”پرچم“ نامی اخبار نکالتے بھی اجازت مل گئی۔ جبکہ حکومت نے ”خلق“ پر سے پابندی اٹھانے سے انکار کر دیا۔ ۱۷ جولائی ۱۹۵۷ کو شاہ ظاہر شاہ نے داؤد کے لئے جگہ خالی کی۔ داؤد نے افغانستان کو جمہوریہ قرار دیکر صدارت کا سہرا بھالا۔ پرچم گروپ نے اس کی حمایت شروع کر دی۔ جبکہ کمریٹ ترکمٹی نے داؤد حکومت کے بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھی اور ایک وسیع تر قومی جمہوری اتحاد کی تشکیل کا مطالبہ کیا۔ اس سے حکومت مضطرب ہوئی لیکن ”خلق“ گروپ کے سیاسی وقار میں بہت اضافہ ہوا۔ کمریٹ ترکمٹی نے سائنسی بنیادوں پر افغان معاشرے کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فوج جو عوام کے خلاف مکران طبقہ کا ایک ادارہ ہے کو مزدوروں کے انقلابی فلسفے سے یس کیا جائے۔ یش جناب حفیظ اللہ امین کے سپرد ہوا ۱۷ مئی کمریٹ امین نے اپنی مفصل رپورٹ میں بتایا کہ مسلح افواج انقلاب کے لئے تیار ہیں لیکن نور محمد ترکمٹی نے مزید انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے پارٹی کے دونوں گروپوں کو متحد کرنے کیلئے یشی قادی کی اور جولائی ۱۹۵۷ میں انہیں متحد کر لیا گیا۔ تاہم اتحاد کے بھی دو حصے تھے ۱۔ سولین کے درمیان اتحاد فوج کے درمیان اتحاد۔ فوج میں پرچم گروپ کا کام برائے نام تھا اس لئے انہیں بتا دیا گیا کہ داؤد شاہی کے خاتمے پر اقتدار ڈیموکریٹک پارٹی کو منتقل کر دیا جائے گا۔ ۲۷ اپریل ۱۹۵۷ کو ملک میں انقلاب برپا کر دیا۔

افغانستان کے انقلاب کے خلاف سب سے زیادہ شور و شغب کے حوالے سے بپاکی جا رہی ہے۔ لیکن مذہب سے متعلق افغانستان کی صورت حال پر حال ہی میں نور محمد ترکئی جو افغانستان کی عمران جماعت خلق پارانہی کے جنرل سیکریٹری اور مملکت افغانستان کے سربراہ ہیں نے ایک حالیہ تقریر میں شریک و وضاحت سے اس صورت حال پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”افغانستان کی حکومت اور محنت کش عوام اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے وسیع تر اقدامات

کے رہے ہیں۔ لیکن ہمارے دشمن ہم پر الزامات لگا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ علماء اور دوسرے محب وطن کو یہ کہہ کر ڈرا رہے ہیں کہ ان کے لئے افغانستان میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن یہ یہ کہتا ہوں کہ وہ تمام علماء اور دوسرے افراد جو ہمارے انقلاب کے خلاف اسلام کے پردے میں سازشیں نہیں کرتے وہ ہمارے بھائی ہیں۔ ہم نے اللہ کے خلاف نہ قسبیلے ہی کچھ کہنا ہے اور نہ آئندہ کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم ایک بار پھر یہ یقین دہانی کرتے ہیں کہ کوئی بھی شخص جو بیرونی سرمائے کا سہارا لے کر ہمارے انقلاب کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا اسے کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مذہب کا لبادہ اوڑھ کر انقلاب کے مفادات کے خلاف اقدامات کرتا ہے تو سامراج کا ساتھی ہے اور اسے ہم نے نہ تو پہلے ہی معاف کیا ہے اور نہ ہی اب کریں گے۔

ہمارے دل میں اسلام کے لئے بے پناہ عقیدت موجود ہے اور ہم لوگوں کو ہر طرح کی سہولتیں جہاں کریں گے تاکہ وہ بہتر طریقے سے اپنے مذہبی فرائض ادا کریں۔ تاکہ وہ بہتر طریقے سے اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکیں۔ یہاں مساجد موجود ہیں جن میں لوگ اذانیں دیتے اور نمازیں ادا کرتے ہیں۔ لوگ روزے رکھتے ہیں اور دوسرے تمام مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں لیکن سامراج کا کہنا ہے کہ جب تک ہم اس کے سامنے نہیں ہیں جاتے اس وقت تک ہم لادین اور کافر ہیں۔ سامراجیوں کا کہنا ہے کہ افغانستان میں نہ تو مساجد ہیں اور نہ ہی لوگ نماز پڑھتے ہیں کیونکہ ہم فرنگی کے ساتھی اور پیروکار نہیں ہیں۔ ہمارا جواب ان کو یہ ہے کہ افغانستان کے محنت کش عوام ماضی کی طرح کسی کو بھی اپنے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سامراج نے انہیں بہت زیادہ تکلیفیں پہنچا دیں۔ ہم سامراجیوں اور ان کے ایجنٹوں کے الزامات کا جواب عملی اقدامات کر کے دیں گے۔ اس باوجود کہ افغانستان میں شرعی عدالتیں موجود ہیں اور ان کے حج شرعی احکامات کے مطابق مقدمات کیے جیتے کرتے ہیں۔ لیکن سامراجی ابھی تک ہمارے خلاف الزامات لگانے سے نہیں چوکتے۔ لیکن دوبارہ کہتا ہوں کہ ان کے یہ الزامات ان کے کسی مقصد کو پورا نہیں کریں گے۔ ہمارا حکومت بھلی حکو

سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ اپریل انقلاب سے پہلے جو حکومت افغانستان میں برسرِ اقتدار تھی وہ نمائندہ اندر استحصالیوں، خون چوسنے والوں اور جاگیرداروں کے مفادات کی نمائندہ تھی اور وہ اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے سامراج کے کہنے پر چلتی تھی لیکن ہماری حکومت افغانستان کے محنت کشوں اور مزدوروں کی نمائندہ ہے جو کہ ملک کی آبادی کا پچاس فی صد ہیں ہم ان محنت کشوں کے بیٹے اور خدام ہیں۔ ہم ان ہی محنت کشوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے برسرِ عمل ہیں ہم ماضی میں ان کے لئے کام کر چکے ہیں اور مستقبل میں بھی ان کے لئے کام کریں گے۔

سابقہ فیوڈل حکومت کے ادارے لوگوں کو بھوکا، تنگ اور غریب رکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے تاکہ وہ میسبتوں اور مشکلات میں گھرے رہیں اور سیاست یا معاشرتی مسائل کے بارے میں غور و فکر کرنے کی انہیں فرصت ہی نہ ملے لیکن ہماری حکومت کی تمام تر کوششیں اسی ایک نقطہ پر مرکوز ہیں کہ افغانستان کے عوام کو خوراک، رہنمائی، تعلیم، انہیں تن و دھانپنے کے لئے کپڑا اور رہنے کے لئے مکان مہیا کئے جائیں اور وہ اچھی صحت کے مالک ہوں اور سیاسی معاملات میں وہ بڑے چرچہ کر حصہ لیں اور ہمارے ساتھ تعاون بھی وہ سیاسی حوالے سے کریں۔ مثال کے طور پر انہیں اپنے اپنے اداروں میں یونینیں بنانی چاہئیں۔ اپنے مسائل اور مشکلات پر ہمارے اور سابقہ حکومت کے درمیان ہی فرق ہے۔ سابقہ حکومت بھوکا، احتیاج، جہالت، پر لقیں رکھتی تھی جبکہ ہم خوشحالی، ترقی اور آزادی پر لقیں رکھتے ہیں۔ نور محمد ترکمانی نے مزید کہا کہ خلقی حکومت اس وقت بہت زیادہ کامیاب ہوگی جبکہ افغانستان میں سیاسی طور پر باشعور افراد کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور وہ آزاد ماحول میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے۔ ہم اور عوام مختلف نہیں ہیں بلکہ ہم باہم ایک دوسرے سے سیوست ہیں۔ ہماری سیاسی پالیسی ہمیشہ اس حقیقت پر مبنی رہی ہے کہ ہم نے عوام کو سیاسی شعور دیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے اسی سلسلے میں ہر ممکن کوشش کی ہے ہم نے عوام کے سیاسی شعور کو بلند کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ کو ہر ممکن طریقے سے استعمال کیا ہے۔ ماضی میں کسی کو اس بات کی اجازت نہ تھی۔ اس وقت ہماری فوج کو اخبارات آزاد ماحول میں پڑھنے کی آزادی نہ تھی۔ اب آپ جانتے ہیں کہ ہم نے ہر جہت کو ایک ایک ٹیل ڈیزائن سیٹ دیا اور ان کو مزید ٹیلی ویژن سیٹ دینے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ ہمارے انٹرنیٹ پر اور خوشی کے ساتھ اپنی حکومت کی حمایت کریں۔

نور محمد ترکمانی نے کہا افغانستان میں فرمان نمبر ۱ اور فرمان نمبر ۲ نے جاگیر داری کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور فرمان نمبر ۳ نے عورتیں کو آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب افغانستان میں ماضی کی طرح عورتوں اور لڑکیوں کو نجارتی مال نہیں سمجھا جاتا۔ اب زبردستی ماضی کی اس فرسودہ رسم کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے۔ فرمان نمبر ۳ نے ہمارے اب کو بھی بے حد متاثر کیا ہے۔ جس میں پہلے صرف دو دلوں کے بھر پور کرنے کے لئے ہی ہوتے تھے۔ اب ہجر اور جدائی کے گیتوں سے ہمارا اب پُر تھا۔ لیکن فرمان نمبر ۳ نے عورتوں کو آزادی دے کر شاعری کی بنیاد ہی بدل ڈالی ہے۔ ماضی میں ہم نے دیکھا کہ ہماری نوجوان نسل وقت سے پہلے بوڑھی ہو جاتی تھی۔ ان کے چہرے پر جھریاں اور ان کے بال وقت سے پہلے ہی سفید ہو جاتے تھے بے شمار لڑکیاں اپنے والدین کے گھر پر ہی بوڑھی ہو جاتی تھیں کیونکہ ان کے والدین کے لئے جہیز کا بندوبست کرنے سے قاصر تھے۔" میں یہاں بولتا ہی ہو گیا ہوں اور وہ

وہاں اپنے والدین سے ہر روز ہرجا کر رہا ہے۔ یہ ۷۶ تھا جو اب جو اس ہمارے جوان بڑے اور زبان اس وقت دیتے تھے۔ جب ان سے ان کی شادی کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا کیونکہ ان کے والدین جہیز کا انتظام نہیں کر سکتے تھے لیکن فرمانِ غیر کے اجراء کے جو کہ موجودہ عوامی حکومت نے جاری کیا ہے۔ اس چیز کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب ہمارے چالیس لاکھ نو جوان لڑکے اور لڑکیاں مکمل طور پر آزاد ہیں اور یہ سب کچھ اسلامی شریعت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ شریعت کہتی ہے کہ نو جوان آزادانہ طور پر اپنی مرضی سے ایک دوسرے کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں۔

ماضی میں ہر کوئی ہمارے عوام کو دھوکہ دیتا تھا۔ مثال کے طور پر کئی سال پہلے کا ذکر ہے کہ کچھ لوگوں نے یہاں اجارہ دارانہ تجارت کا آغاز کیا۔ اس وقت کی حکومت کی حمایت انہیں حاصل تھی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ سرمایہ اکٹھا کرنے کے بعد یہاں افغانستان میں بخاری اور ہلکی صنعتیں لگائیں گے۔ وہ اس قسم کی بہت سی اور باتیں بناتے رہے۔ ان کی اجارہ دارانہ تجارت کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص باہر سے کچھ نہیں منگوا سکتا تھا۔ انہوں نے درآمد شدہ مال کو اپنی امن مانی قیمتوں پر بیچا اور اپنے مذکورہ بالا وعدے پر بے پناہ دولت سیٹی اور اس وقت کی ظاہر اور داؤد کی حکومت نے بھی اپنا حصہ اس دولت سے وصول کر لیا اور صنعتیں لگانے کا منصوبہ اور احمد وعدہ نشہ دیکھا۔ بعد ازاں ہم نے تمام ایسی باتوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ہم افغانستان کے عوام سے عہد

کرتے ہیں کہ اب اس قسم کی ساری چیزیں ہیں جو عیسائی اور ماسی میں جو پچھلے نقصان ہو چکا ہے۔ اس کی تلافی کی جائے گی۔ اپریل انقلاب نے افغانستان میں بسنے والی قومیتوں کو حقیقی آزادی بخشی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اپریل انقلاب سے پہلے چھوٹی قومیتوں کے کوئی حقوق نہ تھے اور حکمرانوں نے دوسری قومیتوں کے حقوق پر بھی ڈاکہ ڈالا ہوا تھا لیکن موجودہ حکومت نے افغانستان کی تمام قومیتوں (بلوچ، نورستانی، ترکمانی، افغانی، تاجک، ہزارہ وغیرہ) کو ان کے تمام حقوق دے دیے ہیں۔ انہیں اپنا کچھ ادب اور آرٹ کی ترقی دینے کی مکمل آزادی ہے اور ہم ان کی ترقی کے لئے تمام کوششیں کریں گے۔ ہم نے ان کی زبانوں میں کتابیں اور لٹریچر چھاپنے کے لئے ہر ممکن سہولتیں فراہم کی ہیں تاکہ سب قومیتوں کے عوام ایک سائنس اور علم جاسکے اور ان کا لہجائی اور سیاسی شعور بلند ہو سکے۔

کابل ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء پیغمبر اسلام، رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم پیدائش افغانستان کے طول و عرض میں نہایت بزرگ و اختتام سے منایا گیا اور ان تقریبات میں لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی۔

سب سے اہم تقریب دلکشاً عمل جو عسائندہ عوام میں تبدیل کر دیا گیا ہے میں کل شام منعقد ہوئی، اس میں وزیر اوقاف، اٹارنی جنرل افغانستان خلق پارٹی کی مرکزی کمیٹی اور انقلابی کونسل کے اراکین نے شرکت کی، ان کے علاوہ خلق پارٹی کے عام اراکین، میونسپل کمیٹی کابل کے اہلکار اعلیٰ سرکاری انسپران اور ملازمین بھی موجود تھے، جمعیۃ العلماء کے نائب صدر، عدالت عالیہ کے جج صاحبان، محکمہ اوقاف کے سربراہ، دارالعلوم عربیہ اور دارالحفظ کے سربراہ اور اساتذہ، کابل یونیورسٹی کے محکمہ اسلامیات کا عمائد، مدرسہ ابوحنیفہ کے سربراہ اور اساتذہ نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی، دوست ممالک کے سفیر بھی اس تقریب میں موجود تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا۔ اس کے بعد وزیر اطلاعات و ثقافت، جناب برق شافعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم پیدائش کی اہمیت اور حضور کے اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا۔

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم پیدائش کی ان تقریبات کا آغاز کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں یہ تقریبات افغان عوام کے عظیم قائد نور محمد ترکینی جنرل سیکرٹری خلق پارٹی اور انقلابی کونسل کے صدر اور وزیر اعظم کی ہدایت پر منعقد کی جا رہی ہے۔ اور آج کا یہ عظیم یوم اور یہ تقریبات ہمارے ملک میں ایسے موقع پر منائی جا رہی ہیں جب تاریخ میں پہلی مرتبہ افغانستان کے مسلمان محنت کش آزادی محسوس کر رہے ہیں، وہ اپنے عمل اور اپنے افکار میں آزاد ہیں، انہوں نے اپنے عظیم قائد کی رہنمائی میں لوٹ کھسوٹ سے نجات حاصل کر لی ہے۔ اور لوٹنے والے طبقوں کی پہنائی ہوئی تمام زنجیروں کو کاٹ ڈالا ہے اور آج پہلی بار اپریل انقلاب کی کامیابی کی وجہ سے وہ آزادی اور پروری روحانی مسرتوں کے ساتھ رسول اللہ کے حضور میں مقیدت کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔

برق شافعی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا آج ہمارے عوام اس مبارک یوم پیدائش کے موقع پر محسوس کر رہے ہیں کہ اگر انسان آزاد ہوا انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال ختم ہو گیا ہو، ظلم اور

غلامی سے نجات حاصل ہو گئی ہو تو عبادت خداوندی میں کتنا لطف حاصل ہوتا ہے کیونکہ بھوک اور غلامی کا ستا یا ہوا انسان صبح طور پر کبھی خدا کے حضور میں صبح اور سچے جذبات کے ساتھ عبادت نہیں کر سکتا۔ اس لئے آج افغانستان کے انقلابی مسلمانوں نے اپنے تجربے سے یہ سیکھا ہے کہ مسلمان تمام غم خوردوں نے انسانوں کو جو برہم و ظلم سمیٹے اور غلامی کے بندھنوں کو برداشت کرنے کے سلسلے میں جو نظریات پڑھائے اور جن نظریات سے ان کے دماغوں کو مسموم کیا تھا وہ کس حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعلیمات کے منافی تھے۔ یہ مفت خور سے مسلسل ان عام افغان مسلمانوں کو ہی تعلیم دیتے رہے کہ ظلم سمیٹتے رہو، غلامی کی زنجیریں پھینک دو، نعوذ باللہ یہی اسلام ہے۔ لیکن ہمارے عظیم انقلاب اور اس کے قائد افغان مسلمانوں کو اسلام کی صبح اور سچی تعلیمات سمجھنے کے مواقع پیدا کئے ہیں اور انہوں نے اس ضمن میں متعدد تقریریں کی ہیں، انٹرویو دیئے ہیں، مضامین لکھے ہیں۔ چنانچہ افغانستان کے مسلمانوں نے محسوس کیا ہے کہ حکومت افغانستان کی انقلابی اصلاحات سے اسلام کی تعلیمات کو نہ تو کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ ان پر عملدرآمد میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ اگر آج سود پر پابندی کے بارے میں ہمارے حکمتا منہ نمبر ہٹے افغانستان کے ایک کروڑ دس لاکھ انسانوں کے نحیف و زار جسموں کو سود کے جوئے، اور مذہب کے تاجروں اور سامراج کے مظالم سے نجات دلائی ہے تو یہ انقلاب نہیں تو کیا ہے، اس لئے مذہب کے یہ تاجر جو اصل میں، ^{افغان} ^{اشیاء} ^{افغان} ہیں وادیا چا رہے ہیں۔ کیا یہ وادیا اس لئے ہے کہ سود وصول کرنے پر پابندی کیوں لگا دی ہے، کیا یہ اسلام کے احکام کے منافی ہے۔

ہمارے حکمتا منہ نمبر جس کی رو سے غلامی بڑے بیگار پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ میں اسلام کے کیا منافی ہے، کیا مرد اور عورت کی برابر ہی اسلام کے منافی ہے، جس کو اس حکم میں تسلیم کیا گیا ہے، ہمارے صبح اور دیا خدار عالموں نے اس حکمتا منہ کی حمایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے مردوں اور عورتوں کے تعلقات بہتر ہوں گے جس طرح سے ایک پرندے کے دو پر ہوتے ہیں اسی طرح یہ اب فضاؤں میں پرواز کر سکیں گے۔ وزیر اطلاعات و ثقافت نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہماری حکومت کا حکمتا منہ نمبر ہر قسم کی معاشرتی برائیوں، سماجی ثقافت اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے خلاف فیصلہ کن وار ہے۔ کیونکہ اس کی مدد سے جاگیر دارانہ نظام کے تمام مظالم اور زیادتیوں کے خاتمے کا اعلان کیا گیا ہے، کیا یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، کیا یہ امودہ حسنہ کے خلاف ہے، کیا یہ اس رسول کی تعلیمات کے خلاف ہے جو انسانوں کے لئے فرشتہ رحمت بن کر آیا تھا۔ بہر حال ایک ایسے سماج کا قیام جو ہر قسم کے ظلم اور لوٹ کھسوٹ کو ختم کرنے اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کو ہمیشہ جیشہ کے لئے محرف غلط کی طرح منانے کا عزم ہی نہیں خلق پارٹی کی حکومت کے تمام اقدام اور تمام اعمال کی قوت متحرک ہے۔ اور اس موقع پر ہم اس اس انقلاب کے قائد نو محمد ترکئی کے یہ الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

”ہمارا سب سے بڑا مقصد کل عالم کے لئے پائیدار امن کا حصول ہے۔ کیونکہ اگر اس جہان رنگ و بو کا امن میسر نہیں ہے تو اچھی اور بہتر زندگی کا خواب بھی کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ ہم اس

عالم سے کٹ کر نہیں رہ سکتے کیونکہ جہاں بھی شعلے بلند ہوں گے وہ بالآخر ہماری طرف بڑھیں گے۔
 وزیر اطلاعات نے کہا یقینی طور پر اگر سامراجی امن عالم کو تباہ کرتے ہیں، جنگ کے شعلوں کو ہوا دیتے
 ہیں تو کوئی بھی ملک اس سے نہ تو اپنا دامن بچا سکتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے مستقبل کو سنوار سکتا ہے۔ اس
 لئے یہ قدرتی بات ہے کہ یہ سامراجی جو جنگ چاہتے ہیں اور جنگی سامان تیار کرنے میں دن رات ایک کئے
 ہوئے ہیں وہ ہمارے انقلاب کے خلاف پروپیگنڈہ کریں اور ہمیں امن سے نہ رہنے دیں اور ان کے جھوٹے
 پراپیگنڈے کے ترکش میں سب سے جھلک اور زہر سے بچھا ہوا تیر ہی ہے کہ وہ ہمیں ”کافر“ کا لقب
 دیں، ہمیں ”اسلام دشمن“ کہہ کر پکارتیں، کیونکہ افغانستان کی سامراج اور فوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد
 کرنے والوں کو ہمیشہ یہ الزامات برداشت کرنے پڑے ہیں اور ہماری تاریخی چلنے والوں کو اس بات کا
 پورا پورا علم ہے۔

وزیر اطلاعات و ثقافت نے کہا کہ آج افغانستان میں جہاں انقلاب بپا ہوا ہے یہ اسلام کی درخشاں تعلیمات
 کے عین مطابق ہے اور ہماری پارٹی نے اب تک جو اقدام کئے ہیں اور جو بھی اصلاحات نافذ کی ہیں وہ اسلام کی
 روح کے عین مطابق ہیں اور اس کا سب سے بڑا ثبوت آج کی تقریب ہے، کیا اس سے پہلے کب یہ تقریب
 ان محلات میں ایسے تزک و احتشام سے منائی گئی تھی اور حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم
 پیدائش کب ایسی شان اور اہتمام سے منایا گیا تھا۔ جو اسلام کا نام لبا کرتے تھے وہ کہاں تھے ان کا کام صرف
 لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینا ہے، ہم اس دن کو کیوں مناتے ہیں اس لئے کہ ہم دینتداری سے رسول اللہ
 کی تعلیمات کو انسانیت کے لئے بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اس لئے ہم آج یہاں ان کے حضورِ نذرانہ عقیدت
 پیش کرتے ہیں۔

بخترنیوز ایجنسی کے مطابق اس عظیم تقریب میں جمعیتہ العلماء کے نائب صدر مولانا عبدالعزیز، ملی نشتی
 جامع مسجد کے خطیب مولوی گل محمد، عدالت عالیہ کے سربراہ ڈاکٹر سید افغانی، محکمہ اوقاف کے سربراہ
 زین اللہ مالغلانی، دارالعلوم اور دارالحفظ کے سربراہ سائبر پٹیل اور مدرسہ ابوحنیفہ کے سربراہ حلیم حیات
 نے بھی تقاریر کیں اور اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی۔

تقریب کے اختتام پر اسی خانہ عوام میں ایک شاندار دعوت طعام کا انتظام کیا گیا اور تمام شرکاء و
 کھانا کھایا۔

بخترنیوز ایجنسی کے مطابق افغانستان کے تمام شہروں اور دیہات میں بھی حکومت کی طرف سے یہ تقریب
 نہایت شاندار طریقے سے منائی گئی، جگہ جگہ جلسے اور مذاکرے ہوئے جہاں اسوۂ حسنہ کے بارے میں تقریریں
 ہوئیں، متلے پڑھے گئے اور انقلاب کی کامیابی اور افغانستان کی ترقی کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔

KABUL TIMES



AFGHAN IDIOMS

Live together like brothers and do business like strangers.

Birthday of Prophet Mohammad

This year the birth day anniversary of Prophet Mohammad, the greatest guide of the Islamic world, has been celebrated at a time when fortunately the true spirit of the teaching of Islam is realised in our social and economic conditions.

First and foremostly, the leadership of this country, which for years has been at the hand of the enemies of social justice, fell at the hand of the true friends and devotees of the downtrodden Muslims of this country.

Today we have a government of the people, the government that is totally at the service and for the wellbeing of the oppressed people and not for the tyrants who are not only the enemies of our people but also the enemies of all human beings.

The despots and tyrants, the anti-religious elements and Ikhwani-Shayateen and feudals and the exploiters along with their supporters which were monarchical system and the treacherous Nader-Daoud family have been eliminated from this land.

It was on this day, more than fourteen hundred years ago, that Prophet Mohammad the deliverer of millions of oppressed peoples from various kinds of oppression came into existence.

Prophet Mohammad with his spiritual revolution delivered the downtrodden from the tyranny and despotism of the tyrants and oppressors. Prophet Mohammad repeatedly asked the people not to perform tyrannical actions against the oppressed people because God

does not like those who are committing tyranny and oppression. We are so fortunate that now our Khalqi and progressive regime is doing away with the tyrannies that Muslims' Prophet had been ordering their elimination.

The revolutionary regime and the revolutionary people of the Democratic Republic of Afghanistan are pretty convinced and are very proud to have done away with the exploitation of man by man and paved the way for the development of such a society in which no enmity and fraud exist. We are happy and proud that no more usury and mortgaging exist in this land and it is obvious to our foes and friends both and they are watching the implementation of this great gift of our Khalqi revolution. While usury is totally forbidden in Islam mortgaging has not been common in Islam the way the exploiters are practicing it here and in other parts of the world. At any rate they have been eliminated in this land on the basis of the decree no. 6 of the RC of DRA.

Other decrees of the RC is doing away with the feudal and pre-feudal relations in this land in view of economic and social problems.

These are all in line with the orders of the sacred religion of Islam of which all true Muslims and the religious leaders throughout the world are convinced.

However, there are still some elements in the guise of Islam who want the oppressed people of the world and especially the

Islamic world to continue under oppressions of the tyrants and oppressors. These elements who are called Ikhwani-Muslims or Ikhwani-Shayateen, see the vested interests of themselves and their lords, the imperialists and colonialists, in danger thus bringing about all sorts of wrong propaganda against us.

They one time call us infidel, other time against religion and another time under influence of this country or that country.

While it is clear enough that we have full respect for Islam exemplified in the splendid celebration of the birth day of Prophet Mohammad throughout the country especially in the House of People in which a great number of our religious leaders and a great number of the diplomats of the friendly and brother Muslim countries took part.

His in effect was the first time that, unlike the previous deceitful regimes, such a splendid celebration was held. This means that we are not against Islam at all and neither there are any infidels nor our regime is under the influence of this or that country.

At this moment while we are praying for the soul of the great prophet of Islam we do carry our great tasks toward further development of social justice under the directives of our great leader Noor Mohammad Taraki, General Secretary of PDPA CC, President of the RC and Prime Minister who have delivered with his initiatives, our downtrodden from the tyranny and despotism.

THE KABUL TIMES

Vol. XVII, No. 265, Sunday, Feb. 11, 1979, Dabwa 22, 1357, S.H. PRICE AF. 6

HOLY PROPHET BIRTH ANNIVERSARY MARKED ALLOVER AFGHANISTAN

KABUL, Feb. 11, (Bskhtar).—The auspicious birth anniversary of the great Prophet of Islam Hazrat Rasul Akram Mohammad Mustafa was celebrated in grand functions throughout the country by millions of industrious Muslim people of Afghanistan.

The grand function held on this occasion at Dilkusha Palace of the House of People yesterday afternoon, was attended by the Minister of Justice and Attorney General, some members of the Central Committee of the People's Democratic Party of Afghanistan and the Revolutionary Council and some of the cadres and members of the People's Democratic Party, Kabul Municipality and a number of high ranking state officials, vice-president of the Jamiatul Ulama, President of the Court of Cassation, chiefs of the courts of Cassation, Court Department, President of Auqaf, Presidents of the Courts of the Ministry of Justice, President of Darul Uloom Arabi and Darul Haffaz and its teaching staff, dean and professors of the Faculty of Theology of the Kabul University, principal and teaching staff of the Abu Hanifa Madrasa and some scholars and ambassadors of the friendly countries in Kabul.

At the outset a few verses from the Holy Quran were recited and then the Minister of Information and Culture Barq Shafiee spoke on the virtue of the anniversary of Birthday of the great leader of the Islam Hazrat Mohammad Mustafa, (peace be upon him), and said: I have the honour to open this grand function on the occasion of the anniversary of the birthday of Prophet Mohammad which is held on the instruction of the Great Leader of the People of Afghanistan Noor Mohammad Taraki, General Secretary of the Central Committee of the People's Democratic Party of Afghanistan, President of the Revolutionary Council and Prime Minister.

The Minister of Information and Culture said:

It is a matter of pleasure, that this year this great day is celebrated in our country at a time when for the first time in the course of several centuries millions of industrious Muslim people of Afghanistan while enjoying complete freedom of will and action see the heavy shackles of the parasitic non-Muslim exploiters broken from th-

eir hands and feet in the bright light of the glorious Saur Revolution under the leadership of the great leader of the people of Afghanistan Noor Mohammad Taraki, President of the Revolutionary Council and Prime Minister and for the first time they offered their prayers to the soul of their great religious leader Hazrat Mohammad (peace be upon him), the Prophet of Islam under the soul-giving atmosphere of their revolution.

Barq Shafiee said: The toiling Muslims of Afghanistan are marking the anniversary of the birthday of Prophet Mohammad with all enthusiasm and hope for a glorious life void of exploitation of man by man because today they have realised more than any other time that man in the bonds of slavery and oppression and exploitation cannot worship God without freedom and will. Therefore the revolutionary Muslims of Afghanistan have understood that the belief diffused by a number of Muslim-looking parasites in man's slavery, in encouragement of tolerance towards oppression and exploitation of man by man is a great sin and is profoundly contrary to the teachings of the great Prophet of Islam.

The Minister of Information and Culture said: Our Khalqi state under the leadership of the People's Democratic Party of Afghanistan and the guidance of the strong teacher of the people Noor Mohammad Taraki, President of the Revolutionary Council and Prime Minister in the Basic Lines of Revolutionary Duties has mentioned the principle of respect to the sacred religion of Islam and it has been confirmed in the numerous speeches, and interviews of the great teacher of the people of Afghanistan.

The Muslim people of Afghanistan are all sure that at the progressive course of the movement of revolutionary Afghanistan has no smallest disturbing effect on the respectable beliefs of our Muslim people and that all the religious rules are seriously observed and the Muslim people of Afghanistan freely perform their religious services.

The Minister of Information and Culture said: Today if the chain-breaking Decree no. 6 is freeing the thin and bony bodies of eleven million people from the heavy burden of usury, imperialism and traders of

religion that is Ikhwanush Shayateen have no other way except to proclaim that at the cancellation of usury is against religion. What was profane in the Decree no. 7 to which the Muslim-looking traitors resort to. This decree was in effect forbad slavery which is hundred percent in conformity with the sacred religion of Islam. Equality of inseparable rights between woman and man are not contrary to the principles of religion. This decree according to our scholarly teacher brings woman and man close as two wings of a bird.

Baqe Shafiee said: The Decree no. 8 is in effect the turn on the great personality of the world Muslims's leader Prophet Mohammad, peace be upon him, and the virtue of the anniversary of birth day of the Prophet of the Islamic world. Their speeches were broadcast live over radio Afghanistan.

At the end of the function the audience attended a luncheon prepared at the House of the People in honour of the anniversary of the birthday of Prophet Mohammad, (peace be upon him).

Bakhtar reporters report from provinces of the country that millions of our toiling Muslims held

grand functions all over the country to celebrate the anniversary of the birthday of the Great Leader of Islam in which speeches were delivered and articles were read by the speakers on this auspicious day and prayed for the progress and advancement of Afghanistan, welfare and prosperity of the toiling people of Afghanistan under the leadership of the People's Democratic Party of Afghanistan.

The College of Theology also held a function on Holy Prophet's birth anniversary the news on which will be carried in tomorrow's issue.



Minister of Information and Culture Baqer Shafiee delivering his speech at the function held on the occasion of auspicious birthday of Prophet Mohammad (peace be upon him).

افغانستان کے مسلمانوں سے خطاب

وہی اشیاء اور گزراہستان کے مسلم پورڈ کے وائس چیئرمین اور سوویت یونین کے مسلمانوں کے نمائندے شیخ یوسف خاں شاکر ف نے افغانستان کے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ اس تقریر کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

افغانستان کے واجب الاحترام مسلمانوں اور دینی بھائیوں اور بہنوں آپ کے بھائی اور بہن یعنی ہم سوویت یونین کے وفادار مسلمان گذشتہ سال اس خوشگوار مدد و بزرگوں کو سن کر بہت خوش ہوئے تھے کہ افغانستان کی قدیم اور آزادی سے محبت کرنے والی سرزمین پر انقلاب اپریل برپا ہوا ہے۔ اس وقت سے ہم پوری توجہ اور گہری محبت کے ساتھ آپ کی سرزمین پر ہونے والی مبارک تبدیلیوں کو دیکھ رہے ہیں اور اللہ سے اپنے افغان بھائیوں اور بہنوں کی خوشحالی کیلئے دعا کر رہے ہیں۔ ایک سال قبل سے کچھ پہلے آپ کی سرزمین میں جو کچھ تیار ہوا ہے اور وہ طرز زندگی جو آپ کی پوری نسل گذشتہ رہا ہے قرآن کے اصولوں کی مطابق نہیں تھی۔ اسلام ایک ایسا مذہب جو تمام لوگوں اور تمام معاشروں کی خوشحالی کے لئے نیز سچائی، آزادی انصاف اور فلاح و بہبود کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔ لیکن جو لوگ اپریل کے مبارک مہینے سے قبل آپ کی زندگیوں پر حکومت کرتے رہے ہیں وہ لوگ قرآن کے اصولوں کو بے رحمی کے ساتھ سمجھ کر رہے ہیں۔ وہ لوگ سچائی کی جگہ جھوٹ و فریب، علم کی جگہ جہالت اور آزادی کی جگہ غلامی کو دیتے رہے ہیں۔ انہوں نے عوام کو فاقہ کشی، محنت اور ناخواندگی سے دوچار کر دیا تھا۔ انہوں نے افغان بھائیوں اور بہنوں کے درمیان مذہبی منافرت کا بیج بوکر انہیں ایک دوسرے کے خلاف کر دیا تھا۔ اور اب آپ کے بہترین فرزندوں کی بدولت آپ کی سرزمین پر ایک نئی زندگی جنم لے چکی ہے۔ وہ فرزند جنہوں نے آپ کی تقدیروں اور آپ کی سرزمین کے مستقبل کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالی ہیں اور سب تمام دنیا بھر افغانوں کی کوششوں کی بدولت حاصل ہو رہا ہے۔ محنت کش عوام اب وہ سب کچھ حاصل کر چکے ہیں جن کے حصول کے لئے وہ صدیوں سے خواب دیکھ رہے تھے۔ یعنی زمین، آزادی اور قیود بند سے نجات۔ اب وہ پورے سیاسی حقوق، آزادی، ضمیر، امن اور خوش حالی حاصل کر چکے ہیں۔

آپ اس وقت کو یاد کریں کہ انقلاب سے قبل آپ کس طرح رہتے تھے۔ آپ کو بھیجے تو کے سے رات کے دھند بکھے تک اس زمین پر کام کرنا پڑتا تھا۔ جو جاگیر دار کی ملکیت تھی۔ ہر گاہ کہ آپ نے خود ہی ایک بد نصیب طرز زندگی کو طول دیا تھا۔ نئے اقتدار کے قیام کے بعد ابتدائی دنوں کے دوران ہی آپ کو زمین مل گئی۔ قرآن پاک نے تعلیم دی ہے کہ زمین ان لوگوں کی ملکیت ہے جو اس پر کاشت کرتے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد، بیٹوں اور بیٹیوں پر عزت اور بیماریاں صدیوں تک ختم رہیں۔ مسئلہ یہ کہ دی گئی تھیں۔ نئی زندگی کے ابتدائی دنوں کے دوران حکومت نے لوگوں

کو مفت طبی سہولتیں فراہم کیں قرعہ مشینری اور ناچ دے کہ غریب ترین خاندانوں کی امداد کی اور انہیں سرچھپانے کے لئے میگزین فراہم کی۔ صدیوں سے لوگوں کو علم و تعلیم کے نور سے محروم رکھا گیا تھا۔ حکومت نے اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں تمام اسکولوں، اداروں اور دیگر درس گاہوں کو عوام کے تعارف میں دے دیا ان سب تبدیلیوں نے آپ کے حقیقی دوستوں کو خوشی اور آپ کے دشمنوں کو نفرت سے بھر دیا ہے۔ ان میں اور تو وہ لوگ ہیں جو زمینوں کے مالک تھے اور انہوں نے قومی دولت کو غنیمت کیا۔ وہ لوگ جنہیں تمام مراعات حاصل تھیں اور وہ انہیں ہر حال میں دوبارہ حاصل کرنا چاہیں گے وہ لوگ اسلام کی تعلیمات کی آڑ میں اس کی صحیح روح کو مسخ کر کے اپنا صحیح چہرہ چھپا رہے ہیں جو افغان عوام کے دشمنوں کا چہرہ ہے۔ یہ لوگ آپ کو اپنی جیبوں میں رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کو انسانی وقار سے محروم کرنا اور آپ اور آپ کے خاندانوں اور آپ کے کمپوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔ آپ کی ناواقفیت اور تعصبات کے پس ماندہ نظریات سے فائدہ اٹھا کر اسلامی طرز طریقوں اور روایات کے بارے میں اسلام کی صحیح تعلیمات کو مسخ کر کے وہ آپ کو خریب دینے اور آپ کو اپنے ناپاک منصوبوں کے لئے آلہ کار بنا کر آپ کو خریب دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے ذلیل افعال میں ان کی امداد آپ کے عکس سے باہر رہنے والے وہ لوگ کر رہے ہیں جنہیں آپ کی زندگیوں کا قطعی کوئی خیال نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور بھڑک کا بیج بو رہے ہیں کیونکہ انہیں قرآن پاک کا کوئی خیال نہیں ہے۔ جو کہ درحقیقت یہ کہتا ہے کہ تمام اہل عقیدہ بھائی بھائی ہیں۔

افغانستان کے واجب الاحترام مسلمانو!

قرآن پاک حکم ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی شخص پیغام لاتا ہے تو آپ کو اس خبر کی صداقت کے بارے میں بار بار تصدیق کرتی ہے۔ ورنہ ایک آیت آپ کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ اور بے گناہ انسانوں کا خون بہہ سکتا ہے۔ آپ اشتعال انگیزوں پر کان نہ دھریں اور اپنی حکومت کے تمام اعلیٰ سطحی اقدامات پر اس کی حمایت کریں یہ آپ کے مفادات اور عقیدے کی ضمانت ہے اور تمام مسلمانوں کی اخوت کو مضبوط بنانے کے لئے حتی الامکان کوشش کریں یہ ماضی کو عزت اور جہالت جیسی منہیتوں کے ساتھ واپس نہ آنے دیجئے۔

ہم سوویت یونین کے مسلمان کئی عشروں سے افغان عوام کے ساتھ برادرانہ تعلقات برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اور گزشتہ برسوں کی طرح آج بھی ہم ایک نئی زندگی کے لئے آپ کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ ہیں۔ اپنے گھر کے مالک بننے کے لئے آپ کی جدوجہد کی ہم بھرپور حمایت کرتے ہیں اور دعاگو ہیں کہ آپ کی خدمات کا ثمرہ افغان عوام کی خوشحالی کی ضرورت کو پورا کرے۔ عزیز ہمسایو، واجب الاحترام دینی بھائیو! آپ کی خوشحالی کے لئے دعا کرتے ہیں۔

ہم یہ اعتماد کرتے ہیں کہ عقل و دانش کو دیوانگی پر فتح حاصل ہوگی اور آپ کی سرزمین میں امن
بہال ہو جائے گا۔ خدا آپ کی مدد کرے

سوشلزم

اس صدی کی سب سے بڑی سچائی ہے

عوامی جمہوریہ پولینڈ

ایک سوئٹ ریاست۔ تین پینتیس برس پہلے ایک شمار یورپ کے پیمانہ ممالک میں
ہوتا تھا لیکن آج ایک شمار دنیا کے حقیقی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔

یہ کیا کلپ کیسے ہوئی؟

ہم سوئٹ میں سوئٹ یونین اور سوئٹ ممالک کی ترقی پر جانی کا اظہار کرتے ہیں کیوں؟
اس لیے کہ ہم ان کے متعلق پڑھنے کو متوجہ بہت مل جاتا ہے لیکن
مشرقی یورپ کے سوئٹ حلقوں نے بارے میں پاکستانیوں کو بہت کم علم ہے

نے عوامی جمہوریہ پولینڈ کا سفر کیا ہے اور اس نے آج اسی جمہوریہ
عبداللہ ملک پولینڈ کی پوری تاریخ اور اس کی ترقی اور اس کے سوشلزم کے
بارے میں اس مختصر سی کتاب میں پوری تفصیل سمجھائی ہے۔

اس سے سوشلزم

کے بارے میں

بہت سی غلط فہمیاں

دور ہوئے گئے۔

و عمدہ کتابت و دیدہ زیب طباعت

و سفید علی کاغذ۔ قیمت ۱۰ روپے

گوٹری پبلشرز
۱۳۴ ٹیپو بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۰
فون ۸۵۱۴۰۰

پانچواں باب

بنیادی تبدیلیاں

نئی زندگی — نئے اسلوب

اصلاحات سے متعلق حکمائے

انقلاب کی کامیابیاں

نور محمد ترکمٹے

زرعی اصلاحات

لطیف چوہدری

۱۔ ”افغانستان کے انقلاب نے عوام کو کتنے سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچائیں ہیں اس کا اندازہ افغانستان کے حکمرانہ جماعت خلع پارٹے کے اجلاسوں میں پیش کیے جانے والے مختلف رپورٹوں سے ہو سکتا ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن ممالک میں حقیقی جمہوری قومی انقلاب پایا ہوتا ہے وہاں انقلاب کو کامیاب بنانے اور اسے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے پوری ذمہ داری اسے جماعت پر ہی عائد ہوتی ہے جس نے انقلاب پایا کیا ہے۔ چنانچہ انقلاب کے بعد اپنے جماعت کے مرکز سے کیٹے کے روبرو پارٹے کے سیکرٹری جنرل نور محمد ترکئی نے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں یہ رپورٹ پیش کی تھی، اسے وقت انقلاب کو پایا ہوئے پانچ ماہ کا قلیل عرصہ گزرا تھا۔

عوامی انقلاب کا صحیح اندازہ انقلابی حکومتوں کے عمل سے ہوتا ہے اور اسی عمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ انقلاب بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ جب تک سماجی رشتے تبدیل نہیں ہوتے، جب تک استحصالی طبقوں کی من مانی کارروائیوں پر پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔ جب تک کہ محروم طبقوں کو ذرائع پیداوار پر تصرف حاصل نہیں ہوتا۔ اس وقت تک کوئی تبدیلی صحیح معنوں میں انقلاب نہیں کہلا سکتی۔ یہ جاننا اور سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ آج کی دنیا میں بہت سے ممالک میں استحصالی طبقے صرف چہرے بدل کر اس تبدیلی کو انقلاب کا نام دے دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملک فریو زخاں نوں ۱۹۵۸ء میں پاکستان کے وزیر اعظم تھے اور جنرل ایوب نے ان کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اس کو انقلاب کا نام دے دیا گیا، یا پھر ۱۹۷۷ء جولائی ۱۹ء کو جنرل ضیا نے اقتدار پر قبضہ کر کے اس کو انقلاب کا نام دے دیا گیا۔ حقیقتاً یہ انقلاب نہیں ہے۔ اور ان تبدیلیوں نے نہ سماجی رشتوں میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کی اور نہ ہی عوام کی زندگیوں میں ہی کوئی آسانیاں پیدا ہوئیں بلکہ تھوڑی بہت جو جہوری آزادیاں حاصل تھیں وہ بھی چھین گئیں اور مارشل لا نافذ ہو گیا۔ اب یہ انقلاب نہیں کہلا سکتا، اس صورت حال میں افغانستان میں داؤد حسنہ خاں ہر شاہ کا جو پانسہ پلٹا تھا۔ وہ انقلاب نہیں تھا۔ لیکن جب داؤد کا تختہ الٹ گیا تو اس کو ہم انقلاب کہہ سکتے ہیں۔ اس انقلاب کے کردار پر افغانستان کی حکمران جماعت خلقی پارٹی کے ایک قائد اور افغانستان کے وزیر اعظم حفیظ اللہ امین کا ہم یہ حاصل تبصرہ انہی صفات میں شامل کر رہے ہیں۔ لیکن اس وقت انقلاب کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنا مقصود ہے اور وہ ہے انقلابی حکومت کا عمل۔ اس عمل کے جاننے کے لئے افغانستان کی انقلابی کونسل کے ان حکمناموں کو جاننا ضروری ہے۔ جن کی رو سے، سو پر پابندی عائد کی گئی، زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں، زمین شدہ اراضی کو واکڈار کر دیا گیا۔ جہیز کی لعنت کو ختم کیا گیا۔ مختلف قومیتوں کی زبانوں اور۔۔۔ بجا و تمدن کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ شروع کے دو حکمناموں کے ذریعے افغانستان کی حکومت کے قیام اور نور محمد ترکئی کی صدارت کا اعلان کیا گیا باقی کے حکمناموں میں سو پر پابندی، جہیز کا خاتمہ۔۔۔ اصلاحات کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ حکمنامے تفصیل سے میں نے دے دیئے ہیں۔

حکمنامہ نمبر ۳

اللہ تعالیٰ کے نام پر جو رحم کرے نوالا اور بخشے والا ہے۔

۳ مئی ۱۹۷۸ء

۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کے فوراً انقلاب کی کامیابی کے موقع پر ہم نے اہل وطن کو مطلع کر دیا تھا کہ محمد داؤد کا وضع کیا ہوا آئین منسوخ کر دیا گیا ہے۔

جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل نے محکمہ اوقاف اور عدلیہ کو از سر نو منظم کرنے کے لئے تاکہ مملکت، حکومت اور عوام کے قانونی حقوق کا تعین ہو سکے یہ حکمنامہ جاری کیا۔

دفعہ نمبر ۱ آئین کی منسوخی کے باوجود وہ تمام قوانین جو جمہوریہ افغانستان کے مقاصد کے منافی نہیں ہیں وہ پہلے کی طرح برقرار رہیں گے اور ان کا رد و زمرہ زندگی پر بدستور اطلاق ہوتا ہے گا۔

دفعہ نمبر ۲ پہلے قانون کے تحت جو اختیارات سپریم کورٹ کو حاصل ہیں اب اس حکمنامے کے بعد وہ تمام اختیارات جمہوریہ افغانستان کی اعلیٰ جوڈیشل کونسل کو تفویض کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اعلیٰ جوڈیشل کونسل جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل کو جوابدہ ہوگی۔
یہ جوڈیشل کونسل مشتمل ہوگی۔

۱۔ وزیر عدل۔ جو اس کونسل کے صدر بھی ہوں گے۔

۲۔ عدالتی امور کے نائب وزیر۔ رکن

۳۔ عدالت اپیل کے صدر۔ رکن

۴۔ اوقاف اور انتظامی امور کے نائب وزیر۔ رکن

۵۔ ڈپٹی ٹارنی جنرل۔ رکن

۶۔ ان کے علاوہ وزیر اوقاف انقلابی کونسل کی منظوری سے جن دوسرے افراد کو اس کونسل میں شامل کرنا چاہیں کر سکیں گے۔

جوڈیشل کونسل الگ سے شہریوں کے جمہوری حقوق اور مفادات کے بارے میں وقتاً فوقتاً احکام جاری کرتی رہے گی۔ یہ تمام احکام جو جوڈیشل کونسل جاری کرے گی یہ افغان عوام کی بنیادی انقلابی خواہشات جن کا اظہار جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل کے فیصلوں میں کیا جائے گا کے مطابق ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۳ جوڈیشل کونسل کے اختیارات ان تمام دیوانی مقدمات پر بھی ہوں گے جن میں دعوے دار یا اپیل کنندگان نے دعوے دائر کر رکھے ہیں اور ان کے فیصلے قانون کے مطابق کئے جائیں گے۔

دفعہ نمبر ۴ عدالتوں کے تمام فیصلوں پر فوری عملدرآمد کیا جائے گا۔ سوائے ان فیصلوں کے جہاں موت کی سزا دی گئی ہے۔ کیونکہ موت کی سزا کی توثیق کے لئے جمہوریہ افغانستان کے صدر کی منظوری ضروری ہے۔

دفعہ نمبر ۸ قانون میں جو اختیارات صدر مملکت کو تفویض کئے گئے ہیں وہ اب سے انقلابی کونسل کے صدر کو بھی حاصل ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۹ قانون میں جو اختیارات چیف جسٹس کو تفویض کئے گئے ہیں وہ اب وزیر انصاف کے پاس ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۱۰ عدالت ہوائقلابی فوجی عدالت کہلائے گی قائم کی جائے گی اور یہ اس وقت تک کام کرتی رہے گی جب تک جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل اس کو توڑنے کے احکام صادر نہیں کرتی اور یہ عدالت صرف جمہوریہ کی انقلابی کونسل کو ہی جوابدہ ہوگی۔

ان فوجی عدالتوں پر انہی قواعد کا اطلاق ہوگا جو کورٹ مارشل پر لاگو ہوتے ہیں۔

یہ عدالتیں ایک جگہ پر بھی لگائی جاسکتی ہیں اور گھوم پھر کر بھی مقدمات کا فیصلہ کر سکتی ہیں۔

دفعہ نمبر ۱۱ انقلابی فوجی عدالتوں کے ججوں کا تقرر انقلابی کونسل کی طرف سے مل میں آئے گا۔ مول اور فوجی احکام یا انخاص جنہوں نے انقلاب ثور کے مفادات کے خلاف کوئی اقدام کیا ہوگا یا جن سے جمہوریہ افغانستان کے داخلی یا خارجی استحکام کے خلاف کوئی جرم سرزد ہوا ہوگا ان کے خلاف مقدمات کا فیصلہ فوجداری قانون اور انقلابی کونسل کے احکام کے مطابق کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۲ جمہوریہ افغانستان کے تمام دوسرے شعبے اپنے فرائض قانون اور مردہ احکام کے تحت ادا کریں گے۔

دفعہ نمبر ۱۳ سول ہر دوس کے متعلق قانون کی دفعہ ۱۳ میں ایک جیسے کام کے لئے ایک جیسی تنخواہ کے سلسلے میں یہ ترامیم کی گئی ہیں۔

۱۔ "انتظامیہ جب بھی ضروری سمجھے کسی بھی سرکاری ملازم جو قابل اور موزوں ہو کو قانون کی دفعہ نمبر ۱۱ کے تحت اس کے اپنے عہدے سے اعلیٰ عہدے پر مقرر کر سکتی ہے۔"

۲۔ انتظامیہ جب بھی مناسب سمجھے جمہوریہ افغانستان کے کسی بھی شہری کو جو قابل اور موزوں ہو کو دفعہ نمبر ۱۱ کے اختیارات کے تحت کسی بھی عہدے پر مقرر کر سکتی ہے اور اس ضمن میں دفعہ نمبر ۱۱ آئے نہیں آئے گی اور اس کو اس کے عہدے کے مطابق تنخواہ اس وقت سے ادا کی جائے گی جب اس کا تقرر مل میں آئے گا۔

۳۔ سول ملازمین کی ترقیوں اور ریٹائرمنٹ کے جانے کے متعلق قانون کی دفعہ ۲ کے تحت قواعد از سر نو مرتب دیئے جارہے ہیں جن کا جلد ہی اعلان کر دیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۴ تھروڈیفینٹس، استاد یا دوسرے ملازمین جن کی ترقیاں رکی ہوئی تھیں ان کو کامیاب انقلاب کے دن سے ترقی دی جائے گی اور جن ملازمین کی ترقیاں اس زمانے میں ہونے والی تھیں ان کو ایک مزید گریڈ کی ترقی دی جا رہی ہے۔

حکمنامہ نمبر ۴

۵ مئی ۱۹۷۸ء: داؤد حکومت، بتو دم دشمنی، عوام دشمن اور غیر جمہوری حکومت تھی نے تمام کارروائیاں اپنی آمریت اور نادر شاہی خاندان کی لوٹ کھسوٹ کی حفاظت کے لئے ہماری رکھی تھیں، ان مسلمہ عوام دشمنوں نے افغان عوام کے تمام جمہوری حقوق اور شہری آزادیوں کو پامال کر رکھا تھا اور ظلم و جبر و ذمہ کا معمول تھا، یہ ظلم نادری خاندان جو نصف صدی تک افغانستان پر حاکم رہا نے پوری انتظامیہ کو نوآبادی انتظامیہ میں تبدیل کر دیا اور ان کی حکومت کی پالیسیوں کی اساس ”پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو“ پر تھی۔ ان کا مقصد عوام کے اتحاد کو کمزور کرنا، قبائل کو آپس میں لٹانا اور ایک قومیت کو دوسری قومیت سے متصادم کرنا تھا۔ اس خاندان کی حکومتوں نے تمام قومیتوں کی زبانوں اور ثقافت کو فسطائی اور غیر جمہوری طریقوں سے دبا رکھا تھا اور مختلف قومیتوں کو ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ انہوں نے مختلف قومیتوں کی ثقافت اور زبانوں کے نشوونما کے سلسلے میں رتی بھر کوشش نہیں کی بلکہ ان کی ترقی اور نشوونما کو رد کرنے کی مسلسل کوشش کی۔

اپریل کا کامیاب انقلاب جو ایک حیات نو کا پیغامبر بن کر آیا ہے۔ نے ہر قسم کے ظلم و جبر اور قومیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کو ختم کر دیا ہے اور عوام کو سرداروں کے ظلم و جبر سے نجات دلا دی ہے اور جمہوریہ افغانستان کے انقلابی مقاصد کے مطابق تمام قومیتوں کی نشوونما کے لئے موافق ماحول پیدا کرنے کا عزم کر رکھا ہے ان مقاصد کے مطابق تمام قومیتوں کی زبان، ادب اور مطبوعات کا اہتمام کیا جائے گا۔ تمام قومیتوں اور قبائل کی مادری زبان کی نشوونما کی جائے گی تاکہ افغانستان کی ترقی پسند اور قومی ثقافت وجود میں آ سکے اور قومی مسائل کا جمہوری حل ڈھونڈا جاسکے۔ اس لئے جمہوریہ افغانستان کی حکومت نے ان مقاصد کے حصول کے لئے ملکی اقدام کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے فوری طور پر فیصلہ کیا گیا ہے کہ۔

وزارت اطلاعات و ثقافت، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تمام پروگراموں کو ازبکی، ترکمانی، بلوچی اور نورستانی زبانوں میں بھی پیش کیا جائے گا۔ اور ان تمام قومیتوں اور قبائل کی تہذیب و ثقافت کا اظہار ان پروگراموں میں بھرپور انداز میں کیا جائے گا تاکہ ہمارے عظیم پیارے افغانستان کی تہذیب و ثقافت مجموعی طور پر نشوونما پاسکے۔

حکمنامہ نمبر ۵

جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل نے یہ حکمنامہ افغانستان کے شہریوں کی شہریت اور ملک دشمنوں اور غداروں کی شہریت کے حقوق کی منسوخی سے متعلق ہے اس حکمنامے میں درج ہے۔
افغانستان کے کسی شہری کو شہری حقوق تفویض کرنا اور کسی کو شہری حقوق سے محروم کرنے کی ذمہ داری

جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل کے دائرہ اختیار میں ہے۔

افغانستان کے ہر شہری کو جہاں کچھ حقوق اور آزادیاں حاصل ہیں وہاں اس پر کچھ فرائض بھی عائد ہیں؛ ملک کی آزادی کی تائید اور حفاظت کرنا۔ علاقائی سالمیت اور قومی آزادی کا تحفظ کرنا اور انقلاب افغانستان کی تکمیل کرنا۔ انقلابی کونسل کے احکام اور حکومت کے قوانین کی پابندی کرنا۔ عوام کی ملکیت کی حفاظت کرنا۔ خود یا کسی کو سرکاری املاک کو ناجائز تصرف میں لانے یا غلط استعمال کرنے سے روکنا اس کو ذاتی یا خاندانی تصرف میں لانے سے باز رکھنا۔ یہ تمام شہریوں کے فرائض میں شامل ہیں۔

شہریوں کے یہ بنیادی فرائض ہیں۔ ان فرائض سے کوتاہی یا انحراف ملک و قوم اور عوام سے غداری کے مترادف تصور ہوگا اور اس کے لئے کڑی سے کڑی سزا دی جاسکتی ہے اور اسے ناقابل معافی جرم تصور کیا جائے گا۔ اس بنیاد پر یہ صاف ظاہر ہے کہ نادر خاں اور ان کے بھائیوں کے خاندان کے تمام بائخارا کیسے بن میں محمد ظاہر شاہ اس کے لئے اس کے داماد عبدالولی اور عزیز نعیم شامل ہیں اور جو آجکل ترک وطن کر کے باہر مقیم ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ملک کے بیرونی دشمنوں سے ساز باز کی ہے اور قومی سالمیت، عوامی مفاد اور ملکی آزادی کو شدید نقصان پہنچایا ہے اور انہوں نے ملک کی املاک کو لوٹا ہے اور ذاتی استعمال میں لانے میں لہذا

جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل ان کو قومی خدائر قرار دیتی ہے، ان کو تمام حقوق سے محروم کرتی ہے اور ان کے جمہوریہ افغانستان کے حقوق شہریت منسوخ کرتی ہے۔ اور تمام بین الاقوامی ذرائع کو مطلع کرتی ہے کہ ذیل کے ۱۲ افراد جمہوریہ افغانستان کے شہری نہیں رہے ہیں۔

- ۱۔ عبدالولی ولد شاہ ولی
- ۲۔ بیگم بلیقیس، دختر ظاہر شاہ اور زوجہ عبدالولی
- ۳۔ احمد شاہ پسر ظاہر شاہ
- ۴۔ بیگم خاتون زوجہ احمد شاہ
- ۵۔ محمد نادر پسر ظاہر شاہ
- ۶۔ بیگم سہیل ہار زوجہ محمد نادر
- ۷۔ ولی شاہ ولی پسر شاہ ولی
- ۸۔ بیگم مرغلی زوجہ ولی شاہ ولی
- ۹۔ مصطفیٰ ولی شاہ ولی پسر ولی شاہ ولی
- ۱۰۔ سلطان محمود غازی
- ۱۱۔ بیگم عالیہ محمود زوجہ سلطان محمود غازی
- ۱۲۔ محمد عزیز نعیم پسر محمد نعیم
- ۱۳۔ بیگم مریم عزیز نعیم زوجہ عزیز نعیم

- ۱۴۔ محمد داؤد پسر ظاہر شاہ
- ۱۵۔ بیگم فاطمہ داؤد زوجہ محمد داؤد پسر ظاہر شاہ
- ۱۶۔ محمود غازی
- ۱۷۔ محمد ظاہر شاہ
- ۱۸۔ بیگم حمیدہ ظاہر شاہ
- ۱۹۔ میرد اعظم ظاہر پسر ظاہر شاہ
- ۲۰۔ بیگم تورپائی کائی محمود غازی و دختر محمد داؤد پسر ظاہر شاہ
- ۲۱۔ بیگم شمارا السراج زوجہ شاہ ولی
- ۲۲۔ طارق عارف پسر پرنس محمد عارف و اما و عبد الولی
- ۲۳۔ حمیزولی زوجہ طارق عارف

حکومت نامہ نمبر ۱

۲ جولائی ۱۹۷۸ء

ثور انقلاب کی کامیابی نے استحصال کرنے والے طبقوں کی محروم طبقوں پر سیاسی برتری کو ختم کر دیا ہے اور اب افغانستان کی خلیق پارٹی کی سرمنائی میں ایک نئے جمہوری معاشرے کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔
افغانستان کے پس ماندہ اور پسے ہوئے عوام کی خوشحالی کے لئے اقدام جمہوریہ افغانستان اپنا بنیادی فرض سمجھتی ہے اور ان انقلابی فرائض اور ذمہ داریوں سے وہ عہدہ برآ ہونے کے لئے سب سے زیادہ ترجیح کسانوں کی ہیوسود کو دیتی ہے جن کی زمینداروں نے حدیوں سے سودا در رہن شدہ اراضی کے ذریعے کمزور رکھی ہے اور یہ آج تک زمینداروں اور سودخوروں کے چنگل سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔ اس لئے جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل نے یہ حکمت نامہ جاری کیا ہے تاکہ لاکھوں محنت کش کسان تانان استحصالی طبقوں کے چنگل سے آزاد ہو سکیں۔

آرٹیکل نمبر ۱ مرزبن کو جس نے کسی ایسے شخص کی اراضی گروی لی ہوئی ہے جس کے پاس ۱۹۷۲ء میں پانچ ایکڑ اراضی درجہ اول یا اس سے کم اراضی تھی اب یہ اراضی بغیر اصل رقم لئے مانگ کو واپس کرنی ہوگی اب مرزبن کو موجودہ فصل اٹھانے کا فقط حق ہوگا۔

آرٹیکل نمبر ۲ اگر ماہن نے کسی ایسے شخص کی اراضی حاصل کی ہے جس کی ۱۹۷۲ء میں کل ملکیت ۵۰۰۰۰۰ افغانی تھی اور درجہ اول یا اس سے کم تھی تو اسے اب کھڑی فصل حاصل کرنے کا حق ہوگا اور اس کو اسے واپس کر کے اپنا روپیہ ماہن سے ذیل کے طریقوں میں واپس لینے کا حق ہوگا۔

۱۔ اگر اراضی کو ۱۹۷۲ء میں رہن رکھا گیا ہے تو پھر صرف ۲۰ فیصد قرضہ ایک سال کے اندر اندہ واپس کرنا ہوگا۔

۲۔ اگر اراضی ۱۹۷۴ میں رہن رکھی گئی ہے تو پھر ۴ فیصد قرضہ ایک سال کے بعد دو سال کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا۔

۳۔ اگر اراضی ۱۹۷۵ میں رہن رکھی گئی ہے تو اس صورت میں ۶۰ فیصد قرضہ ایک سال بعد تین سال کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا۔

۴۔ اگر اراضی ۱۹۷۶ میں رہن رکھی گئی تو اس صورت میں ۸۰ فیصد قرضہ ایک سال بعد چار سال کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا۔

۵۔ اگر اراضی ۱۹۷۷ میں رہن رکھی گئی ہے تو ۹ فیصد قرضہ ایک سال بعد دو سال کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا۔ جو کسان دوسروں کی اراضی میں بحیثیت ملکیت مزید کام کر رہے ہیں ان کے تمام قرضے اور سود معاف کر دئے گئے ہیں اور ان کو اب نہ تو قرضہ چاہوں نے زمین اراضی سے لیا ہے۔ ادا کرنا ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کا سود ادا کرنا ہوگا۔

اٹریکل نمبر ۳ | یہ زمین کسان یا وہ کسان جن کے پاس کل ملکیت ۵ ایکڑ اراضی یا اس کے برابر ہے ان کو بھی ایسے قرضوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے جو قرضے ۱۹۷۲ سے پہلے انہوں نے کسی ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص سے حاصل کیا ہو، اس کے ساتھ ہی سود بھی معاف کر دیا گیا ہے۔

اٹریکل نمبر ۵ | ۵ ایکڑ اراضی کے مالک کسانوں کو ۱۹۷۲ کے بعد حاصل کئے گئے قرضوں اور گروی شدہ اراضی کی داغ بیل اٹریکل ۲ کے تحت کی جائے گی بشرطیکہ تحریری قانونی دستاویزات موجود ہوں۔

اٹریکل نمبر ۶ | رہن نامہ اور قرضوں کی تمام تفصیلات اٹریکل ایک سے پانچ تک ملکر آمد کے بعد کا عدم تصور ہوں گے۔

اٹریکل نمبر ۷ | یہ حکمانہ اسی وقت سے نافذ العمل ہوگا جیسے ہی یہ سرکاری گزٹ میں شائع ہو جائے گا۔ ان حکمانوں کے ساتھ ایک تتمہ بھی لگایا گیا ہے جس میں درج ہے۔

حکمانہ نمبر ۶ کے نفاذ کا مقصد افغانستان کے عوام کی بہبود اور خوشحالی کی ضمانت دینا ہے بالخصوص محنت شاقہ کرنے والے باعزت کسانوں کی خوشحالی اس حکومت کو سب سے زیادہ عزیز ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے مقامی اہلکاروں پر زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس لئے جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل اس حکمانہ نمبر ۶ کے نفاذ کے سلسلے میں کسانوں کو جو مسائل سے دوچار ہوں گے ان کے حل کے لئے کمیٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور ان کمیٹیوں کے فرائض ذیل میں تفصیلی طور پر دیئے جا رہے ہیں۔

پہلا باب

اٹریکل نمبر ۱ | کسانوں کو جو مسائل درپیش ہیں اس کے لئے woloswala نسل کی سطح پر کمیٹی قائم کی جائے گی۔ ہر کمیٹی کو آگے اپنے علاقوں میں خلی سطح پر کمیٹیاں قائم کرنے کا اختیار ہوگا امدان سے وقتاً فوقتاً مشورہ کیا جاتا رہے گا۔

آرٹریکل نمبر ۳ | WOLOSOWALI ضلع کیٹی صوبائی کمیٹی کی اجازت سے اپنے اختیارات بحالی کمیٹیوں کو تفویض کر سکتی ہے۔ یہ اختیارات نزدیکی WOLOSOWALI ضلعی کمیٹی کے علاقوں کی کمیٹیوں کو بھی تفویض کئے جاسکتے ہیں۔

آرٹریکل نمبر ۴ | WOLOSOWALI ضلع کیٹی صوبائی کمیٹی کے سامنے جو ابجدہ ہوگی اور اس کے ماتحت ہی یہ کمیٹی کام کرے گی۔

آرٹریکل نمبر ۵ | یہ WOLOSOWALI (ضلع کیٹی) مندرجہ ذیل اراکین پر مشتمل ہوگی۔

۱۔ ضلع (WOLOSOWALI) کا سربراہ اس کمیٹی کا صدر ہوگا۔

۲۔ سرکاری اراضی کا انچارج افسر کمیٹی کا رکن۔

۳۔ انارٹی جنرل کا نمائندہ۔

۴۔ کسانوں کے دو نمائندے بحیثیت رکن۔

۵۔ تعلیمی افسر بحیثیت رکن۔

۶۔ زرعی افسر بحیثیت رکن۔

دوسرا باب

WOLOWALI (ضلع کیٹی) جو کسانوں کے مسائل حل کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے اس کے فرائض۔

آرٹریکل نمبر ۱ | اس کمیٹی کے مندرجہ ذیل فرائض اور ذمہ داریاں ہیں۔

۱۔ زمیندار اور مزاحمت کے درمیان جھگڑوں کا منصفانہ تصفیہ اور گروہی شدہ اراضی کو ان کے جائز مالکوں کو واپس دلانا۔

۲۔ مالیر کے رجسٹروں اور دوسری قانونی دستاویزات کی بنیاد پر مالکانہ حقوق کا تعین اور زیر کاشت رقبے کا از سر نو تعین۔

۳۔ کھڑی فصل کا تعین اور حکیمانہ نمبر ۴ کے آرٹیکل ایک اور دو کے تحت گروہی شدہ اراضی کی واپسی کا فیصلہ۔

۴۔ رہن اور سود کے بارے میں دستاویزات کی چھان بین ان کی صحت کے متعلق فیصلہ اور ان کی صحیح تاریخوں کا تعین۔

۵۔ بے زمین کسانوں اور کھیت مزدوروں کی تشخیص۔

۶۔ قرضوں کے بارے میں دستاویزات کی چھان بین اور ان قرضوں اور رہن ناموں میں امتیاز کرنا اور ان کے بارے میں کسی فیصلے پر پہنچنا۔

آرٹریکل نمبر ۲ | یہ کمیٹیاں اس امر کا بھی تعین کریں کہ کسانوں کی کن تنظیموں اور کن افراد کو زرعی بنک سے کھاد، بیج، فصلوں پر چھڑکنے کے لئے ادویات وغیرہ کے لئے قرضے دیتے جانے چاہئیں،

ان کے علاوہ یہی کمیٹیاں زرعی آلات اور مشینری اور دوسری سہولتیں مہیا کرنے کا کام بھی کریں گی۔

تیسرا باب

جہاں تک صوبائی کمیٹیوں کا تعلق ہے وہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ہوں گی۔
آئریکٹل نمبر ۸ ۱۔ صوبائی گورنر اس صوبائی کمیٹی کا صدر ہوگا۔

۲۔ صوبائی آڈیٹر جنرل بحیثیت رکن۔

۳۔ سرکاری اراضی کا ڈائریکٹر جنرل۔

۴۔ ڈائریکٹر جنرل زراعت۔

۵۔ ڈائریکٹر جنرل کاشتکاری۔

۶۔ تعلیم کا ڈائریکٹر جنرل۔

۷۔ کسانوں کے تین نمائندے۔

یہ صوبائی کمیٹیاں ضلع کمیٹیوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرے گی اور یہ اپنے فیصلوں کو منظور یا منظور کر سکتی اور نئے احکام بھی صادر کرنے کی مجاز ہے۔
آئریکٹل نمبر ۹

ضلع کمیٹی اگر کسی جھگڑے کا فیصلہ نہیں کر پاتی اور وہ معاملہ صوبائی کمیٹی کو بھیج سکتی ہے۔
آئریکٹل نمبر ۱۰

ہر صوبائی مرکز ضلع کمیٹی کی سفارش پر اپنی کمیٹی قائم کر سکتا ہے لیکن اس کمیٹی کی منظوری صوبائی کمیٹی سے حاصل کرنا ہوگی۔
آئریکٹل نمبر ۱۱

صوبائی کمیٹیوں کے فیصلے آخری اور حتمی ہوں گے۔
آئریکٹل نمبر ۱۲

جیسے ہی سرکاری گزٹ میں شائع ہوگا اسی دن سے اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا۔
آئریکٹل نمبر ۱۳

اسی طرح سے حکمران نمبر ۳ کے ساتھ بھی تتمہ دیا گیا ہے اس کی رو سے جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل نے معمولی نوعیت کے مقدمات کو نمٹانے کے لئے لائحہ عمل تجویز کیا ہے تاکہ تفصیل طلب مقدمات جمع نہ ہونے شروع ہو جائیں اور عوام کو حصول انصاف میں دشواریاں نہ پیش آئیں۔ اس لئے ابتدائی اپیل کی سماعت کو والی عدالتوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

دیوانی مقدمات میں جہاں مقدمہ ۲ سو افغانی کی مالیت تک ہو اس میں ابتدائی عدالت کا فیصلہ حتمی تصور ہوگا۔
آئریکٹل نمبر ۱۴

اسی طرح عدالت اپیل کا جہاں دیوانی مقدمہ ۲ سو افغانی مالیت تک ہو اور اگر عدالت مقدمہ ۲ سو افغانی مالیت تک ہو فیصلہ حتمی تصور ہوگا۔
آئریکٹل نمبر ۱۵

حکمنامہ ۷

بہین

یہ حکمنامہ انقلاب کے بنیادی اغراض و مقاصد کی مشق نمبر ۱۲ کے اطلاق کے لئے جاری کیا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد

۱۔ عورت اور مرد کی مساویانہ حیثیت کی ضمانت دینا اور قانون کی روش سے ان کو برابر تسلیم کرنا ہے۔

۲۔ غیر منصفانہ جاگیر دارانہ انداز جو خاوند اور بیوی کے رشتے میں رائج ہے اس کو ختم کرنا ہے۔

۳۔ خاندانوں کے مابین خوشگوار اور ہر امن تعلقات کی بنیاد رکھنا۔

آرٹیکل ۱ | ۱۔ کوئی شخص بھی کسی لڑکی کو معاوضہ، نقدی یا جنسی کے عوض میں نکاح میں نہیں دے گا۔

۲۔ کوئی شخص دو بہا کو شادی کے موقع پر کسی قسم کی رقم یا معاوضہ جس کو افغانستان میں

(WALLWARTOYANA) کہا جاتا ہے نہیں لے سکے گا

آرٹیکل ۲ | کوئی شخص دو بہا یا اس کے والدین اور سرپرستوں کو لڑکی یا لڑکی کے والدین کے لئے کپڑے اور

تحفے دینے کے لئے مجبور نہیں کرے گا نہ ہی کسی قسم کی عیدری، نوروزی یا بارات کے تحائف ہی دینے

پر مجبور کیا جائے گا۔

آرٹیکل ۳ | لڑکی یا اس کے والدین مہر کے نام پر کوئی کنڈی یا جنس وصول کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ مہر صرف

۱۰ درہم تک ہوگا۔ جس کی شریعت میں اجازت ہے جو ۳۰ سواغ فی بنتے ہیں۔

منگنی اور شادی جابنیں کی مکمل اور ازانہ مرضی سے طے پائے گی۔ چنانچہ

آرٹیکل ۴ | ۱۔ کسی کو شادی پر مجبور نہیں کیا جائے۔

۲۔ کسی بیوہ کو نہ تو شادی سے روکا جائے گا اور نہ ہی اس کو شادی پر مجبور کیا جائے گا کہ قبائلی رشتوں کو

کو محفوظ و برقرار رکھا سکے۔

۳۔ کسی قانونی شادی کو اس بنا پر کہ منگنی کہیں ہو چکی ہے یا روپیہ دیا جا چکا ہے۔ نہیں روکنا سکے گا۔

اس میں کسی قسم کی زبردستی کی اجازت نہیں ہوگی۔

آرٹیکل ۵ | لڑکی کی عمر جب تک سولہ برس نہ ہو جائے اور لڑکا جب تک ۱۸ برس کو نہ پہنچ جائے۔ اس

وقت تک منگنی یا شادی کی اجازت نہیں ہوگی۔

آرٹیکل ۶ | ۱۔ اس حکمنامے کے کسی بھی آرٹیکل یا اس کی کسی بھی شق کی خلاف ورزی پر ۶ ماہ سے ۳ سال

تک قید کی سزا دی جا سکے گی۔

۲۔ حکمنامے کی خلاف ورزی میں جو بھی رقم یا معاوضہ دیا جائے گا۔ اس کو جی سرکار ضبط کر لیا جائے گا۔

آرٹیکل ۷ | حکمنامہ جیسے ہی سرکاری گزٹ میں شائع ہوگا۔ اس پر عملدرآمد شروع ہو جائے گا۔

حکنامہ ۸

باب اول

یہ حکنامہ خلق پارٹی کے اغراض و مقاصد اور اپریل انقلاب کے بنیادی تقاضوں کی تکمیل کے لئے جاری کیا جا رہا ہے۔ جمہوریہ افغانستان کے بنیادی انقلابی مقاصد میں کیا گیا تھا۔

- ۱۔ افغانستان کی عوامی اور اقتصادی زندگی سے جاگیزی اور قبل از جاگیزی واری رشتوں کا خاتمہ،
- ۲۔ مزدوروں اور کسانوں کے اتحاد اور یکجہتی کو پختہ کرنا۔ ان میں گہرائی پیدا کرنا اور اس تصور کو مقبول بنانا تاکہ افغانستان میں ایک عدم طبقاتی اور استحصال سے پاک معاشرہ وجود میں لایا جاسکے۔
- ۳۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کرنا تاکہ عوام کو وافر اور مختلف اقسام کی غذا حاصل ہو سکے، صنعتوں کے لئے خام مال مہیا کیا جاسکے اور ساتھ ہی زرعی اجناس کو بیرون ملک برآمد بھی کیا جاسکے۔

اس حکنامہ میں جو "مخصوص الفاظ" استعمال کئے گئے ہیں ان سے مراد یہ ہے۔

- ۱۔ خاناندان! اس حکنامے میں خاندان سے مراد۔ میاں، بیوی اور ۱۸ سال سے کم عمر کے بچے جو خاندان کے سربراہ کے بواہ راست دست نگر ہیں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔
- ۲۔ بے زمین کسان! جس کے پاس اپنی کوئی زرعی اراضی نہ ہو اور وہ دوسروں کی اراضی پٹے پر یا کسی اور شرط کے تحت کاشت کرتا ہو۔
- ۳۔ چھوٹا زمیندار! جو لازمی کاشت کرتا ہے اور جس کے پاس درجہ اول کی پانچ جریب اراضی سے بھی کم ہے۔

۴۔ زرعی مزدور! جس کے پاس اپنی اراضی نہیں اور وہ دوسروں کی اراضی پر مختلف کام کرتا ہے۔ اور اس کے عوض شرائط کے مطابق اجرت وصول کرتا ہے۔

۵۔ مالک! وہ ہے جس کے پاس قانونی دستاویزات کی رو سے اپنی اراضی ہے اور اس پر اس کا قبضہ ہے

۶۔ بے سہارا کوچی! وہ شخص ہے جو محنت مزدوری اور بیمہ پر چراگر روزی کما رہا ہے۔

۷۔ قطعہ اراضی! وہ خطہ ہے جو کسی ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص ملکیت ہو اور اس کے ارد گرد دوسروں کی اراضی یا سرکاری املاک ہو یا دریا، کھائی، پہاڑی وغیرہ اس کی حد بندی ہوتی ہو۔

۸۔ ملکیتی رقبہ! وہ رقبہ ہے جو کسی ایک یا ایک شخص کی قانونی ملکیت ہے خواہ یہ ایک قطعہ اراضی پر مشتمل یا کئی ایک قطعات پر اور یہ ایک علاقے میں بھی ہو سکتے ہیں اور مختلف علاقوں اور صوبوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔

۹۔ زائد رقبہ ! اس سے مراد وہ رقبہ ہے جو کسی شخص کے تصرف اور قبضہ میں ہے لیکن قانونی و متاویزات کی رو سے یہ رقبہ اس کی ملکیت نہیں ہو سکتا۔

آرٹیکل ۳ کوئی خاندان ۳۰ جریب درجہ اول یا اس کے برابر اراضی سے زائد اراضی کا مالک نہیں ہو سکتا۔
آرٹیکل ۴ کوئی شخص ۳۰ جریب سے زائد اراضی کو نہ فروخت کر سکتا ہے اور نہ گروہی ڈال سکتا ہے۔
۳۰ جریب سے زائد اراضی کو اس محکمہ کی رو سے چھان بین کے بعد تقسیم کر دیا جائے گا۔

دوسرا باب

آب پاشی کا انتظام

آرٹیکل ۵ آب پاشی کے تمام ذرائع کو موثر طور پر زراعت کے لئے استعمال میں لانے کے لئے ان کی تقسیم منصفانہ طور پر عمل میں آئی تھی۔

آرٹیکل ۶ پانی کی سالانہ ضروریات اور کتنا پانی حاصل ہوتا ہے ان تمام امور کا جائزہ اور تعین وزارت زراعت اور زرعی اصلاحات کی ذمہ داری ہوگی اور یہ بھی کہیں ان کے ذمہ ہوگا کہ فی جریب کتنا پانی درکار ہے اور اس کے مطابق پانی مہیا ہو رہا ہے یا نہیں۔

آرٹیکل ۷ آب پاشی کے ذرائع یا ہیڈورکس کی مرمت اور تعمیر کا کام متعلقہ محکموں اور علاقے کے کسانوں کی تنظیموں اور کوآپریٹو سوسائٹیوں کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی اور اس مقصد کے لئے ان کے درمیان معاہدہ عمل میں آئیں گے اور ان کے اخراجات کسانوں کی تنظیم کی درخواست پر زرعی ترقیاتی بینک قرض جاری کیا کرے گا۔

تیسرا باب

تقسیم اراضی

آرٹیکل ۸ اس محکمہ کے تحت اراضی کی تقسیم کا کام اس طرح کیا جائے گا۔
۱۔ مقررہ حد سے زیادہ اراضی

۲۔ سرکاری اراضی

۳۔ سبھی خاندان اور شاہی خاندان کی اراضی اور آب پاشی کے وہ منصوبے جہاں ریاستی فارم نہیں ہو سکتے۔

آرٹیکل ۹ مقررہ حد سے زائد تمام اراضی حکومت اپنی تحویل میں لے لی گی۔ اور اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ یہ اراضی زرعی اصلاحات کا شعبہ اپنی تحویل میں لے گا۔

۱۰۔ اراضی کو تین اقسام اور ۷ درجوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

آرٹیکل ۱۰ پہلی قسم اراضی - باغات، پھل دار پودوں اور جس اراضی پر دو فصلیں سالانہ ہوتی ہیں

پر مبنی ہے۔ اس اراضی کے دو درجے ہیں ایک درجہ تو باغات اور پھل دار پودوں والی اراضی کا ہے۔
دوسری قسم اراضی ایک فصلی اراضی پر مشتمل ہے۔ یہ اراضی آگے ۵ درجوں میں منقسم کی گئی ہے اور جس تناسب
میں اس اراضی کو پانی میسر آتا ہے اور کاشت ہوتی ہے۔ اسی تناسب سے اس کی درجہ بندی کی گئی ہے۔

ارضی کا تعین جریب پر مبنی ہو گا۔ یہ جریب جو ۲ ہزار میٹر پر مشتمل ہوتی ہے اور ایک میٹر
آریٹھکل ۱۱ کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ نصف جریب یا اس سے کم وقبے کو شمار میں نہیں لایا جائے گا اور
نصف سے زیادہ جریب کو ایک جریب ہی شمار کیا جائے گا۔

ہر مستحق فرد کو اراضی بغیر کسی معاوضے کے دی جائے گی۔ کسی کو درجہ اول کی اراضی کی پانچ جریب
آریٹھکل ۱۲ سے زائد اراضی نہیں دی جائے گی۔ جو کم درجے کی اراضی ہوگی اس میں ۶ جریب ۵ جریب
تک تقسیم کی جاسکتی ہے۔

انقلاب کی کامیابیاں

۲۰ مارچ ۱۹۷۹ء کو افغانستان کے صدر اور انقلابی کمیٹی کے چیئر مین جناب نور محمد ترہ کی نے ریڈیو کابل پر قوم سے پشتو زبان میں خطاب کیا جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے

میرے محبوب ہم وطنو!

میں نئے سال افغانستان میں نیا سال مارچ سے شروع ہوتا ہے) کے موقع پر غلوں دل سے آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں قبل اس کے اٹھدہ خوش قسمت سال کے بارے میں کچھ کہوں پہلے گذشتہ سال کے بارے میں کچھ کہوں گا کہ اس عظیم تاریخی سال میں شور کی ساتویں تاریخ (مراد ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء) افغانستان کی تاریخ میں نہایت بلند اور فخر کا مقام رکھتی ہے۔ اور اس مہینے کا یہ دن افغانستان کے محنت کشوں کی سعادت اور خوش بختی کا سرچشمہ اور روشن تاریخ ہے۔

انقلاب کے بعد ہم نے جو اہم تاریخی اقدامات کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

ثور کی دسویں تاریخ (۳۰ اپریل) کو انقلابی کونسل کے تاریخی فیصلے کے مطابق عوامی جمہوریہ افغانستان کا قیام عمل میں آیا، عوامی جمہوریہ افغانستان میں تمام محنت کشوں کی حکومت ہے۔ اور انقلابی حکومت نے گذشتہ برس ایسے عظیم اور پائیدار اقدامات کئے ہیں جو ہمارے معاشرے کی خوشحالی اور ترقی کی راہ میں ہر دلعزیز ہیں۔

دوسری باتوں کے علاوہ سب سے پہلے یہ کہ عظیم ثور انقلاب کی کامیابی کے ساتھ دنیا کے تمام ملکوں نے عوامی جمہوریہ افغانستان کو تسلیم کیا ہے اور افغانستان نے غیر جانبدار سیاست کو اپنا با اور پُر امن بقائے باہمی کے اصول کو اختیار کیا۔

ہم نے عوامی جمہوریہ افغانستان کی عدلیہ کو ایسا منظم کیا جس کے نتیجے میں تیرہ ہزار سے زائد قیدی رہا ہوئے اور افغانستان کے محنت کش عوام کو استحصالی طبقے کے ظالمانہ قوانین سے محفوظ کیا۔ جن کے وہ صدیوں سے شکار تھے۔

گذشتہ برس ایک اور عظیم قدم یہ تھا کہ بے زمین کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کے کندھوں سے سود اور رہن کا بھاری بوجھ ہٹایا گیا۔ جس کے نتیجے میں ان باہمت محنت کش عوام جو صدیوں سے خوشحال زندگی سے محروم تھے۔ ان ظالموں کے ٹیکجے سے آزاد ہوئے۔ اور اس سلسلے میں محنت کشوں کو کم از کم تیس ہزار ملین افغانی و افغان کرنسی کا منافع ہوا۔ ثور انقلاب

کے بعد جاگیر داری نظام پر ایک فیصلہ کن اقتصادی ضرب ہے۔ اس عوامی قدم کا ہماری پارٹی اور حکومت پر کسانوں کا اقبال بلند ہوا اس قدم کے اٹھانے سے گیارہ ملین کسانوں اور محنت کشوں کو سرخوروں کے ستم سے نجات ملی اور اب حکومت کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ اس سال میں ایک اور تاریخی قدم یہ ہے کہ پہلی بار پیارے ملک میں قومی سرخ پرچم لہرایا گیا۔ جو مزدوروں اور کسانوں کے اتحاد کی علامت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سرخ پرچم ہماری مقدس سرزمین پر ہمیشہ لہرائے گا۔

اس سال میں حکومت کا دوسرا بے مثال قدم یہ تھا کہ قومیتوں کو برابر اور بھائی چارگی کے حقوق دیئے گئے اس ملک میں آئندہ تمام قومیتیں سارے جمہوری حقوق استعمال کر سکیں گی۔ مادری زبان میں اخبار پڑھ سکیں گی۔ اور مادری زبان میں ریڈیو سن سکیں گی۔ ہماری حکومت نے کم عرصے میں تمام قومیتوں کی زبانوں میں اخبارات جاری کئے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے مادری زبانوں میں ہر طرح کے پروگراموں کے نشریات شروع ہیں۔ اور اب یہاں ہر قوم اپنے ہندو بات اور دوسرے ثقافتی شعبوں کو جس طرح ان کا جی چاہے ترقی دے سکتے ہیں اور اس سلسلے میں دیگر شعبوں کی طرح حکومت سے مکمل استفادہ کر سکتے ہیں اور ان کو تسلی بخش امداد دی جا رہی ہے۔

ہماری خواتین کا حال تو ہر شخص کو معلوم تھا کہ ہماری لڑکیوں اور جہان نیدہ عورتوں کو جنس تجارت کی طرح خرید اور فروخت کیا جاتا تھا۔ انہیں حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے شادی کریں۔ مناسب تو یہ تھا کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی ان کے خاندانوں کی دوستی کو اور بھی مضبوط کرے مگر اس خرید و فروخت کے نتیجے میں ان میں ناراضگی اور دشمنی پیدا ہوتی تھی اور ہمیشہ تلخ زندگی گذارتے تھے۔ تو یہ انقلاب کے بعد ہماری پارٹی کی حکومت نے جاگیر داری نظام کے اس ٹکڑے کو ختم کیا لڑکیوں اور لڑکوں کو اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے جہاں جی چاہے شادی کر سکتی ہیں۔ ہمارے اس قدم اور دیگر اقدامات سے مرد اور عورت آزاد ہو گئے ہیں اور وہ اپنے افغان معاشرہ کو اس راستے پر ترقی دے رہے ہیں کہ غیر استحصال سماج وجود میں آئے۔

ہر باشعور اور تعلیم یافتہ شخص کو معلوم ہے کہ ہمارا عظیم ثور انقلاب ایک حقیقی اور سچا انقلاب ہے کیونکہ سیاسی اور اقتصادی اختیار جاگیرداروں اور ان کے حواریوں سے محنت کش عوام کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ بالفاظ دیگر انقلاب کی وجہ سے حکومت کی باگ ڈور مزدوروں کی پارٹی نے لے لی ہے اور جاگیردار اور سرمایہ دار طبقوں نے سیاسی میدان میں شکست کھائی ہے۔

افغانستان کے عوام کی ڈیموکریٹک پارٹی اور اس کی عظیم حکومت کے روشن مقصد یہ ہیں کہ ہمارے پیارے ملک میں سرودہ معاہدہ ختم کیا جائے جس میں فرد سے فرد کا استحصال ہوتا ہے آج تک اقتصادی اور ثقافتی میدان میں جو اقدامات کئے گئے ہیں وہ اسی مقصد کے لئے کئے گئے ہیں۔ اس سال اہم اور بنیادی اقدامات جو اٹھائے گئے ہیں وہ اراشی کی تقسیم ہے۔ سب کو معلوم ہے

کہ ایک جاگیردار کا کافی زمین پر قبضہ تھا اور وہ کہتا تھا کہ یہ میری ہے کہ سان عزیز ہمو کے پاس سے اور ہر وقت مالوس بھرتے تھے۔ یاد دوسرے ممالک میں غم کے دن رات گزارتے تھے۔ خلقی حکومت اور انقلابی کونسل کے حکم سے اراضی قومی ملکیت میں لینے اور تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا اور مہینوں میں تقریباً نو سے ہزار خاندانوں کو زمینیں دی گئیں اور یہ عمل اچھے طریقے سے جاری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تین چار مہینوں میں تقسیم اراضی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور انفالتان میں جاگیر داری نظام کی بجائے گنی ہو جائے گی اور صدیوں کا یہ طبقاتی اور نا انصافی کا نظام ختم ہو جائے گا۔

انخوانین انفالتان کے محنت کش مسلمانوں کے اول درجے کے دشمن ہیں۔ انخوانین نے فرنگیوں اور دیگر استعماری قوتوں کے اشارے پر سہاری خود شمالی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی ہے اور اب کوشش کر رہے ہیں کہ اس انقلاب کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں۔ اس سال انفالتان کے عوام نے اپنے ہاتھوں سے ان کی کمر توڑی ہے۔ اب وہ پہلے کی طرح اسلام کے پر دے میں اپنے ناپاک اور منحوس چہروں کو ڈھانپنے اور اپنے آقاؤں کے منحوس منافع کے لئے شور و شر کرنے کے قابل نہیں۔ وہ اتنے باہمت اور جرأت مند نہیں ہیں کہ اس سلسلے میں ہمارے سامنے آکر بات کریں۔ وہ لندن اور پیرس میں اپنے آقاؤں کی گود میں بیٹھے ہیں اور ان کے ریڈیو ہم پر الزامات کی بوجھاڑ کرتے ہیں۔

انفالتان کے عوام نے پیروں اور انخوانین کے خلاف جہاد کا اعلان کیا ہے اور ہمارے تمام محنت کش مسلمانوں نے ان سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ محنت کش مسلمانوں نے ان کو تادیب کی وہ وقت چلا گیا کہ جب وہ بھائی کو بھائی سے لڑتے تھے۔ اب رجعت پسند عناصر صحرای آزادی اور اجتماعی خوشحالی اور ترقی کو پیچھے نہیں دھکیل سکتے۔

جہالت اور ناخواندگی ہمارا ایک بڑا دشمن ہے اور اس نے ہمارے معاشرے کی ترقی کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارے عوام اگر لکھنا پڑھنا جانتے تو وہ ملک کو آباد کر سکتے۔ مسلمان فرنگیوں کا شکار نہ ہوتے۔ اب اس کمی کو دور کرنے کے لئے خلقی پارٹی اور حکومت نے مناسب قدم اٹھایا ہے۔ ہم نے جہالت کے خلاف جہاد کرنے کا جو اعلان کیا ہے اس جہاد کا کا نتیجہ بھی تسلی بخش ہے۔ لاکھوں ان پڑھ افراد ہزاروں سکولوں میں لکھنا پڑھنا سیکھ رہے ہیں اس سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہمارے انقلاب کے دشمن ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کرتے

ہیں کہ دیہات میں شادی شدہ خواتین اور لڑکیوں کو سپاہی جبرائیسکولوں کو لے جاتے ہیں۔ ہم ان الزامات کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلقی حکومت اپنے عوام کے تعاون سے ناخواندگی دور کر رہی ہے۔ ہم تمام وسائل کو بروئے کار لا کر اپنے ہم وطنوں کو لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں۔ سپاہی خورتوں اور لڑکیوں کو کبھی بھی زور و جبر سے سکول نہیں لے جاتے

ہم نے اس سال سے اپنی مسلح فوج کو مکمل عوامی کر دیا ہے یعنی اب فوج کو ہمارے پارٹی کے اراکین اور دیگر ہم وطنوں نے منظم کیا ہے اور اب مسلح فوج تو ہماری پارٹی کے دیگر کارکنوں کی طرح مردوروں اور محنت کشوں کے مفادات کی محافظ ہے۔ اور ان سب کو یہ فخر حاصل ہے کہ تاریخ میں پہلی بار دلیر اور بہادر مسلح فوج صرف اور صرف افغانستان کے محنت کشوں کے مفادات کی محافظ بن گئی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے بغیر کسی امتیاز کے دن رات کوشش کر رہی ہے۔ اس سال حکومت نے مسلح فوج کی تربیت اور اصلاح کے لئے ان کا میاں زندگی بند کرنے کے لئے قابل تعریف اقدامات کئے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارے محنت کش عوام اور ہماری فوج ہر جملہ آؤر کو منہ توڑ جواب دے گی۔

گزشتہ سال ہم نے غیر جانبدارانہ اور پر امن بقائے باہمی کے اصول سے کسی ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ مگر بعض ممالک کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں اور ہمارے لئے مشکلات پیدا کریں۔ ایران کے متعصب اور تنگ نظر مذہبی رہنماؤں نے ایک طرف ہمارے ملک کے عوام میں مذہبی اختلافات کو برادری اور دوسری طرف ہمارے ہر اقلیتی بھائیوں کے بھیس میں اپنی فوج کو داخل کیا۔ ہماری حکومت نے اس ناجائز اور ناشائستہ عمل کو اعلانیہ طور پر واضح کیا ہم اس عمل کی سخت مذمت کرتے ہیں اور ہم تمام محنت کش مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ ان خارجی تحریک کار غاصر کے مقابلے میں ہمیشہ متحد رہیں۔ اور اپنی مقدس سرزمین کی حفاظت کریں۔

جس نے پاکستان کے ساتھ بھی دوستی اور بھائی چارے کا رویہ اختیار کیا ہے۔ مگر ساری طرح سے اس کے رجعت پسند غاصریہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں اور اس سے سبیل میں ہمارے پاس کافی ثبوت موجود ہے مگر پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت اس سے ساتھ صلح اور دوستی کی راہ پر گامزن رہے آخر میں کہتا ہوں کہ ہم نے سال میں اپنی ساری طاقتوں کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کریں گے اور یہ منصوبہ ہمارے معاشرے کا سنگ بنیاد بنوگا جس میں ایک شخص کی محنت کو دوسرا شخص لوٹ نہ سکے۔ (خدا حافظ)

زمین اس کی جو کاشت کرے

فنا انسان میں جاگیر داری نظام کا خاتمہ کر دیا گیا ہے

سُو کے خاتمے سے کسان صدیوں کے بوجھ سے آزاد ہو گئے ہیں

لطیف چوہدری

افغانستان میں خلق باری کی قیادت میں عوامی پارٹی انقلاب کے بعد دنیا بھر کے رجعت پرست ملتے نئی انقلابی حکومت کے خلاف جھوٹا اور بے بنیاد پراپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں آئے بن یخبریں مختلف اخبارات کی زینت بنتی ہیں کہ افغانستان کے مختلف حصوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ لوگ انقلابی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے، حزب اسلامی نامی تنظیم کے مسلح افسر اور کارکنی نواح کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس کا تاثر دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ موجودہ انقلابی حکومت ایسی کمزور ہے اور اسے عوام کی بیشتر تعداد کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ پاکستان کے بیشتر رجعت پسند عناصر اس پراپیگنڈے میں پیش پیش ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے یہ تصور ہی جان لیوا ہے کہ پاکستان کے پڑوس میں عوام نے صدیوں پرانے استعماری نظام کا خاتمہ کر دیا ہے اور اب وہ انسانوں کی برابری، امن، آزادی اور انصاف کی بنیاد پر نیا معاشرہ تشکیل کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی نے دنیا کے کسی بھی حصے میں رونما ہونے والی انقلابی تبدیلی کی مخالفت پنا مذہبی فریضہ سمجھ رکھا ہے۔ افغان انقلاب کے خلاف خصوصاً سرگرم عمل ہے۔ جماعت اسلامی پشاور کے دفتر سے علماء پر پورے والے تشدد کی فرضی کہانیاں گھڑی جاتی ہیں اور پھر انہیں پاکستان اور بیرونی پریس میں کسی طور سمگل کیا جاتا ہے، اس کی فرضی کہانیاں ویت نامی انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی گھڑی گئی تھیں۔ جماعت اسلامی کے امیر مولانا طفیل محمد نے انقلاب کے بعد ویت نام میں مسلمانوں کے قتل عام کی مذمت کی تھی۔ ویت نام جس کی تمام آبادی بدھ مت کی ماننے والی ہے وہاں وہ کون سے مسلمان تھے جن کے مرنے پر مولانا کو تکلیف پہنچی تھی بن الاقوامی پریس نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا تھا کہ ویت نام کی انقلابی حکومت نے انقلاب کے فوراً بعد جسم فروشی اور بھولہ اس طرح کی دیکھ بھول کو جنہیں امریکی سامراجیوں نے ویت نامی قوم کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے رواج دیا تھا کے خلاف سخت اقدامات کئے تھے۔ اب کیا کیا جلتے۔ اگر مولانا طفیل محمد کی صلاحیت اس طرز کی سماجی برائیوں میں ملوث افراد کو سمان سمجھتی ہے۔

افغانستان کی نئی انقلابی حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کی اصلیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ درحقیقت انقلاب کے بعد افغانستان میں زبردست سماجی تبدیلی جاری ہے جو صدیوں سے کچلے ہوئے غریب عوام ظلم و استبداد کی زنجیروں کو توڑ رہے ہیں وہ غریب کسان جن کی زندگی حیوانوں سے بدتر تھی، جن کی حیثیت تنکے سے بھی ہلکی تھی۔ جن کی زندگی اور موت جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھی آج ایک نیا نظام تعمیر کر رہے ہیں جس کے تحت انسان کے ہاتھوں انسان کا استعمال سب سے بڑا جرم ہے جس کے تحت تمام انسان برابر ہیں اور کسی کو کسی کا حق مارنے کی اجازت نہیں جس کے تحت انسانی زندگی ایک نیا اور نوکھا مفہوم اختیار کر رہی ہے۔ ظاہر ہے۔ اس تبدیلی سے وہ جاگیردار سودخور اور مقامی بدعماش کیوں ہوں گے۔ جو صدیوں سے غریب کسانوں کا خون چوس رہے تھے۔ انہیں دنیا ختم ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ کبھی ایسا دور آئے گا سب کچلے ہوئے انسان زمین کے مالک بن جائیں گے اور جاگیرداروں سے برابری کا دعویٰ کریں گے۔ چنانچہ جاگیردار، سودخور اور مقامی بدعماش اپنی گزشتہ پوزیشن بحال کرنے کے لئے انقلابی حکومت کا مقابلہ تو خیر کیا کریں گے البتہ جماعت اسلامی اور دیگر رجعت پرستوں کو افغانستان کی انقلابی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا بہانہ مل گیا ہے۔

افغانستان ایک انتہائی پسماندہ ملک ہے جہاں صنعت برائے نام ہے۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ خاندان بدوشوں پر مشتمل ہے جو بڑے بکریاں پال کر گزارہ کرتے ہیں۔ جاگیرداری اپنی بدترین شکل میں موجود ہے۔ بعض علاقوں میں ماقبل جاگیرداری رشتے ابھی تک مضبوط ہیں۔ پورے ملک میں صرف ایک یونیورسٹی ہے۔ پورے افغانستان میں ریلوے موجود نہیں ہے۔ اس قدر پس ماندہ پیداواری رشتوں میں بندھے ہونے کی بنا پر افغان عوام انتہائی توہم پرست اور دنیالوسی خیالات کے حامل ہیں۔

اس طرح کے ملک میں نہ صرف عوامی انقلاب ہر پاکستانی بلکہ اس کی تعمیر کے لئے مضبوط بنیادیں استوار کرنا یقیناً قابلِ تنقید عمل ہے۔ پاکستان کے عوام کے لئے افغان انقلاب کی تعمیر کے تجربات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو پاکستان کے ایک بڑے حصے کے سماجی حالات افغانستان سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اور دوسری وجہ مسلمان ہونے کے ناظرے سے پاکستان اور افغانستان کے عوام کا نقطہ نظر بھی ایک جیسا ہے اس لئے پاکستان کے عوام دوست حلقوں کے لئے ضروری ہے کہ افغان انقلاب کا بغور مطالعہ کریں اور اس کے بیش تجربات سے سبق سیکھیں خصوصاً جاگیرداری کے خاتمہ کے لئے جو اقدامات افغان انقلابی حکومت کر رہی ہے

ان کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔ ہم ذیل میں انقلاب سے قبل افغان مہاشرے میں جائیداد کی نظام اور اسے ختم کرنے کے انقلابی حکومت کے اقدامات کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔

افغانستان کی سرزمین کا ۸۸ فیصد حصہ بلند پہاڑوں اور ناقابل کاشت زمین پر مشتمل ہے۔

قابل کاشت زمین محض ۱۲ فیصد پر مشتمل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق کل قابل کاشت رقبہ ۸۰ لاکھ جریب

۸۰ لاکھ جریب ہے جبکہ عملاً چار کروڑ جریب رقبہ پر کاشت کی جاتی ہے۔ ایک کروڑ ۸۰ لاکھ جریب

زمین بارانی اور دو کروڑ ۲۰ لاکھ زمین چاہی یا دیگر ذرائع سے سیراب ہوتی ہے۔ اس طرح یہ کہا

جاسکتا ہے کہ کل قابل کاشت زمین کا ۴۵ فیصد رقبہ پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ جبکہ ۵۵ فیصد

رقبہ محض تجارتی بارانی زمین پر مشتمل ہے۔ پانی سے سیراب ہونے والی ۴۵ فیصد رقبہ میں تقریباً دو تہائی

بین کوپانی میسر نہیں ہے۔ مندرجہ بالا اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ زیر کاشت زمین

کا ۲۵ فیصد رقبہ اور قابل کاشت زمین کا چالیس فیصد رقبہ عملاً کاشت کیا جاتا ہے چنانچہ اگر

زمین کی ملکیت کا نظام بہتر بنایا جائے، جائیداد کی نظام ختم کیا جائے، آلات پیداوار بہتر

بنائے جائیں، ڈیم اور دیگر مصنوعی آب پاشی کے ذرائع تیسرے کئے جائیں تو قابل کاشت زمین

کا اسی فیصد رقبہ زیر کاشت لایا جاسکتا ہے۔

اس حقیقت سے قطع نظر کہ افغانستان میں ملک کے کل رقبہ کی نسبت قابل کاشت

رقبہ بہت کم ہے اور جو قابل کاشت رقبہ ہے اس سے ملک کی پسماندگی کی بنا پر صحیح پیداوار

حاصل نہیں کی جا رہی ہے۔ زرعی زمین کا زیادہ بڑا حصہ جائیدادوں کے قبضے میں ہے افغانستان

کی کل آبادی ۲۵ لاکھ خاندانوں پر مشتمل ہے ان میں سے ۱۸ لاکھ ۶۶ ہزار خاندان دیہی علاقوں

میں بستے ہیں۔ زمین کے مالک خاندانوں جن میں چھوٹے اور بڑے رقبوں کے مالک شامل

ہیں۔ تعداد ۱۲ لاکھ ہے۔ زمین کے مالک خاندانوں کی مزید تقسیم کچھ اس طرح ہے۔

کسان جو ۱۰ سے ۲۰ جریب زمین کے مالک ہیں۔ ان میں وہ زمینداروں کی کل تعداد

کے ۸۲ فیصد کے برابر ہے اور کل رقبہ کے ۳۳ فیصد کے مالک ہیں۔

جاگیردار جو ۵۰ سے ایک لاکھ جریب کے مالک ہیں، وہ زمینداروں کی کل تعداد کا

محض ۵ فیصد ہیں اور کل زمین کے ۴۵ فیصد رقبہ پر قابض ہیں۔ سرکاری زمین جس کا رقبہ

۲۰ لاکھ جریب کے قریب ہے بھی جاگیرداروں کے قبضے میں ہے۔ اور انہوں نے اسے مزراعت

پر کسانوں کو دے رکھا ہے۔ حکومت اس زمین کی پیداوار کا صرف ۱۰ حصہ وصول کرتی

ہے باقی جاگیردار خود مفہم کرتے ہیں۔

افغانستان میں ۶ لاکھ ۶۶ ہزار خاندان بے زمین اور زرعی مزدوروں پر مشتمل ہیں۔

ان کی تعداد دیہی آبادی کی کل تعداد کے ۲۶ فیصد پر مشتمل ہے یہ جاگیرداروں اور درمیانے کسانوں سے بنائی پر حاصل کرتے ہیں۔ بنائی کی شرح مختلف صورتوں میں مختلف ہوتی ہے۔ اگر زمین اور پانی کے مالک زمین فراہم کرے اور بیج آلات پیداوار افرادی محنت کسان ہیبا کریں تو بنائی کی شرح نصف ہوگی۔ تہا کو اور بعض دوسری فصلوں میں بنائی کی شرح ۹ او ایک ہوتی ہے۔ مالک ۹ حصے وصول کرتا ہے۔ جبکہ کسان کو صرف ایک حصہ ملتا ہے۔ فروٹ کے باغات میں بنائی کی شرح ۶ حصے مالک اور ایک حصہ کسان ہے۔ عمومی طور پر اگر زمین، پانی، بیج اور آلات پیداوار مالک زمین فراہم کرے تو بنائی کی شرح ۵ یا ۶ حصے مالک اور ایک حصہ کسان ہے۔ بنائی کے علاوہ کسان کو جاگیردار کے لئے بیکار بھی کرنی پڑتی ہے جاگیردار کے باغ اور چار دیواری کی مرمت، ایندھن اکٹھا کرنا، جاگیردار کے گھر کے کام کاج، عمارت کی مرمت اور پانی کے کنوئروں کی صفائی وغیرہ سارے کام کسان کو بغیر کسی اجرت کے سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ زرعی مزدوروں اور کسانوں کی حیثیت، جاگیردار کی ذاتی رعایا جیسی ہے جو مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر ہیں۔

افغانستان کی آبادی کا ایک بڑا حصہ خانہ بدوشوں پر مشتمل ہے۔ جنہیں کوچی کہا جاتا ہے ایک مختار انداز سے۔ کے مطابق کوچیوں کی تعداد ۲۵ لاکھ کے قریب ہے وہ سارا سال اپنے مویشیوں کے لئے چارے کی تلاش میں جگہ جگہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ وہ سردیاں ایک چراگاہ میں گزارتے ہیں تو گرمیاں دوسری چراگاہ میں۔ افغانستان میں ۲۰ کروڑ جریب رقبہ چوکا ہوں پر مشتمل ہے عرصہ دراز سے کوچیوں نے ان چراگاہوں کو آپس میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ ۲۰ کروڑ ۱۰ لاکھ بیس ہزار ان چراگاہوں میں چرتی ہیں۔ جن میں ساٹھ لاکھ قراقلی بیس ہزار ہیں۔ ان چراگاہوں میں چرتی ہیں۔ ہزاروں جریب چراگاہیں محض مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی بنا پر ضائع ہو جاتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہر سال چوکا ہوں میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ کوچیوں میں بھی طبقاتی تقسیم موجود ہے۔ کوچی سردار مویشی پالنے کے علاوہ اون، گھی اور دودھ کی مصنوعات کی تجارت کرتے ہیں کوچی سردار دیگر اہل دار تاجروں سے مل کر کوچی عوام کا بدترین استحصال کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا اعداد و شمار سے یہ ظاہر ہے کہ افغانستان کی آبادی کا اکثر حصہ مٹھی، جاگیرداروں کے ہاتھوں بدترین استحصال کا شکار ہے اور وہ ہر طرح کے انسانی حقوق سے محروم ہیں۔

اوپر دیئے گئے حقائق سے یہ ظاہر ہے کہ افغانستان کی دیہی آبادی کا تقریباً ۶۰ فیصد حصہ جاگیرداروں اور درمیانے زمینداروں سے بنائی پر زمین حاصل کر کے کاشت کرنے پر

مجبور ہے۔ بنائی جو بمسکل کل پیداوار کا ۳۰ فیصد مہرتی ہے کسان کی سال بھر کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ کسانوں کو اپنی ضروریات کے علاوہ وقتاً فوقتاً شادی بیاہ بیماریاں سرکاری اہلکاروں کو رشوت دینے کے لئے روپے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے جو انہیں انتہائی نامناسب شرائط پر جاگیرداروں یا سود خوروں سے لینے پڑتے ہیں۔ قرض کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

دھنی :- کسان قرض کے عوض اپنی اراضی کا قطعہ یا باغیچہ یا گھر یا سامان سود خور یا جاگیردار کے پاس رہن رکھتا ہے۔ اس کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی کہ وہ قرض واپس کر کے اپنی زمین باغیچہ یا دیگر سامان واپس حاصل کر سکے۔ نتیجتاً کچھ عرصے کے بعد وہ انتہائی کم قیمت پر اپنی جائیداد سود خور یا جاگیردار کو بیچنے پر مجبور رہ جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی چھوٹی مٹی جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

سود خور :- اس کے تحت کسان سود خور یا قرض دینے والے کو یا نہ یا سالانہ سود ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے سود کی شرح ۲۵ فیصد سے لے کر ۳۰ فیصد سالانہ تک ہوتی ہے۔ سود کی بھاری شرح اور قرض کی ادائیگی کے لئے اکثر اوقات کسان کو اپنی گھڑیاں ماشیناں بچے اور دیگر اشیاء تک فروخت کرنی پڑتی ہیں۔

سلام :- سلام کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک تو صورت یہ ہے کہ ضرورت مند کسان بھاری قرض لیتا ہے۔ اور اتنی ہی رقم یا گندم قرض کے علاوہ ادا کرتا ہے۔ مثلاً ایک کسان نے ۵ سیر گندم جاگیردار سے قرض لی، تو وہ نہ صرف ۵ سیر گندم ادا کرے گا۔ بلکہ اس کے علاوہ ۱۵ سیر گندم اور ادا کرے گا۔

سلام کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسان قرض پونوں کی شکل میں وصول کرتا ہے لیکن اس کی ادائیگی جنس کی صورت میں کرتا ہے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ جنس کی قیمت عام طور پر مارکیٹ سے نصف مقرر کی جاتی ہے مثلاً اگر مارکیٹ میں گندم کی قیمت ۵۰ افغانی سیر ہے تو قرض کی وصولی کی صورت میں ۲۵ افغانی فی سیر مقرر کی جاتی ہے۔

یہ وہ حالات ہیں جنہیں ختم کرنے کے لئے انقلابی افغانی حکومت اقدامات اٹھا رہی ہے کیونکہ قرون وسطیٰ کے ال جاگیرداری رشتے کو ختم کئے بغیر ترقی اور خوشحالی کی جانب گامزن ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی پسپا اور کچلے ہوئے لاکھوں انسانوں کی قسمت بدلی جاسکتی ہے۔ انقلابی افغان حکومت نے برسرِ اقدام آتے ہی سب سے زیادہ توجہ زرعی سوال کو دی کیونکہ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں زرعی سوال پر عوامی انقلاب کے لئے

بنیادی سوال ہے۔ انقلابی افغان حکومت کے سامنے ایک مسئلہ تو سو دشواری کی مختلف شکلوں کا خاتمہ کرنا اور دوسرا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ جاگیرداروں کی زمینیں ضبط کر کے لاکھوں بے زمین کسانوں میں تقسیم کرنا ہے۔ چنانچہ انقلابی افغان حکومت نے لاکھوں انسانوں کو قرضوں اور سو دشواری کے بوجھ سے آزاد کرانے کے لئے ایک حکم نامہ جسے فرمان نمبر ۶ کہا جاتا ہے جاری کیا ہے۔ اس حکم نامہ پر فوراً عملدرآمد شروع ہو گیا ہے۔ فرمان نمبر ۶ کے ذریعے زرعی مزدوروں اور غریب کسانوں پر قرضوں اور ان کی رہن شدہ واپسی کے طریقہ کار تباہ کئے۔

ہیں اگر کسی کسان نے ۳، ۴، ۵ سے پہلے کی زمین رہن رکھی ہوئی ہے تو وہ بغیر معاوضہ کی ادائیگی کے اپنی زمین واپس حاصل کر لے گا۔ اگر اس کی زمین ۳، ۴، ۵ سے رہن رکھی گئی ہے تو وہ مندرجہ ذیل شرح سے رہن کی رقم واپس کر کے اپنی زمین واپس حاصل کر سکتا ہے۔ اگر زمین ۱، ۲، ۳ میں رہن رکھی گئی ہو تو وہ ایک سال کے بعد آئندہ سال کے دوران رہن کی رقم کا ۲۰ فیصد حصہ ادا کر کے اپنی زمین واپس حاصل کر لے گا۔ اگر زمین ۴، ۵ میں رہن رکھی گئی ہے تو کسان کو رہن کی رقم کا ۴۰ فیصد ایک سال کے بعد آئندہ دو سال کے دوران ادا کرنا ہوگا۔ اگر زمین ۵، ۶ میں رہن رکھی گئی ہے تو کسان کو رہن کی رقم کا ساڑھے فیصد ایک سال کے بعد آئندہ سال کے دوران ادا کرنا ہوگا۔ اگر زمین ۶، ۷ میں رہن رکھی گئی ہو تو کسان کو رہن کی رقم کا نوے فیصد ایک سال کے بعد آئندہ ۵ سال کے دوران ادا کرنا ہوگا۔ یہ کلیہ ان قرضوں اور رہن کی رقموں میں لاگو ہوگا جو کہ ۵ ایکڑ یا اس سے کم زمین کے مالک کسانوں نے ۳، ۴، ۵ کے بعد سو دشواریوں یا جاگیرداروں سے لئے ہوں گے۔ وہ کسان جو جاگیرداروں کی زمینوں پر کھیت مزدوروں کی حیثیت میں کام کر رہے ہیں اور وہ ہر طرح کے قرضوں اور سود کی ادائیگی سے متراہن ہوں گے۔ بے زمین کسان یا ۵ ایکڑ یا اس سے کم زمین کے مالک کسان ۳، ۴، ۵ سے پہلے لئے ہوئے قرضے واپس نہیں کریں گے۔

فرمان نمبر ۶ پر عملدرآمد کرانے کے لئے دیہات کی سطح پر کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ ہر دیہاتی کمیٹی کے چورس کن ہیں جن میں دیہات کے سربراہ جو کہ کمیٹی کا چورس کن ہوگا کے علاوہ دو کسان نمائندہ زمین کا انچارج افسر، آثار فی جنرل کا ایک نمائندہ تعلیمی افسر اور زرعی افسر شامل ہیں۔ یہ کمیٹیاں کسانوں کے مابین جھگڑے نشانے کے علاوہ زمین شدہ زمینوں کو ان کے اصل مالکوں کو واپس کر لیتی ہیں۔ اور جاگیردار اور کسانوں کے مابین تنازعات کا تصفیہ کراتی ہیں۔ ان دیہاتی کمیٹیوں کے کام کی نگرانی کے لئے صوبائی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ جو اپنے صوبے میں فرمان نمبر ۶ پر

عمل درآمد کرانے کی ذمہ دار ہیں۔ جاگیر داری نظام کو ختم کرنے اور جاگیرداروں سے زمینیں چھین کر اور زرعی مزدوروں میں تقسیم کرنے کے لئے افغان انقلابی حکومت نے فرمان نمبر ۸ جاری کیا ہے۔ اس وگری کے تحت خاندان - شوہر، بیوی اور ۱۸ سال سے کم عمر کے بچوں پر مشتمل ہوگا۔ ۱۸ سال سے زائد عمر کے افراد چاہے شادی شدہ نہ بھی ہوں علیحدہ خاندان تصور نہیں کئے اور زمین حاصل کرنے کے حجاز ہوں گے۔

اس فرمان کے تحت ہر خاندان تیس جریب یعنی ۱۵ ایکڑ سے زائد اراضی نہیں رکھ سکتا نہ کوئی فروخت کر سکتا ہے۔ نہ زمین رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے مزروعیت پر دے سکتا ہے۔ اسے اور اسکے خاندان کو خود اراضی کاشت کرنا ہوگی۔ فرمان نمبر ۸ کے تحت تیس جریب سے زائد اراضی مالکان سے بلا معاوضہ حاصل کر کے زمین کسانوں کو تقسیم کی جا رہی ہے اراضی کی تقسیم کے وقت یہ خیال رکھا جا رہا ہے کہ اس علاقہ کی قابل کاشت اراضی کتنی ہے؟ زمین حاصل کرنے کے مستحق خاندانوں کی تعداد کیا ہے۔ ایک کسان خاندان کی سالانہ اوسط آمدنی کیا ہے؟ ایک عام کسان خاندان میں زرعی مزدور کتنے ہیں؟ خاندان کے افراد کی تعداد کیا ہے جن کی عمر ۱۸ سال سے زائد ہے؟

فرمان نمبر ۸ پر عمل درآمد کرانے کے لئے بھی وہی اور صوبائی سطح پر کمیٹیاں قائم کی گئیں ہیں جن میں کسان نمائندوں کو مناسب نمائندگی دی گئی ہے۔ یکمیٹیاں اپنے اپنے علاقوں میں زمین کی از سر نو تقسیم کے معاملات کی دیکھ بھال کریں گی۔ زرعی اصلاحات کے ڈپٹی وزیر کے مطابق زرعی اصلاحات پر عمل درآمد کرانے کے لئے ۱۰۰ کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ ہر کمیٹی چار کمیٹیوں پر مشتمل ہوگی خصوصی خلقی کمیٹی مستحق کسانوں کی نشاندہی کرنے والی کمیٹی تقسیم کرنے والی کمیٹی خلقی کرنے کے لئے زمین کا تعین کرنے والی کمیٹی اور زمین کی تقسیم کرنے والی کمیٹی خصوصی خلقی کا کام پیچیدہ قانونی اور تکنیکی مسائل کو حل کرنا ہوگا۔ تاکہ تقسیم کرنے کے لئے زمین کی نشان دہی کرنے والی کمیٹی کو کوئی دشواری نہ ہو۔

زرعی اصلاحات کے ڈپٹی وزیر فضل رحیم کے بیان کے مطابق زرعی اصلاحات کے نتیجے میں چھ لاکھ ۸۰ ہزار بے زمین کسان خاندانوں میں ۳۴ لاکھ ایکڑ زمین تقسیم کی جائے گی۔ یہ اصل زیر کاشت رقبہ ہر حصہ پر مشتمل ہے۔ زمین کی از سر نو تقسیم سے ۲۰ لاکھ ۸۰ ہزار بڑے چھوٹے زمیندار متاثر ہوں گے۔ ان کی تعداد کل زمینداروں کی ۳، ۴ فیصد پر مشتمل ہے جاگیرداروں سے حاصل شدہ اراضی کا رقبہ ۳ لاکھ ایکڑ کے قریب ہے۔

فرمان نمبر ۸ کے اعلان کے فوراً بعد اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے اور غریب اور بے زمین کسانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اب تک صرف صوبہ بہارت میں ۶۰۰۰۰۰ مہجریب زمین ۲۸۰۲ بے زمین کسان خاندانوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ صوبہ قندھار میں ۲۲ مہجریبوں میں اراضی تقسیم کی گئی ہے۔ وادی ہند کے ۲۰ خاندانوں میں اراضی تقسیم ۱۶۰۱ مہجریب زمین کی تقسیم کی گئی۔ فارغ صوبہ کے کل اٹھ قصبہ میں ۱۰۰ خاندانوں کو ۵۰۰ مہجریب زمین دی گئی ہے۔ صوبہ نمروز کے ۲۴۳ خاندانوں کو ۹۶۲ مہجریب زمین دی گئی ہے۔ یہ اعداد و شمار نامکمل ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ افغان حکومت زرعی انقلاب کو بنیادی اہمیت دے رہی ہے اور افغان تان کے برحقے میں بے زمین اور غریب کسانوں کو نہ صرف بلا مبالغہ زمینیں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ بلکہ انہیں انتظامی معاملات میں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ اس طرح تاریخ میں پہلی بار افغانستان کے غریب اور پسے ہوئے کسان اپنی قسمت کے آپ مالک بن رہے ہیں۔ مٹھی بھر جاگیر دار جو زرعی اصلاحات سے متاثر ہوئے ہیں وہ حکومت کی ان پالیسیوں کی مخالفت کر رہے ان میں بیشتر ملک چھوڑ کر پاکستان آ گئے ہیں۔ جہاں جماعت اور دیگر رجعت پرست ان کی میزبانی فراموش انجام دے رہے ہیں اور ان سواد خور عوام دشمن جاگیرداروں اور بدعاشوں کو علمائے دین کے روپ میں پیش کر کے پاکستان اور دنیا کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ افغان ن کے عوام ان فرضی کہانیوں سے بیکانہ ایک نئی تاریخ مرتب کر رہے ہیں

چھٹا باب

پاکستان کے رجعت پسند ایک خطرناک کھیل میں ٹوٹ ہو رہے ہیں

اس ماہ کی ۲۰ تاریخ کو انقلاب افغانستان کی پہلی سالگرہ کا جشن منایا جائے گا۔ یہ جشنیں کے دوران افغانستان میں انقلابی تبدیلیوں اور مجموعی صورتحال کا جائزہ لینے کی غرض سے میں نے حال ہی میں افغانستان کا دورہ کیا۔ وطن لوٹ آنے کے بعد صحافیوں اور دوسرے دوستوں سے گفتگو کی۔ جو سوالات پوچھے وہ انقلابی اصلاحات اور سماجی تبدیلیوں کی بجائے حکومت کے استحکام یا گڑبڑ کے بارے میں تھے۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ افغانستان کے حقائق سے کٹے ہوئے مگر افغان دشمن پروپیگنڈہ میں گھرے ہوئے ہم وطنوں کو سامراجیوں اور علاقے کے رجعت پسندوں کی پروپیگنڈہ ہم پر تشویش ہے۔ یا وہ کسی حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ چونکہ افغانستان میں انقلاب برپا ہونے اور سماجی رشتوں کو بنیادی طور پر تبدیل کیا جا رہا ہے میں خود توقع کر رہا تھا کہ گڑبڑ، لادھی ہے۔ دنیا کا کوئی انقلاب ایسا نہیں کہ جس میں ہنگامہ آرائی نہیں ہوئی ہو یا اس کے کامیاب ہونے کے بعد جوابی انقلاب کی کوشش نہ کی گئی ہو۔

فرانس کا انقلاب بویا امریکہ کا روس کا عظیم اکتوبر انقلاب بویا چین کا قومی انقلاب انقلاب کیوبا بویا جنوبی چین کا انقلاب ہندوستان کے انقلابات ہوں یا افریقہ میں پرتگالی نوآبادیوں میں قومی آزادی کی انقلابی تحریکیں ان سب میں گڑبڑ، افراتفری، خونریزی اور مزاحمت ہوئی لیکن ان سب ہی انقلابوں میں عوام کی بھاری اکثریت نے مسکھی بھر مفاد پرستوں اور رجعت پسندوں کو شکست دی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو افغانستان میں بہت کم گڑبڑ ہوئی ہے انقلابی حکومت انتہائی مستحکم ہے۔ اسے عوام کی بھاری اکثریت کی پرجوش حمایت حاصل ہے زیادہ تر لوگ معمول کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں بھی افراتفری یا اضطراب کا نشان دکھائی نہیں دیتا۔ اگر کوئی غیر معمولی بات نظر آتی ہے تو وہ لاکھوں خلقی سیاسی کارکنوں فوجوں تنظیم کے اراکین، خواتین تنظیم کے ممبروں اور عام لوگوں کی طرف سے انقلابی تبدیلی اور عوام کی بہبود کی خاطر سرگرم عمل کوشش ہے۔ پورا مملکت انقلابی تبدیلی کی لپیٹ میں ہے اور غریب عوام اس سے خاص طور پر خوش ہیں۔ مراعات یا فائدہ طبقہ نے بھی توقع سے کم رد عمل کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ خلقی حکومت نے اپنی اصلاحات کو نافذ کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ کسی بھی ذریعہ معاش سے محروم نہ کیا جائے اور کسی کی پستی تزیل نہ کی جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اشرافیہ کا ایک کافی بڑا حصہ وطن پرست ہے جسے اپنے ملک کی ترقی اور علوم کی بہبود سے خوشی ہوتی ہے۔ اور یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے ملک کا دفاع بلند ہو رہا ہے اگر وہ دوسروں کا استغفال کئے بغیر عزت و آرام کی زندگی بسر کرنا چاہے تو اسے کوئی نہیں روکتا۔

افغانستان میں سب سے بڑی تبدیلی فیوڈل یا جاگیر داری نظام کا خاتمہ ہے۔ دیکھئے اس وقت تک کسانوں میں ۴ لاکھ ایکڑ زمین کی تقسیم کی گئی ہے یہ زمین ان مالکان سے لی گئی جن کے پاس بہترین زمین درجہ اول کے ۵ ایکڑ سے زائد اراضی تھی ہر کسان خاندان کو اوسطاً ۴ ایکڑ اراضی درجہ اول کے برابر زمین دی گئی ہے جو ایک خاندان کے گزارے کے لئے کافی ہے توقع کی جا رہی ہے کہ جن مالکان سے زمین چھینی جا رہی ہے وہ انقلاب کی شدید مخالفت کریں گے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ بقول وزیر اطلاعات و اصلاحات اراضی ڈاکٹر صالح محمد زیری کسی کی نکتہ پرک نہیں چھوٹی۔ جب میں نے تعجب سے پوچھا کہ ایسے کیوں توڑا کڑ بھی نے بتایا کہ اول تو بڑے جاگیرداروں کی تعداد بہت کم ہے اور وہ زیادہ تر کوئی دوسرا کاروبار بھی کرتے ہیں جس پر کوئی ضرب نہیں لگی زیادہ تر زمین ایسے لوگوں سے لی گئی ہے جن کے پاس قانونی مد سے ایک دو ایکڑ زمین زیادہ تھی اس طرح ان کی پیشہ ملکیت ان کے قبضہ میں ہے۔ جن لوگوں سے فاضل زمین لی گئی ہے انہیں اپنا پسندیدہ ۵ ایکڑ درجہ اول یا اس کے برابر اراضی رکھنے کا حق دیا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بڑے اور چھوٹے زمینداروں کو ہی ٹیکس کی عدم ادائیگی کے مرتکب تھے حکومت نے ان پر یہ واجبات معاف کر دیئے ہیں ورنہ ٹیکس کی وصولی کے تحت بھی ان کی زمین چھینی جاسکتی تھی۔ ان اقدام کی وجہ سے خواتین کی طرف سے شدید رد عمل نہیں ہوا۔

اگر انقلاب کی مخالفت میں خواتین پیش پیش نہیں تو وہ کون لوگ ہیں جو افغانستان سے بھاگ کر باہر چلے گئے ہیں جہاں سے وہ انقلابی حکومت کے خلاف تحریکی کارروائیاں کر رہے ہیں۔ ؟ یہ سوال میں نے نائب وزیر اعظم وزیر خارجہ امور جناب حفیظ اللہ امین سے پوچھا۔ حفیظ اللہ امین نے کہا کہ اگر افغانستان کے داخلی معاملات میں بیرونی مداخلت نہیں کی جاتی تو وہ انقلابی حکومت کو جس معمولی سی مزاحمت کا سامنا ہے۔ اتنی مخالفت بھی نہیں ہوتی جناب امین نے بتایا کہ انقلاب کی مخالفت میں جو گروہ پیش پیش ہے وہ اغوانی ہیں یہ عرصہ دراز سے برطانوی سامراج کے پروردہ ہیں۔ انہوں نے سامراجیوں کی

ایما پر اپنی روایت کے مطابق ملک سے غداری کا کام جاری رکھا ہے۔ ان کے سب سے بڑے اتحادی بازو کے انتہا پسند ہیں جو حقیقت میں رجعت پسند اور سماجی لکھنٹ ہیں۔ ان کے علاوہ چند ایک تنگ نظری کی وجہ سے انقلاب کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان میں بڑی قومیت کی جارحانہ قوم پرستی اور چھوٹی قومیتوں کی تنگ نظری میں بیکار عناصر شامل ہیں۔

جناب حفیظ الدین امین نے مداخلت کرنے ... والے ملکوں کا نام نہیں لیا اور میں نے بھی اس پر اصرار نہیں کیا۔ البتہ میرے سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ ایک سے زیادہ ملک افغانستان کے خلاف تحریکی کارروائیوں میں ملوث ہیں ہم نے بہت تحمل سے کام لیا ہے تاکہ سرد جنگ شروع نہ ہو جائے بیرونی مداخلت کے موضوع پر بات کرتے ہوئے نائب وزیراعظم جناب عبدالقیوم نوروزی نے کہا کہ ہمارے پاس افغان انقلاب کے خلاف تحریکی کارروائیاں کرنے والے ملکوں کے بارے میں دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ جو کہ ہم مناسب وقت پر منظر عام پر لاسکتے ہیں۔

جہاں تک کہ تحریکی سرگرمیوں کی نوعیت اور شدت کا سوال ہے تو اس پر وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے البتہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جس قسم کا پروپیگنڈہ بی بی سی اور پاکستانی اخبارات میں افغان رجعی پناہ گزینوں کے حوالے سے کیا جا رہا ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں اس پروپیگنڈہ کے مطابق نور محمد ترہ کی حکومت چند روز کی مہمان ہے اس کے خلاف مربوط اسلامی تحریک چل رہی ہے۔ تین صوبوں پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اتنے ہزار غلطی مارے گئے اتنی سوٹنگیں تباہ کر دی گئیں اور دنیو وغیرہ ایسے پروپیگنڈہ کو ہاگ واسٹس کہا جاتا ہے اس کا غلطی ترجمہ ہے سٹور کا دھلایا بی اور واقعی افغانستان کے سٹور بازاری ملے اور ان کے اتحادی پاکستان کے چور بازو ایسٹے سٹور کے پانی میں ہی نہا رہے ہیں۔

جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں انقلابی حکومت کے خلاف کسی قسم کی فحش تحریک کا وجود نہیں ہے۔ البتہ دور واز علاقوں میں کئی پولیس اور فوجی چوکیوں پر چھاپہ مار حملوں کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ان سرگرمیوں کو عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے چونکہ یہ ایک سماجی انقلاب ہے۔ اس لئے آبادی کا ایک حصہ یعنی جاگیرداروں۔ سودخوروں اور سرمگروں، شاہی خاندان کے افراد اور ان کے حواریوں پر مشتمل عناصر یقیناً اس انقلاب کے خلاف ہیں۔ یہ مذہب کے نام پر اور میری مریدی کے رشتے سے عوام کے کچھ حصوں کو بہکا بھی سکتے ہیں۔

پاکستان میں جس قسم کی حرکتیں مورودوی فرقہ کے عناصر ترقی پسندوں کے خلاف

اشتعال دلانے کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ یعنی خود قرآن شریف کو آگ لگا کر ٹھوسٹی پر الزام دینا وغیرہ ایسی حرکتیں وہ شاید افغانستان میں بھی کریں۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے کیوں کہ افغانستان کے عوام ان کے ناپاک عزائم اور چالوں کو سمجھنے تک ہیں مثلاً جب انوائوں اور جماعتیوں کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ ہوتا ہے کہ افغانستان میں مسجدیں بند کر دی گئی ہیں تو وہ افغانی جو روزانہ غرور مسجد میں نماز پڑھتے ہیں یا دوسروں کو پڑھنا دیکھتے ہیں انوائوں کی شرانگیزی کو فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے افغانستان میں سامراج کے پروردہ مُتلاوں کو ”اخوان الشیاطین“ کہا جاتا ہے۔ جہاں تک کہ علمائے امام مسجد کا تعلق ہے تو وہ انقلاب کے حق میں ہیں یا کم از کم اس کے مخالف نہیں ہیں۔ ان میں سے جو اسلامی تعلیمات کا علم رکھتے ہیں اور بے ایمان نہیں ہیں، وہ اس بات سے بہت خوش ہیں کہ افغانستان میں پہلی مرتبہ بعض اسلامی احکامات پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے مثلاً فرمان منبرہ کی روئے افغانستان میں سو دخوری ختم کر دی گئی ہے اور لوگوں کی قریبی کی سودی جائیداد ان کو واپس لوٹا دی گئی ہے اس قدم سے نہ صرف لاکھوں غریب لوگوں کو ایک بہت بڑی نعمت سے نجات ملی ہے بلکہ یہ اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح فرمان منبرہ کے ذریعے عورت کی خرید و فروخت جو ایک قدیم روایت کے مطابق چلی آرہی تھی اور جسے دلوں کہا جاتا تھا ختم کر دی گئی ہے اور اس کی جگہ دس درہم کی شرعی مہر نافذ کر دی گئی ہے اس انقلابی فرمان کی وجہ سے ان ہزاروں مردوں پر سے بوجھ مہٹ گیا ہے جو کہ لاکھوں افغانی زہ ہونے کی وجہ سے شادی سے بھی محروم رہتے تھے۔ اس طرح استحصال کا خاتمہ اور سماجی برابری بھی اسلام کی سماجی قدروں کے مطابق ہیں۔ جب انوائی ان اقدام کی مخالفت کرتے ہیں تو لوگوں کی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ درحقیقت یہ خود اسلام کے دشمن ہیں۔

فی بی سی اور صالحین کے دعوؤں کی قلعی ایک بظاہر سطحی مشاہدے سے بھی کھل جاتی ہے مثلاً جوئے کے مہینے میں افغانستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ملک گیر مردم شماری ہوگی۔ اس مردم شماری کی تیاری سو فیصد مکمل کر لی گئی ہے۔ کارکنوں نے گاؤں گاؤں جا کر گھر گھر کی نشاندہی کر لی ہے تاکہ ہر گھر پر مردم شماری کا سوانامہ پیش کیا جاسکے۔ اگر امن وامان کی صورت حال اتنی خراب ہوتی اور کٹھی صوبے یا ضلع صائین کے قبضہ میں ہوتے تو مردم شماری کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ زرعی اصلاحات کو نافذ کرنے کیلئے اصلاحی ٹیمیں گاؤں گاؤں جا کر زمین کی تقسیم کر رہی ہیں۔ میں نے مختلف صوبوں میں زمین کے بٹوارے میں حصہ لیتے والے کارکنوں سے بات چیت کی اور اس سے مجھے انداز ہوا کہ انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی۔

عین اس وقت بیکہ بی بی سی افغانستان میں گھمسان کی لڑائی کی خبریں نشر کر رہا تھا افغانستان کی انقلابی کونسل کا اجلاس جاری تھا۔ اس اجلاس میں پولری کا بیٹہ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اراکین اور فوجی کمانڈر شریک تھے۔ یہ اجلاس کئی روز تک روزانہ کئی کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔ مکمل کارروائی کو ٹیڈیوٹن پر براہ راست دکھایا گیا تاکہ عوام یہ دیکھ سکیں کہ ان کے لڑھکا ملک کے بارے میں فیصلے کس طرح کرتے ہیں۔ یہ اجلاس انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ لیکن آرام دہ ماحول میں ہوا۔ اگر کوئی سنگین قسم کی واردات ہوتی تو یقیناً صدر ترہ کی حفیظ اللہ امین یا فوجی کمانڈروں کو اجلاس سے بلا کر مطلع کیا جاتا۔ لیکن ناظرین شاہد ہیں کہ اجلاس مکے دوران کسی قسم کی بھی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔

سرکاری شیعوں اور عوامی تنظیموں کے دفاتر میں جا کر دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ بہ کوفی نہایت اطمینان خود اعتمادی اور جوش و خروش کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اگر امن امان کی صورتحال نازک ہوتی تو اس کا اندازہ ان کارکنوں کے چہروں سے بھی سہجوتا۔ عوام بھی معمول کے مطابق سکون سے اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں درحقیقت وہ پہلے سے زیادہ سلامتی محسوس کرتے ہیں کیونکہ نئے نظام کے تحت حکومتی ادارے اور پولیس ان کے دشمن نہیں بلکہ معاون ہیں۔

پاکستان میں موجود انقلاب دشمن گروہ و دھمکیاں دے رہے ہیں کہ عرف پگھلے کے ساتھ ہی ان کی کارروائیاں تیز ہو جائیں گی۔ اور خلقی حکومت کے خلاف عام جنگ چھڑ جائے گی۔ انہوں نے جنگ کی یوتیاریاں کی ہوئی ہیں اس کا اندازہ انہی کو میوگا۔ میں نے دوسری طرف جودیکھا اور محسوس کیا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا چاہوں گا۔ کہ انقلابی حکومت ان سازشوں سے بے خبر نہیں ہے۔ اس نے بھی تخریب کاروں سے نمٹنے کے لئے فوجی تیاریاں مکمل کیں ہوں وہ سمجھتی ہے کہ اگلے چار پانچ ماہ میں سامراجی ان کے خلاف تخریبی کارروائیاں تیز کر دیں گے۔ حکومت کی فوجی تیاریوں سے زیادہ اہم بات حکومت اور پارٹی کی وسیع تر مہوتی ہوئی سماجی بنیاد ہے۔ افغان تخریب پسندوں کی اعلات کرنے والی حکومتیں شاید اس حقیقت کا پولری طرح ادراک کر سکتی ہوں۔ کیوں کہ ان کی اپنی سماجی بنیاد بہت محدود ہے اور وہ لیٹرے طبقوں کی رفاہی تنگ نظری اور محدود فکری حامل ہیں۔

جہاں پر انقلابی حقیقت کا ایک رخ یہ ہے کہ لیٹرے طبقے اور اوہام پسند عناصر سامراجی طاقتوں کی مدد سے انقلاب کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہاں اس حقیقت کا دوسرا اور زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ لاکھوں غریب عوام انقلاب سے فیض یاب ہوئے ہیں اور وہ اپنے

مازہ حاصل کئے ہوئے حقوق اور آزادی کی دفاع کے لئے سرحدوں کی بازی لگا دیتے ہیں۔ افغانستان کے انقلاب میں اقتدار پر قبضہ کرنے کے مندرجہ ذیل کار کی وجہ سے اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہے کہ خلقی حکومت کی بڑی عوام میں میریت نہیں ہیں تو وہ فوراً اس غلط فہمی کو دور کر لے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ افغانستان کے مخصوص تاریخی و سماجی حالات کے تحت خلق پارٹی ٹکوا ایک سال پہلے عوام کی جتنی حمایت حاصل تھی اتنی ہی افغانستان کی حالیہ تاریخ میں شاید کسی بھی حکومت کو حاصل نہ ہوئی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ گیارہ مہینے کے انقلابی عمل کے دوران حکومت

نے جس طرح عوامی حمایت کی بنیاد دینے کی ہے اس کا اندازہ شاید بہت کم لوگوں کو ہو۔

افغانستان کی آبادی کا تقریباً اسی فیصد کسانوں پر مشتمل ہے فرمان نمبر کی وجہ سے لاکھوں

انسانوں پر سے سود اور قرضوں کا بوجھ ہٹا ہے اور زمان نمبر کی وجہ سے لاکھوں کسانوں کو زمین ملی ہے اور فیوڈل ظلم سے نجات ملی ہے۔ یہ ہر قیمت پر انقلاب کا دفاع کریں گے۔

مزدور طبقہ افغانستان میں بہت چھوٹا ہے لیکن یہ تیزی کے ساتھ انقلابی عمل میں شریک

ہو رہا ہے۔ انقلاب کے بعد پہلی مرتبہ شریک زمین قائم کی گئی ہے اور مزدوروں کو بعض اہم

حقوق دلوائے گئے ہیں جن میں اوقات کار میں کمی بھی شامل ہے۔ سخی صنعت میں کام کرنے والے

مزدوروں کو سرکاری ملازمین کے برابر حقوق دینے لگے ہیں جس کی وجہ سے آٹا شکر گھڑی ،

چائے ، صابن ، کپڑا اور ضروریات کی دیگر اشیاء رعایتی قیمت پر ملتی ہیں۔ مزدور جاننے

ہیں کہ یہ حکومت ان کی اپنی ہے جو آگے چل کر ان کے لئے مزید سہولتیں فراہم کرے گی۔

ناخواندگی کے خلاف ہم حکومت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی ایک علامت ہے۔

بقول حفیظ الامین ہمارے سچے میں اس ہم کے لئے ایک کوڑی بھی نہیں۔ تاہم یہ

انتہائی کامیاب طریقے سے آگے بڑھ رہی ہے۔ وجہ؟ انقلابی جذبہ کے تحت ہزاروں استاد

طالب علم اور پیشے لکھے لوگ رضا کارانہ طور پر استاد کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اولکھوں لوگ شوق و جذبہ سے تعلیمی کلاسوں میں شریک ہو گئے ہیں۔ اس وقت تک ۹۰ سے

۵۰ سال کی عمر کے (اور بعض زیادہ معمر) چھ لاکھ لوگ ان کورسز میں تعلیم پا رہے ہیں جن

میں ۶۰ ہزار عورتیں بھی شامل ہیں۔ ان لاکھوں ناخواندہ لوگوں کی شرکت اور ہزاروں رضا کارانہ

کی خدمت اس بات کا ثبوت ہے کہ عوام انقلابی عمل میں جوش و خروش سے حصہ لے رہے

ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں تعلیم نہ صرف انہیں جہالت کے اندھیرے سے نکلے گی بلکہ انہیں

معاشی طور پر خوشحال ہونے میں بھی مدد دے گی۔

رضا کارانہ محنت صرف تعلیمی کورسوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ ہزاروں لوگ چھٹی

کے روز یا ملازمت کے اوقات کے بعد رضا کارانہ طور پر اسکول و مکاتوں کی تعمیر و دیگر

منصوبوں میں کام کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال خیر خانہ میں تین ماہ میں پانچ سو مکانات کی رضا کارانہ محنت کی بنیاد پر تعمیر ہے۔ مردم شماری کی تیاریاں جس تیزی اور سلیقہ سے کی گئی ہیں وہ واقعی حیرت کن ہے۔ یہ انفالتان کا پہلا سینسر ہے لیکن اس کے لئے صرف تین غیر ملکی مشیروں کی خدمات اقوم متحدہ کے توسط سے حاصل کی گئی ہیں جب میں نے منصوبہ بندی کے نائب وزیر عبدالغفور ملک زادہ سے اس عمدہ کارکردگی کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا ”الغالبی جذبہ، قومی فخر۔ اس کے علاوہ کوئی سبب نہیں۔ انقلاب کے بغیر سب کچھ ناممکن تھا“ انہوں نے بتایا کہ مردم شماری کے وقت وزارت تعلیم اور دیگر شعبوں کے دس ہزار رضا کار اس کام میں حصہ لیں گے۔

یہ تین چند مثالیں انقلابی تبدیلی میں عوام کی شرکت کی جن سے انقلابی حکومت کی مقبولیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہے انفالتان انقلاب کی اصل قوت۔ اس قوت کے مقابلہ میں جو قوت صف آرا ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ ذرا اس پر بھی غور کیجئے۔ اپنی محدود تعداد کے علاوہ اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ عوام کے مفادات کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ وہ علم روشنی، ترقی اور انصاف کے خلاف نظر ہی ہے۔ وہ اپنے ناکام عزائم پر ”اسلام“ کا پردہ ڈالنا چاہتی ہے۔ لیکن ۵۰ سال پہلے آیا ہوا شور بازاری نسخہ اس انقلابی دور میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ انفالتان عوام بہت تیزی کے ساتھ انقلابی نظریے سے یس ہو رہے ہیں اور انقلابی نظریہ کا ہتھیار آتشیں ہتھیار سے زیادہ طاقت ور ہے جب میں نے حفیظ اللہ امین سے غلطی فوجی افسروں کے انقلاب میں رد و بدل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا ”ہم تو انہوں کو قتل و شکنجوں سے مسلح تھے بلکہ یہ انقلابی نظریہ سے بھی یس تھے اور مکمل طور پر پارٹی کے وفادار تھے جب میں نے انہیں عمل میں آنے کا حکم دیا تو انہوں نے فوراً انقلابی کارروائی شروع کر دی“ پارٹی نے فوج میں زبردست سیاسی کام کیا ہوا تھا۔ اس وقت تمام کمانڈر خن پارٹی کے ممبر تھے۔ اور عام فوجی یا لو ممبر ہیں یا انقلاب کی سرگرم حمایت کرتے ہیں۔ فوج پر پارٹی کی گرفت انتہائی مضبوط ہے۔ خن پارٹی کا کہنا ہے کہ انقلاب کے وقت پارٹی میں پچاس ہزار ممبر تھے۔ انقلاب کے بعد براہ راست جمہور سازی میں جلد بازی نہیں کی جا رہی۔ اور امیدواروں کو صرف اس وقت پارٹی میں لیا جاتا ہے جب وہ تمام شرائط پوری کریں جس میں انقلابی فلسفہ کا علم لازمی ہے نئے جمہور عام طور پر پہلے عوامی تنظیموں میں شامل ہوتے ہیں۔ جہاں وہ دیوانہ طور پر مل جلنے کے بعد پارٹی کی رکنیت کے اہل بنتے ہیں۔ عوامی تنظیموں میں لوگ کس جوش و خروش سے شامل ہو رہے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلقی فوجیوں کی تنظیم

اس وقت ہر صوبے اور ہر دو سوال میں موجود ہے اور اس میں ڈھائی لاکھ ممبر شامل ہیں یہ انقلابی احکامات اور فرامین کو عملی جامہ پہنانے اور عوام کو متحرک کرنے میں بنیادی کردار ادا کر رہی ہے۔ اس طرح خواتین کی تنظیم جس میں انقلاب سے پہلے صرف چھ یا سات سرخواتین شامل تھیں اس وقت بارہ ہزار سے زیادہ خواتین شامل ہیں۔ انقلاب سے پہلے انسان میں ٹریڈ یونین کا وجود کم نہ تھا۔ لیکن اس وقت ایک لاکھ ۵۰ ہزار سے زائد مزدور یونینوں میں منظم ہوئے ہیں یہ انقلاب کی ہر اول قوت ہوں گے۔

عوام کس تیزی کے ساتھ انقلابی فلسفہ اور علم سے اپنے آپ کو مسلح کر رہے ہیں اس کا اندازہ سیاسی لطیفہ کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے وزارت اطلاعات کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں چھپی ہوئی سیاسی کتابیں اور پمفلٹ دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں بار بار شائع کرنا پڑتا ہے پریسوں پر اتنا بوجھ ہے کہ وہ عوام کی ضرورت کے مطابق لطیفہ چھاپ نہیں سکتیں حکومت چھپائی کی نئی پریسیں لگا رہی ہے صدر ترہ کی فلسفہ پر لکھی ہوئی کتاب ”زندگی نوین“،

کی جو ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، نوے ہزار کاپیاں ذریعہ فروخت ہو چکی ہیں اور اب بھی اس کی زبردستی مانگ ہے۔ جگہ جگہ نوجوان، سپاہی اور مزدور اور دوسرے لوگ فرصت کے اوقات میں سیاسی کتابیں پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کابل میں ہر جمعہ عورتوں کے لئے سیاسی تعلیمی کلاس میں دو ہزار خواتین شریک ہوتی ہیں۔ انقلابی شعور سے بیس عورتیں اور مرد نوجوان اور بوڑھے سولین اور فوجی ایک جدید اور انصاف پرور معاشرے کی تعمیر میں سرگرم عمل ہیں اس ناقابل تسخیر

قوت کے سامنے دنیا بھر کی فیوڈل نظریات رکھنے والے سامراجی چٹوکتی مؤثر مزاحمت کر سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ ہم اچھی طرح لگا سکتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ کچھ جانی و مالی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور حکومت کی توجہ تعمیری کاموں سے ہٹا کر تخریب کاروں کی سرکوبی کی طرف مبذول کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ تاریخ کے پہلے کو چھپے نہیں دھکیل سکتے۔ ایسا نہ روس میں ہو سکا ہے، نہ کیوبا میں۔ نہویت نام میں اور نہ ہی انگریزوں میں۔ پاکستان کے رجعت پسند، انقلاب دشمن

انڈینوں کی ہمت افزائی کر کے اور افغان حکومت کے خلاف استعمال انگیزی کر کے ایک خطرناک کھیل میں ملوث ہو رہے۔ مداخلت کی اس منطق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ جن ملکوں کی سرحدیں سے حوالہ انقلابی کارروائیاں کی جاتی ہیں، اس کی حکومت کی ”بہمان نوازی“ اور براہ راست مداخلت میں خطا مبالغہ بہت باریک ہو جاتا ہے۔ کا یہ کہ؟ کہیں ان جھگڑوں کے ساتھ اپنی دلدل تک نہ چلی جائے کہ ان کی پٹائی کی صورت میں میزبان حکومت بھی جنگ کی دلدل میں پھنستی چلی جائے اگر پاکستان کے جماعتیے اور ان کے بونا پارٹسٹ حلیف اپنے ہی پروپیگنڈہ کا شکار ہو گئے ہیں

کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب لے آئے ہیں اور اب اسے ایک سپورٹ بھی کرنا چاہیے تو اتنے بڑے پیمانہ کی حماقت ہوگی کہ جس کی جدید تاریخ میں بہت کم نمایاں ملتیں ہیں۔ قبرص کے مسئلہ پر یونانی فوجی ٹوٹے کی حرکت کی وجہ سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں انہیں بھولنا چاہیئے۔ پاکستان کے اندر کس کو عوام کی کتنی حمایت حاصل ہے اور عوام کی نظروں میں ریاستی اداروں کی کیا وقعت رہ گئی ہے اس کا ہر کسی کو علم ہے ایک مرتبہ اس بات پر بھی غور ہونا چاہیئے کہ کیا اس ملک کے عوام اب کس حجم جوئی کو برداشت کریں گے؟ افغانستان کی صورت حال کا غلط تخمینہ لگانے کا کافی جواز ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ اس تاریخی فیصلہ کو اب بدلنا نہیں جاسکتا یہ صرف حیوانی جبلت کا ہے جو عقل و دانشمندی سے ٹکڑا سکتی ہے بہتر ہے کہ نوشتہ دیوار کو پتھر لیا جائے۔

انقلاب افغانستان اور امریکہ

۱۹۷۸ء اپریل میں افغانستان میں انقلاب پام ہوا تھا۔ یہ انقلاب بنیادی طور پر حکومتوں اور ان کے سربراہوں کی تبدیلی نہ تھی بلکہ یہ ایک نظام، ایک طرز زندگی، افغانستان کے پورے سماجی ڈھانچے میں تبدیلی کی ابتدائی تبدیلی کا ایسے ملک میں رونما ہونے لگی تھی جو اس روئے زمین کے پسماندہ ترین ممالک میں سے تھا۔ جہاں کے لوگ زندگی کی ہر قسم کی آسائش اور ضرورت سے محروم تھے اور سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ ہم ان کے قریب ترین ہمسائے ہیں ہم کو بھی ان کی اس پسماندگی اور ان پر روا رکھے جانے والے جبر کا پوری طرح سے کوئی علم نہیں تھا ہم افغانوں کے متعلق الف لیوی قحطی کہانیوں سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں اور اب بھی سو رہے ہیں کہ یہ افغان بہت بہادر ہیں۔ ان کے سر کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکے کبھی انہوں نے کسی کی غلامی قبول نہیں کی۔ یہ سب وقت شمشیر بکف رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان الف لیوی قحطی کہانیوں کی یلغار میں ہم اس پاندمے اور افغان کو بھی بھول گئے جو اس پورے برصغیر میں سود کا دھندہ کرتا تھا اور کسی طرح سے یہاں پر ہماری جمہوریوں سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ یہ ہم نے کبھی بھی جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ سود خوری ان کے ہاں ایک طبقہ کا جزو زندگی بن گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ جو افغان سود خور اپنے ملک سے باہر اگر ہماری جمہوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ اپنے غریب عوام کو کیوں اور کیسے بھٹاتا ہوگا۔ اسی طرح ہم یہ بھی بھول گئے کہ وہاں کے قبائلی سردار اور زرعی زمینوں کے مالک کے ہاتھوں کس طرح وہاں کا کاشت کار لٹ رہا ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی ایس حکومت آئے جو سود کے کاروبار کو بند کرے، جو زرعی اراضی کاشتکاروں میں تقسیم کرے اس کے خلاف وادیلا مچنا لازمی ولایتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ میں نے اس انقلاب کے پورے ایک سال کے بعد اس انقلاب اور افغانستان کے بارے میں یہ صفحات قلمبند کئے تھے۔ اس کے بعد اب تک بڑی اہم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ اور اب یہ پورا خطہ دنیا کے دونظاموں یعنی سرمایہ داری نظام اور سوشلسٹ سسٹم کے تضادات اور کشمکش کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ اور اس کشمکش میں ہم پوری طرح سے امریکہ اور اس کے دوست سرمایہ دار ممالک اور ان کے حامی مبنائی اسلامی بادشاہوں کے کیمپ میں چلے

میں اور اس طرح سے ہم غیر جانبداری کا اعلان کرتے ہوئے بھی جانبدار بن گئے ہیں۔
 اب یہ بات کہ جسے بھی دھکی چھپی نہیں رہی ہے کہ افغانستان میں انقلاب کو کام نہ بنانے
 کے لئے اور انقلاب کی جو طاقتیں افغانستان کے اندر اور باہر معروف جلال ہیں ان کو امریکہ اور اس
 کے حامیوں کی براہ راست امداد حاصل ہے اور امریکہ جو ہمیں بھی مدد دے رہا ہے وہ بھی
 اسی لئے کہ ہم افغانستان کے اندر اور انقلاب کی طاقتوں کے ہم نوا ہیں اور صرف ہماری
 وساطت سے ہی ان تک اسلحہ پہنچ سکتا ہے اور پاکستان کے حکمران اب خود بھی اس امر کو
 کھلم کھلا تسلیم کرتے ہیں کہ وہ امریکہ کے مفادات کے زیر دست محاذ ہیں چنانچہ ۱۹۸۲ء
 کے ابتدائی مہینوں میں جنرل ضیاء الحق نے PARADE میگزین کے نمائندے کو انٹرویو دیتے
 ہوئے کہا تھا۔

”پاکستان اس وقت آزاد دنیا کی حفاظت کا فریقہ تن تنہا ادا کر رہا ہے۔“
 ”پاکستان اس وقت جنوب مغربی ایشیاء اور خلیج کے علاقوں امریکی مفادات کی
 نگہبانی کا اہم فرض پورا کر رہا ہے۔“

اسی میگزین کے نمائندے نے اپنے اسی تفصیلی مضمون میں لکھا تھا۔
 دہشتا ور کے قریب کچا گڑھ سی کمپ میں وہاں کے ایک افسر نے مجھے بتایا کہ مہاجرین
 نے ایسا نظام استوار کر رکھا ہے جس کے تحت ان میں سے فوجیوں ہاری باری پانچ چھ ماہ کے
 لئے افغانستان کے اندر سوویت یونین کے خلاف لڑنے کے لئے جاتے ہیں دغی افغانیوں
 کا پاکستان کے اندر ہی علاج معالجے کا اہتمام ہوتا ہے۔“
 آگے چل کر لکھتا ہے۔

افغان مجاہدین کے لئے ہتھیار صوبہ سرحد کے راستے سے ہی بھیجے جاتے ہیں۔
 اس لئے کہ ہتھیاروں کی ترسیل کا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے گو حکومت پاکستان سرکاری طور
 پر اسکو تسلیم نہیں کرتی ہے۔ حالانکہ یہ باہمی اس امداد کے بغیر ایک دن بھی نہیں لڑ سکتے
 نامہ نگار مزید لکھتا ہے۔

”پاکستانی فوج اور فنی عملہ خلیج کے مختلف علاقوں اور سعودی عرب میں موجودگی وہاں
 کے تحفظ اور اقتصادى امن کے لئے بے حد اہمیت رکھتی ہے اور اس طرح پورے خطے
 کے تحفظ کی ذمہ داری پاکستان پوری کر رہا ہے۔ چنانچہ جنرل نے مجھے بتایا کہ خلیج کے ہر ملک
 میں پاکستانی مزدور، فنی عملہ، استاد ڈاکٹر آپ کو ملیں گے جہاں بھی مدد کی ضرورت ہوتی
 ہے ہم وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں ان علاقوں میں تھوڑا بہت فوجی اثر و رسوخ
 ہی حاصل ہے۔ بقول نامہ نگار جنرل ضیاء بہت انکساری سے کام لے رہے تھے۔“

حقیقت یہ ہے کہ خلیج کے تمام ملکوں میں بالخصوص اومان میں پاکستان کے فوجی مشین کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں اور یاد رہنا چاہیے کہ اومان نے ہمز کے دہانے پر واقع ہے اور خلیج میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ ہے۔“

مغرب کا کوئی اخبار نہیں جس نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ امریکہ اور مغربی ممالک کا براہ راست افغانستان کے اندر انقلاب کو ناکام بنانے کی جو کاندھیاں ہو رہی ہیں اور جو مسلح جدوجہد کی جارہی ہے اس میں یہ مغرب اور امریکہ ملوث ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جماعت اسلامی اور افغان باغیوں کے بعض راہنما اس امر سے انکار کرتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں لاہور کے روزنامہ جنگ انقلاب مخالف عناصر کے دو لیڈروں پروفیسر ربانی اور گلبدین حکمت یار کو خاص طور پر جنگ فورم میں مدعو کیا اور اس میں انہوں نے مختلف سوالوں کے جواب میں با وضاحت اپنا موقف بیان کیا لیکن ہر سوال کے جواب میں انہوں نے کمال اصرار کے ساتھ امریکی امداد اور ان سے ہتھیاروں کی امداد سے انکار کیا۔ حالانکہ اس مسلسل انکار سے چند روز ہی پہلے امریکہ کے مشہور اخبار واشنگٹن پوسٹ نے اپنی ۱۴ جنوری ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں لکھا تھا۔

د امریکہ کی خفیہ ایجنسی سی۔ آئی۔ اے افغانستان کے باغیوں کو جو افغانستان کے اندر سوویت حملہ آوروں کے خلاف امداد دے رکھی ہے اس کی تعداد اور مقدار ان تمام خفیہ امدادوں سے کہیں زیادہ ہے جو آج تک سی۔ آئی۔ اے مختلف باغیوں، گوبینچاقی رہی ہے۔ حتیٰ کہ یہ امداد ویت نام کی امریکی امداد سے بھی زیادہ ہے چنانچہ ٹیکساس کے نمائندے چارلس ولن کے اصرار پر امریکی کانگریس نے صدر ریگن کی طرف سے افغان باغیوں کو اسلحہ کی فراہمی پہنچانے کے لئے جتنی امدادی رقم کا مطالبہ کیا تھا اس میں اب تین گنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب اس سال ۱۹۸۵ء کے لئے افغان باغیوں کو امریکہ کی جو امداد ملے گی اس کی رقم ۲۵۰ ملین ڈالر ہوگی یعنی دو ارب ۵۰ کروڑ ڈالر ہوگی صرف یہی نہیں بلکہ اس رقم کے علاوہ جو مجموعی امداد جن میں اسلحہ وغیرہ شامل ہے وہ سب ملا کر یہ رقم ۵ سو ملین ڈالر تک پہنچ جائے گی اور یہ بھی بحث جاری ہے کہ آئندہ سال باغیوں کو مزید امداد دی جائے اور مجموعی طور پر ۵ سو ملین ڈالر کی رقم اور اسلحہ مہیا کیا جائے اسی واشنگٹن پوسٹ کے مطابق یہ افغان کارروائی اور جس طریقے سے یہ کارروائی پھیلتی جا رہی ہے اس کی وجہ سے یہ پوری کارروائیاں اب امریکی انتظامیہ، خود سی۔ آئی۔ اے اور کانگریس کے انداز میں درست طریقے سے بحث کا موضوع بن رہی ہیں۔ ان اداروں کے بہت سے افسر جو اپنے کو ظاہر کرنے سے گریزاں ہیں ان

کارروائیوں کے پھیلاؤ اور توسیع پر تشویش کا اظہار کر رہے ہیں اور ان کو خدشہ ہے کہ یہ کارروائیاں قابو سے باہر نہ ہو جائیں اور افغانستان کے اندر سوویت فوجوں کو بڑے پیمانے پر کارروائی پر مجبور نہ کر دے۔ لیکن اس نقطہ نظر کے مقابلے میں ولسن اور کانگریس کے اندر جو افغان باغیوں کو امداد دینے کے حامی ہیں وہ وادیا مچا رہے ہیں کہ امریکہ ان باغیوں کی پوری طرح امداد نہیں کر رہا اور ان کو پورا اسلحہ نہیں مل رہا جو مل بھی رہا ہے وہ بھی پرانا اور دیا نو سی ہے۔ چنانچہ یہ حلقے آواز کر رہے کہ باغیوں کو زمین سے ہوا تک مار کرنے والے میزائل بھی مہیا کئے جائیں لیکن تاحال معلوم ہوا ہے سی۔ آئی۔ اے نے اس تجویز کو رد کر دیا ہے لیکن سب سے زیادہ تنازعہ اینٹی ایئر کرافٹ کین کے مہیا کرنے کے مسئلہ پر ٹھکڑا ہوا ہے۔ کیونکہ ولسن نے سی۔ آئی۔ اے کے لئے ان ہتیارے گرانے والی توپوں کے مہیا کرنے کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا انتظام کر لیا ہے چنانچہ اس اقدام سے دوسرے حلقے پریشان ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس سے صورتحال کے بگڑنے کا احتمال بڑھ گیا ہے چنانچہ اس موجودہ صورت حال کے آخر تک امریکہ ۲ لاکھ سے ۳ لاکھ ہمدرد فوجی باغیوں کو ہتھیار، ادویات، کپڑے، خوراک اور سرمایہ فراہم کرتا ہے جو سوویت یونین کی ایک لاکھ دس ہزار فوج سے نہ بڑا نا ہوں گے اور اس طرح سے خفیہ ایجنٹوں کی رپورٹوں کے مطابق موجودہ وقتوں کا سب سے خون آشام معرکہ وجود میں آنے کے شدید خدشات ہیں۔

واشنگٹن پوسٹ کے خفیہ ایجنسی کے افسر کے رد عمل کو اس کے اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ یہ ایسا پروگرام ہے جو پھٹنے کے قریب ہے اور یہ ایک ایسے خطے میں پھٹنے والا ہے جہاں زبردست کشمکش پائی جاتی ہے اور اب پوری کشمکش وسطی امریکہ سے یہاں منتقل ہو رہی ہے، لیکن اس توسیع اور پھیلاؤ کے مخالفین کے ایک نمائندے کا کہنا ہے ”میں دیت نام سے کچھ سبق حاصل کرنا چاہتا تھا کہ سپماندہ لوگوں کو جب ضرورت سے زیادہ عمدہ ترین ٹیکنالوجی سے روشناس کر لیا جاتا ہے تو اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں“ ایک خفیہ ایجنسی کے دوسرے افسر کے مطابق۔ ”ہم اس پروگرام کو کامیابی سے قتل کر ڈالیں گے“ واشنگٹن یونٹ نے اپنی اسی رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے ”حملہ آور سوویت فوجوں کی زیادتیوں، منظم اور انسانی حقوق کی پامالی کی جہاں سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں لیکن سادھی اب امریکی حکومت نے ان رپورٹوں کو بھی صحیح تسلیم کر لیا ہے اور انہی تصدیق کر دی ہے کہ باغیوں نے جنہیں امریکی امداد حاصل ہے نے سوویت فوجیوں کو جبرائیت اور زہریلی ادویات دیں، ان پر بے پناہ منظم طور سے اور تقریباً سچاس سے ۲ صد

سوویت فوجیوں کو پنجروں میں جیدانوں کی طرح بند کر رکھا۔ یہی نہیں بلکہ امریکی کانگرس کے حلقوں کا کہنا ہے کہ ان باغیوں نے کئی ایک فوجیوں اور سوویت انتظامی مشیروں کو قتل بھی کیا ہے لیکن امریکی ایٹمی جنس کے افسروں کا موقف ہے کہ وہ ان حالات میں باغیوں کو تباہی نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ عملاً وہ باغیوں کی مسلح جدوجہد کی کمان ہی نہیں کر سکتے اس لئے ان کو براہ راست قتل و غارت کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔ وائٹنگٹن یونٹ کے اس تفصیلی رپورٹ جس کو ۱۲ اور نے مرتب کیا ہے میں مزید

لکھا ہے کہ سی۔ آئی۔ اے کو افغانستان میں باغیوں کی رقوم میں معتد بہ اضافے کی ابتداء ۱۳ کے آخری مہینوں سے شروع ہوئی جب ولسن کی خفیہ ترمیم کے ذریعے حکمہ دفاع کے بجٹ سے ۴۰ ملین ڈالر کی رقم افغان باغیوں کے لئے سی آئی اے کے نام منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس رقم سے فضا میں طیاروں کو مار گرانے والی توپوں کی خریداری اور باغیوں کو ان کی ترسیل بھی مقصود تھی۔ اس کے علاوہ ولسن کے ہی اہرار پر مزید ۵۰ ملین ڈالر مزید ہتھیاروں اور دوسری اشیاء کے لئے سی۔ آئی۔ اے کو منتقل کئے گئے۔ مزید برآں امریکی سینٹ کی ایٹمی جنس

صدر نے بالآخر سی آئی اے کے لئے افغان باغیوں کی امداد کے لئے سالانہ رقم میں ہی ۲۵۰ ملین ڈالر کی سالانہ رقم مختص کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ اب ۹۸۵ کے سال کے لئے سی آئی اے افغان باغیوں کی امداد کے لئے اڑھائی سو ملین ڈالر خرچ کرے گی لیکن باوثوق ذرائع کا کہنا ہے کہ ۹۸۵ میں باغیوں کو اڑھائی سو ملین ڈالر سے بھی زیادہ کی امداد حاصل ہو سکے گی۔ اور یہ رقم کوئی ۲۸۰ ملین ڈالر تک جا پہنچے گی کیونکہ پچھلے سال کی امدادی رقوم میں سے بھیجی ہوئی رقم جو اس سال استعمال ہو سکے گی۔

اس رپورٹ کے مطابق کانگرس کے اس با اثر نمائندے ولسن جس کی کوششوں اور اصرار سے سی آئی اے کو افغان باغیوں کی امداد کے لئے رقوم میں معتد بہ اضافہ سوا وہ اب تک پانچ دفعہ پاکستان اور مہاجرین کے کیمپوں کا دورہ کر چکا ہے۔ اس کے ایک صاحبی خود برونی امداد دینے والی کانگرس کی سب کمیٹی کا طویل مدت تک صدر رہا ہے اور اب پچھلے سال نومبر میں اس کو سب سے ہو گئی ہے اپنے دورہ پاکستان جو ۱۹۸۱ میں کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ ان کو ایسے ہتھیار مطلوب ہیں جو روسی سپر کاپٹروں کو مار گرائیں اور ان کو فضا میں مار کرنے والی توپوں کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اس وقت باغیوں کے پاس صرف سین گیس ہیں جو سپر کاپٹروں کو نقصان

ضرور پہنچا سکتی ہیں لیکن ان کو گرا نہیں سکتیں کے مطابق جنرل ضیاء نے تجویز کی کہ فصائیں مار کر نئے والی توپ اگر امریکی نام سے ہوگی تو سوویت یونین کے لئے اس کے بارے میں جان لینا خاص آسان نہ ہوگا۔ اور پاکستان اس میں ملوث ہو جائے گا اس لئے یہ توپیں کسی دوسرے ملک کی ساختہ ہونی چاہئیں۔ ویسے جنرل ضیاء اس امر کے لئے بھی تیار تھے کہ اگر ان کو ملوث کر بھی لیا گیا تو اس کے نتائج وہ برداشت کر لیں گے۔

یہ تفصیلی رپورٹ پیٹ واشنگٹن پوسٹ سے اس لئے پیش کی ہے کہ اولاً یہ تازہ ترین رپورٹ ہے جو جنوری ۱۹۸۵ء کے وسط میں شائع ہوئی ہے اور جس کا بہت سا حصہ خود لٹوائے وقت نے ۲۵ جنوری ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں نقل بھی کیا ہے۔ دوم اس سے اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ امریکہ براہ راست اس افغان جہاد میں ملوث نہیں ہے بلکہ ایک حد تک یہ بیضای جہاد ہے جو امریکہ کی طرف سے یہ نام نہاد مہاجرین لڑ رہے ہیں۔

انقلاب افغانستان اور امریکہ اور سوویت یونین | یہ تھا افغانستان کی موجودہ صورت حال

کا ایک پہلو! لیکن اس پر رے مثلے کو سمجھنے کے لئے ہمیں دو مزید سوالوں کا جواب دھونڈنا ہوگا۔

اس وقت عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ سوویت یونین نے افغانستان میں اپنی فوجیں ۱۹۷۹ء دسمبر میں روانہ کر دیں اس لئے اس کے بعد سے امریکی مداخلت کے دروازے کھل گئے اور ہمارے یہاں کے دانشور اُٹھتے بیٹھتے یہ ہی کہتے سنائی دیتے ہیں کہ افغانستان کے مسئلہ نے ہماری جمہوریت کی جنگ کی راہ میں مشکلات پیدا کر دی ہیں اور جنرل ضیاء الحق کی خصوصی فوجی آمریت کو اسی افغانستان کے مسلکی وجہ سے ہی امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہے۔ ان دانشوروں کے اس موقف کا اگر ذرا تجزیہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ کہہ رہے ہیں کہ افغانستان میں انقلاب رونما نہیں ہونا چاہیے تعانیمکہ اس انقلاب کی وجہ سے امریکہ اس علاقے میں سرگرم عمل ہو گیا ہے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اس نے جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کی پشت پناہی شروع کر دی ہے اس پر رے موقف کا مطلب یہ نکلتا ہے جیسے سوویت یونین کی افغانستان میں آمد سے پہلے امریکہ کو اس خطے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی اور افغانستان اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا، ان دانشوروں کو صرف دونوں حقائق ہی سامنے رکھنے چاہئیں اگر امریکہ کو اس خطے سے دلچسپی نہ تھی تو سچرا سالہا سال تک ہم سینٹر اور سیٹو کے کمیونسٹ دشمن فوجی معاہدوں میں پابنبر

۱۹۴۷ء میں برصغیر برما اور لنکا آزاد ہوئے اور اس خلا کو پُر کرنے کے لئے امریکہ آگے بڑھا اور تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ امریکہ جنگ کے دوران میں ہی برطانوی سامراج کو اس خطے میں پس پشت ڈال کر خود اس کی جگہ لینے کے لئے زبردست ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ ایسے حالات میں افغانستان کی امریکہ کے لئے زبردست اہمیت تھی کیونکہ یہ سوویت یونین کی جنوبی سرحدوں پر واقع تھا۔ اس لئے امریکہ کی زبردست خواہش تھی کہ افغانستان اپنی غیر جانبداری ترک کر دے اور امریکہ کے مجوزہ فوجی معاہدوں میں شریک ہو کر اس کو فوجی اڈے مہیا کر دے چنانچہ ان ضرورتوں اور خواہشوں کا امریکہ اور مغرب کی طرف سے برملا اظہار ہوا۔ نے لگا چنانچہ ۱۹۵۰ء میں رسالہ ”

کے لئے افغانستان کی سب سے بڑی اہمیت ہی یہ ہے کہ اس سرزمین کی سوویت یونین پر حملے کے لئے آسانی سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ۱۹۴۹ء میں برطانیہ کے جرمنی نے تسلیم کیا کہ افغانستان کو تاریخ کے اس دور

میں اہمیت حاصل ہو گئی جو یورپ میں آئرن کرسس کی سرحدوں پر واقع ممالک کو حاصل ہے یکم جون ۱۹۵۵ء کو نیویارک سیرلڈ ٹریبیون نے لکھا تھا کہ دنیا کے کم علاقے آج امریکی فوج کے لئے اتنے پرکشش ہیں جتنا کہ افغانستان کا خطہ چنانچہ امریکہ نے افغان میشت کو اپنے زیر اثر لانے کا کام اس صدی کی پانچویں دہائی کے آخری سالوں میں ہی شروع کر دیا تھا اور یہی وہ زمانہ تھا جب ایک امریکی تجارتی کمپنی

نے افغانستان کے اندر مختلف منصوبوں کی تکمیل کا ٹھیکہ حاصل کیا لیکن اپنے معاہدے کی پابندی نہ کی اور افغانستان کا زرخیز خرچ کروا کے ایک طویل عرصے ان منصوبوں کو معرض التوا میں ڈالے رکھا مقصد یہی تھا کہ افغانستان کو مالی طور پر اتنا زیر بار کر دیا جائے کہ اس کے لئے امریکی فوجی معاہدوں اور امداد کی زنجیروں میں پھنسنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے چنانچہ افغانی بریڈہ انیس ” کو ۱۹۶۳ء میں لکھنا پڑا کہ امریکیوں کو افغانستان کے

منصوبوں سے زیادہ اپنی کوٹھیاں اور جنگلے تعمیر کرنے میں دلچسپی ہے۔ اس تمام تاریخ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وادی ہند کی زرعی پیداوار پچھلے بارہ برس میں سال بہ سال کم ہو رہی ہے اس کے بعد جب امریکی امداد کا مسئلہ اٹھا نہیں؟ امریکی قرضوں کا تو اس پر سب سے اہم شرط یہ عائد کی گئی کہ سوویت یونین کے ساتھ تجارت معتمدہ کمی کر دی جائے چنانچہ امریکہ کے کامرس سیکرٹری نے جنوری ۱۹۵۲ء میں کانگریس کے روبرو تسلیم کیا تھا کہ امریکہ نے ۱۹۵۱ء میں افغانستان پر واضح کر دیا تھا کہ حالیہ منظور شدہ قانون کے تحت جب تک افغانستان سوویت یونین اور مشرقی یورپ کے ممالک سے تجارت میں کمی نہیں کرتا اس وقت امریکہ افغانستان

کی کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ اس امریکی قرضوں اور امداد کے ذریعے امریکی جاسوس اور سی آئی اے کے کارندے افغانستان کے شمالی علاقے جو روس کے وسطی ایشیائی جمہوریوں سے ملحق تھے وہاں پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس جاسوسی کارروائیوں نے سوویت یونین کو احتجاج پر مجبور کیا چنانچہ اگست ۱۹۵۲ء میں سوویت یونین نے افغانستان کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا کہ نیٹو معاہدہ کے ممالک کے فنی مشیروں کو افغانستان کے شمالی علاقوں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ افغانستان کی حکومت نے ۱۹۵۲ء میں اپنے شمالی علاقوں میں مغربی ممالک کے فنی مشیروں کے داخلے پر پابندی عائد کر دی۔

اسی زمانے میں افغانستان پر مزید دباؤ ڈالنے کے لئے پاکستان اور افغانستان کے تعلقات میں کشیدگی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی کیونکہ افغانستان کی زیادہ تر درآمدی اور برآمدی تجارت پاکستان کی بندرگاہ کراچی سے ہوتی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں افغانستان نے سوویت یونین سے تجارت کی مراعات حاصل کر لیں چنانچہ جب امریکہ اور پاکستان کے تعلقات استوار ہو رہے تھے اور امریکی اسلحہ اور فوجی امداد پاکستان کو حاصل ہونے لگی تھی تو اس زمانے میں ہی افغانستان کے جریدے "انیس" ۹ دسمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں لکھا تھا "پاکستان اگر امریکہ کو فوجی اڈے مہیا کر کے اسلحہ حاصل کرتا ہے تو یہ اقدام اس خطے کے تحفظ اور پورے مشرق وسطیٰ کے امن کے لئے مہلک ثابت ہو گا۔" یہی نہیں بلکہ ۱۹۶۰ء کی فروری میں افغانستان کے وزیر خارجہ نے برملہ کہا تھا "در امریکی امداد کے ساتھ شرائط و البتہ ہیں مثال کے طور پر امریکہ ہمیں فوجی ہلاک میں شریک کرنا چاہتا ہے لیکن یہ شرائط ہمیں منظور نہیں۔ افغانستان کی حکومت غیر جانبداری اور نارنگی کی پالیسی پر قائم ہے۔ اب ان حالات میں اگر افغانستان میں ایک ایسا انقلاب برپا ہو جائے جو پورے سماجی ڈھانچے کو بدل کر رکھ دے ظاہر ہے اس پر مغربی اور امریکی سامراج کیسے خوش ہو سکتے ہیں اور اس انقلاب کی کامیابی کو آنکھیں بند کر کے کیسے قبول کر سکتے تھے۔ لیکن اس صورت حال کو ذرا تاریخی پس منظر میں بیان کر دوں تو یہ عام مخالفت اور انقلاب کی تحریک ذرا واضح ہو جائے گی۔"

میں سچے صفحات میں تفصیل سے روشنی

القلاب افغانستان کا پس منظر

کیسے سیاسی آزادی کے بغیر سب سے پہلے جدوجہد کی اور اس جدوجہد میں کس طرح سوویت یونین کے انقلابی رہنماؤں نے اسی اعانت کی اور پھر امیر ایمان اللہ سی تھے جنہوں نے افغانستان کو ایک جدید ریاست کے دور میں داخل کرنے کی کوشش کی ان تمام اقدام نے برطانوی

مسارح کو بکھلا دیا۔ وہ تمام ہندوستان کی شمالی سرحدوں پر ایک جدید قسم کی آزاد ریاست جو سوویت یونین کی حامی کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس کا تختہ الٹ دیا گیا اور اس کے بعد تقریباً ۲۰ سال تک افغانستان کی نادر شاہی خاندان کے جبر تلے پتار بٹاتا آنکھ ۱۹۴۴ میں

جب برصغیر کو سیاسی آزادی ملی تو افغانستان میں بھی سیدری کی لہر نمایاں ہونے لگی اور افغانستان کے تعلیم یافتہ اور ترقی پسند نوجوانوں دیکھے زمینیاں یعنی تیار نوجوانوں کی اسجمن، کایام عمل میں آیا اور اس کی کوششوں سے ۲۰۰ کرنی پارلیمنٹ وجود میں آئی جس میں تقریباً ۵۰ اراکین جو بالکل نظریات کے حامل تھے منتخب ہوئے افغانستان کو پارلیمانی آزادی کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ جو بہت حد تک آزادانہ انتخاب کے نتیجہ میں وجود میں آیا تھا لیکن جلد ہی رجعت پسندوں نے اس تجربے کا گلا گھونٹ دیا کیونکہ اس تجربے سے بادشاہت اور پرانے سماجی ڈھانچوں کو خطہ پیدا ہو گیا تھا اور ۱۹۵۲ء کے انتخابات سے پہلے ہی تمام ترقی پسند اور آزادیخواہ عناصر کو گرفتار کر لیا گیا اور ان عناصر کے اخبارات بھی بند کر دیئے گئے اس کے بعد داؤد نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا اس کو کسی قسم کی پارلیمانی روایت سے کوئی دلچسپی نہ تھی چنانچہ داؤد نے دس سال تک بلا شرکت غیرے افغانستان پر حکومت کی اس دور میں افغانستان نے تھوڑی بہت اقتصادی ترقی کی۔

لیکن سیاسی عمل کے فقدان نے نوجوان نسل کو مضطرب کر دیا چنانچہ جب ۱۹۶۳ء میں محلاتی اختلافات کی بناء پر داؤد کو مستعفی ہونا پڑا تو پارلیمانی اصلاحات اور انتخابات کی تحریک یکدم زور پکڑ گئی۔ چنانچہ ۱۹۶۴ء میں ایک آئین تیار ہوا جس سے نوجوان نسل کی خواہشات کی تسفی کی اس کے نتیجے میں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۹ء میں دوبار انتخابات عمل میں آئے لیکن آئین کے تحت سیاسی پارٹیوں کے قیام کی دفعہ پر عملدرآمد کھٹی میں پڑا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس آئین سے بھی نوجوان برگشتہ ہونے لگے بلکہ عام افغان باشندے کا بھی چونکہ سیاسی اقتدار میں کوئی حصہ نہ تھا اس لئے وہ بھی عدم اطمینان کا اظہار کرنے لگا۔ چنانچہ یہ مایوسی اور عدم اطمینان کی فضا تھی جس میں داؤد نے کمیونسٹوں کی خفیہ تنظیم دھلق، کے تعاون سے دوبارہ اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ یہ افغان فوج کا پہلا سیاسی عمل تھا اور اس میں پیش وہ فوجی عناصر تھے جو مارٹنیزم انقلابی نظریات سے متاثر تھے اور ان کی جڑیاں خلق پارٹی کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ داؤد نے برسر اقتدار اگر بہت سے مارکسٹوں کو اشتغالی فہم داریاں بھی سونپیں۔ لیکن داؤد کے ان اقدام نے امریکہ اور مغرب کو خاصا پریشان کیا چنانچہ یہ وہ زمانہ ہے جب پاکستان اور افغانستان کے تعلقات بہت کشیدہ تھے نیپ کے خلاف اقدام نے داؤد کو اور بھی مشتعل کر دیا چنانچہ ایک طرف اجمل خشک جو نیپ

کے جنرل سیکرٹری تھے۔ ان کو افغانستان میں پناہ لینے پڑی اور دوسری طرف ٹھہرنے داؤد کے اقدام کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے پاکستان میں مدعو کیا۔ چنانچہ آج کے بہت سے لیڈر اسی زمانے میں ہی پاکستان آئے تھے۔ حکمت مارگلہ بدین خود تسلیم کرتا ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء سے ہی پاکستان میں ہے۔

داؤد جو خلق پارٹی کے حامی فوجیوں کی مدد سے برسرِ اقتدار آیا۔ بالآخر اس نے شہنشاہ ایران سے مالی امداد پر بارکسٹوں سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور باقاعدہ ایرانی خفیہ پولیس ”سادک“ کی امداد حاصل کی گئی تاکہ ترقی پسند عین صر کی نشان دہی کی جاسکے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ”خود ترکی“ کو گرفتار کر لیا گیا اور بہت سے دوسرے کمیونسٹوں پر حملہ کیا گیا۔ چنانچہ اس وقت خلق نے فیصلہ کیا کہ اب اس کے فوجی دستوں کو حرکت میں آنا چاہیے چنانچہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا لیکن یہ پہلا فوجی عمل تھا جس نے اقتدار پر قبضہ کر کے ایک سیاسی جماعت کے سپرد کر دیا۔ اور خود اس کی بالادستی تسلیم کر لی۔

اس لئے جبے ہی خلق پارٹی نے اقتدار سنبھالا اسی وقت سے امریکی اور مغربی نواز حلقے سرگرم عمل ہو گئے۔ اس انقلاب کے بعد خود امریکی حلقوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ اس انقلاب میں سوویت یونین کا کوئی ہاتھ نہیں۔ یہ درست ہے کہ انقلاب کے رہنما کمیونسٹ خیالات کے تھے اس طرح وہ سوویت یونین اور رپورٹری کمیونسٹ دنیا کے دوست تھے یہ ایک بین الاقوامی رشتہ ہے جس سے کوئی بھی انقلابی کہیں بھی انکار نہیں کرتا چنانچہ جب امریکہ اور مغرب کی مداخلت ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو سوویت یونین کے لئے اپنی بین الاقوامی دوستی کے ناطے سے افغانستان کی مدد کو آنا ایک ایسی ذمہ داری تھی جس سے منہ اٹکے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ سوویت یونین اس بین الاقوامی فریضے کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ وہ ڈیکے کی جڑ اس امر کا اعلان کرتا ہے اور اپنے رپورٹوں کو کسی طرح پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ چنانچہ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی پیمپسوں کانگریس جو ۱۹۷۱ء میں منعقد ہوئی تھی اس میں کمیونسٹ پارٹی کے قائد اور پارٹی کے سیکرٹری جنرل یوندر برٹزنیف نے اپنی رپورٹ میں واضح گفتگوں کا نفاذ میں کہا تھا۔

”ترقی پذیر ممالک کے اندر جاری و ساری پیچیدہ سلسلہ ہائے عمل کی جانب سوویت یونین کا رویہ بالکل واضح اور قطعی ہے سوویت یونین دوسرے ممالک اور قوموں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔ یہ ہماری آئینی خارجہ پالیسی کا

کا ایک مستقل اصول ہے کہ ہر قوم، ہر ملک کے اس مقدس حق کا احترام کیا جائے کہ وہ اپنی راہ ترقی کا خود انتخاب کرے لیکن ہم اپنے نظریات کو چھپاتے نہیں ہیں، ہر جگہ کی طرح ترقی پذیر ملک میں بھی ہم ترقی، جمہوریت، اور قومی آزادی کی طاقتوں کے ساتھ ملیں اور انہیں شامل جدوجہد و دست اور ریت سمجھتے ہیں جو ہماری پارٹی ان قوموں کی حمایت کرتی ہے۔ اور کرتی رہے گی۔

اپنی آزادی کے لئے لڑ رہی ہیں۔ ایسا کرنے میں سوویت یونین فوائد کی تلاش نہیں کرتا، یا فوجی اڈے قائم نہیں کرتا۔ ہم اپنے انقلابی ضمیر کے مطابق اپنے کمیونسٹ اعتقادات اور ایقانات کے مطابق کام کرتے ہیں۔

• اور انقلاب افغانستان کو دشمنوں کی بلغار سے محفوظ و مامون رکھنے کے لئے سوویت یونین اپنے انہی اعتقادات کے مطابق، ۲۰ ستمبر ۱۹۷۹ کو اپنی فوجوں کو انقلاب کی حفاظت کیلئے روانہ کیا تھا بالکل اسی طرح جیسے کیوبا کے انقلاب کی حفاظت کے لئے سوویت یونین

انقلاب نے وہاں میزائل نصب کئے تھے اور جیسے ہی اس کو امریکی صدر کینیڈی نے ضمانت دے دی کہ کیوبا کے انقلاب کو ناکام بنانے کے لئے فوجی مداخلت نہیں کی جائے گی کہ سوویت یونین نے میزائل واپس بلا لئے۔ اسی طرح اگر آج امریکہ اور اس کے حامی افغانستان میں عدم مداخلت کی ضمانت دے دیں تو سوویت یونین اپنی فوجیں واپس بلائے گا۔ اب یہ امر کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ ضمانتوں کے لئے پاکستان نے رضامندی ظاہر کر دی تھی لیکن بالآخر امریکہ نے عدم مداخلت کی ضمانت دینے سے انکار کر دیا تھا اور افغانستان کا مسئلہ جوں کا توں رہا اور خود پاکستان کو اپنے معاہدے سے منصرف ہونا پڑا اس طرح ہم آج بھی افغانستان کے مسئلے میں ایک زبردست عالمی محاذ اڑائی میں موثر ملے آ رہے ہیں یہ ایک ایسی محاذ آڑی ہے جس کے نتائج کے متعلق کوئی بھی پیش گوئی نہیں کر سکتا۔

انقلاب افغانستان۔ اور افغان کمیونسٹوں کی غلطیاں

انقلاب ایک نہایت ہی پیچیدہ اور گنجلک عمل ہے اور پانچ دہائیوں میں جہاں صنعتی انقلاب بھی پیا نہیں ہوا۔ مزدور طبقے نے بھی ختم نہیں لیا اور پورا معاشرہ ابھی قبائلی اور جاگیر داری دور سے گزر رہا ہو ایسے ممالک میں انقلاب اور وہ بھی عار کسی اور لیشنی انقلاب جیسا سائنسی انقلاب اور بھی جائے گا۔ سہو ما ہے کیونکہ ایسے انقلاب میں طبقات کے توازن

کو صحیح صحیح ملحوظ رکھنا اور اس کے مطابق آگے بڑھنا یعنی جیسے جیسے انقلاب کے عامی طبقات میں انتشار ہوا اسی کے مطابق انقلابی پالیسیوں کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

اب افغانستان کے کمیونسٹوں نے جب اقتدار سنبھالا اور اس اقتدار کے ساتھ کچھ مخصوص پہلو تھے۔ اولاً یہ انقلاب ایک بڑے پیمانے پر عوامی انقلاب نہ تھا یعنی یہ انقلاب عوام کی خواہشوں کے مطابق ضرورت تھا لیکن منظم عوام اس انقلاب کی پشت پر نہ تھے، کیونکہ عوام کو منظم کرنے کا موقع نہیں ہی ملا تھا۔ اس لئے یہ انقلاب فوج کے ذریعے عمل میں آیا اور اس کے مطابق خلق پارٹی

نے اقتدار سنبھال لیا۔ اب اقتدار سنبھالنے کے بعد جو اعلان کئے گئے وہ ایک جمہوری اور اور قبائلی نظام اور جاگیر دارانہ نظام کے مخالفت انقلاب کہا گیا۔ ایک ایسے ملک میں جہاں پر قبائلی روایات کے علاوہ تاریخ نے افغانستان کے عوام کے سپرد کوئی اور ورثہ ہی نہیں کیا وہاں قبائلی نظام کو ختم کرنے کے لئے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ اسی طرح قبائلی نظام کے اپنے اثرات اور جاگیر داری نظام کا اپنا سہرہ ہوتا ہے جن کو مذہب اور مذہب کے اجارہ دار ملاؤں نے

صدریوں سے تقدس بخش رکھا تھا اب ان سب اثرات کے خلاف جدوجہد ایک طویل اور صبر آزماء عمل ہے اب ہو کیا کہ اقتدار سنبھالتے ہی خلق پارٹی کے قائدین نے اصلاحات کے بارے میں احکام صادر کر دیئے۔ ان احکام کے صدور کرنے سے ان کا خیال تھا کہ عوام شہم زدوں میں ان اصلاحات کے سحر سے متاثر ہو کر ملاؤں اور انقلاب کی حمایت میں نکل کھڑے ہوں گے۔ لیکن وہ یہ بھول گئے کہ ان اصلاحات کی افادیت کو منوانے کے لئے عوام کو ان کی افادیت کا پورا پورا شعور عطا کرنا ہو گا اور اس شعور کے لئے پارٹی کے کارکنوں کو دن رات ایک کرنا کیونکہ سچا رے مزاحم پر تو قبائلی سردار اور جاگیر دار کا جراثیم ہے اس کی پشت پر صدیوں کا تسلسل ہے۔ مذہب نے ان کے تقدس کو بھی جبر بخش رکھا ہے۔ تقدیر پرستی نے اس امر کو ہمیشہ سکھائے جاتا رہا کہ دے دیا ہوا ہے۔ نتیجہ کیا ہوا کہ ہمیشہ اس کے یہ اصلاحات قبول ہوتیں قبائلی سرداروں، جاگیر داروں اور ان کے اجیر ملاؤں نے اودھم مچا دیا اور اسلام دشمن اور مذہب دشمن نعرے زبان زد عام ہونے لگے۔

اس فضا پر قابو پانے کے لئے زبردست محنت، کارکنوں کی تربیت اور پیار محبت سے عوام کو سمجھانے، ملاؤں کو بھی ان کی زبان میں اصلاحات کی اہمیت بتانے کے لئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کی تکمیل ایک متحد اور منظم پارٹی کی ضرورت تھی چونکہ خلق پارٹی کی اساس مزدور طبقہ پر نہ تھی کیونکہ خود مزدور طبقہ افغانستان میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے یہاں پر پارٹی کا پورا بوجھ سرکاری ملازم اور پڑھے لکھے

اساتذہ جن کا تعلق بہت حد تک کھاتے پیتے گھرانوں سے تھا ان پر آن پڑا اور یہ کھاتے پیتے گھرانوں کے نوجوان بالعموم خود پرست ہوتے ہیں وہ اپنا آپ کو عوام سے بالاتر اور عقل کل سمجھتے ہیں جب وہ ملکہ سزیم کی بھی بات کرتے ہیں تو اس میں بھی ان کی اپنی اُنا، "ما کہ سزیم سے زیادہ متحرک نظر آتی ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب افغان اوپری طبقوں نے مزاحمت شروع کی اور سامراج نے ان کی پشت پناہی شروع کی تو بچانے اس کے خلق پارٹی والے اس مزاحمت کا جواب عوامی تنظیم اور عوام کو متحرک کر کے دینے خلق پارٹی والوں نے خود ہی اپنے اندر ایک دوسرے کے خلاف رشتہ کشی شروع کر دی اور وہی خود پرستی کا اظہار ہونے لگا۔ کہ صرف میں ہی صورت حال پر قابو پا سکتا ہوں "جب" میں، "آجاتی ہے، تو دوسرے رفقاء آنکھوں میں کھٹکنے لگتے ہیں اور پارٹی کے اندر گھٹ بند ہی جم لینے لگتی ہے چنانچہ یہی افغانستان کے اندر ہوا۔ اس کے بعد مزاحمت کا جواب تنظیم اور جمہوری طریقوں کی بجائے تشدد اور جبر سے دیا جانے لگا یہ بھی صورت حال جب پیپل پر کارل اور اس کے گروہ حفیظ اللہ امین نے ترکی کے ساتھ مل کر ملک بدر کیا اور آہستہ آہستہ تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر تشدد کا بازار گرم کر دیا۔

دراصل اس تشدد نے سامراج کے لئے راہیں کھول دیں اور قبائلی سرداروں، ملاؤں اور جاگیرداروں کی بن آئی اور وہ عوام کو درغلانے اور یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ کمیونسٹوں کا ظلم تم نے دیکھ لیا۔ اس صورت حال سے سی۔ آئی۔ اے نے پورا فائدہ اٹھایا اور حفیظ اللہ امین کو ایسی پوزیشن میں لے آئے کہ وہ سی۔ آئی۔ اے کے ہاتھ میں کھینے کیلئے تیار ہو جائے۔ چنانچہ جب ۱۹۷۹ء میں ہوانا میں ناوالہستہ ممالک کی کانفرنس منعقد ہوئی اور ترکی اس کانفرنس میں شرکت کے بعد ماسکو سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے تو ماسکو میں پارٹی کے رفقاء نے افغانستان ۔۔۔۔۔۔ کی صورت حال کے بارے میں اپنا تجربہ پیش کیا اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی چنانچہ جب ترکی واپس کابل پہنچا اور بیشتر اس کے کہ وہ پارٹی کو اپنی غلطیاں درست کرنے کے لئے رپورٹ پیش کرتا حفیظ اللہ امین نے اس کو قتل کروا دیا اور خود تمام اختیارات سنبھال لئے۔ انقلاب افغانستان کی تاریخ میں سب سے اہم موڑ تھا کیونکہ ترکی کے قتل کے بعد حفیظ اللہ امین جس راستے پر سرسپٹ دوڑنے لگا وہ رد انقلاب کا راستہ تھا۔ وہ سی۔ آئی۔ اے کا راستہ تھا۔ وہ کھٹ ملاؤں کا راستہ تھا! کیونکہ زبانی انقلابی نعرے جو صورت حال سے لگانہ کھاتے یوں ان کا انجام بالآخر بدترین قسم کے رعبت پسندی سے گٹھ جوڑ میں ہی

نکلتے، عالمی سطح پر عوامی جمہوریہ چین کی مثال سامنے سے کہاں تو امریکی سامراج کو گندہ شیر، کے لقب سے کھانا جاتا تھا۔ کہاں امریکی سامراج سے گفتگو کرنے کو غدار سی سمجھا جاتا تھا۔ اور سوویت یونین کو اسی گفتگو کی بنا پر ”سوشل امپریلزم“ کے لقب سے توڑا جاتا رہا لیکن کہاں یہ انقلابی شعور اشوری اور کہاں اسی امریکی سامراج کے دم پھلانے چلے گئے، چلی کی فوجی آمریت کو خوش آمدید کہنے کے لئے چلی کے جمہوری صدر کے قاتلوں سے معاملہ کرنے میں کوئی شرم محسوس نہ کی گئی۔ اسی طرح پاکستان کے چین نواز بائیں بازو کے انقلابی ایک وقت میں تیوم خاں مرحوم جب بھٹو کے وزیر داخلہ تھے کے تنخواہ یافتہ انجمن بن کر نیپ کی وزارت کے خلاف سرگرم ہونے میں کوئی قیاحت اور شرم محسوس نہیں کرتے تھے سو ہیئر میٹل بازو کی طفلانہ انقلاب پرستی بالآخر رد انقلاب کے کیمپ میں لے جاتی ہے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۷۹ء کے بعد بھی صورتحال افغانستان کے انقلاب کو درست نہیں، اس موقع پر عوامی جمہوری پارٹی کے کچھ رفقاء نے اس پوری صورت حال کو بدلنے اور تحفظ اللہ امین کی جملک پالیسیوں کی مزاحمت کا فیصلہ کیا اور اس نازک ترین حالات میں عوامی پارٹی کی اکثریت نے سوویت یونین کو امداد کے لئے لکھا۔ ویسے افغانستان کی جمہوریہ اور سوویت یونین کے مابین اس امر کا معاملہ بھی تھا لیکن سوال قانونی اور وکیلانہ نوٹنگائیوں کا ہی نہیں بلکہ اصل مسئلہ ایک سماجی تبدیلی کے عمل کو جس کو زیر دستی بیرونی مداخلت کے بل پر تھیں نہیں کیا جا رہا ہو اس کو دشمنوں اور رد انقلاب کے حامیوں سے محفوظ رکھنے کا سوال تھا جس کا جواب سوویت یونین نے اپنی فوجوں کو افغانستان کے اندر داخل کر کے دیا۔ ویت نام میں اسلحہ بھیج کر یہی بین الاقوامی فریڈلڈا کیا گیا۔ انگولا میں کیوبا کے فوجیوں اور سوویت یونین کے اسلحہ سے ہی بین الاقوامی فریڈلڈا کیا گیا اور یہ آج نہیں جب سوویت یونین تنہا تھا۔ کوئی سوشلسٹ بلاک و جہود میں بھی نہیں آیا تھا تو اس وقت بھی ۱۹۴۶ میں سوویت یونین اور عالمی کمیونسٹ تحریک نے سپین کی جمہوریہ کے خلاف فرانکو کی بغاوت کی مزاحمت کی تھی اور اس ہسپانوی جمہوریہ کے لئے دس دس سے کمیونسٹ اور ترقی پسند شمشیر بدست پہنچے تھے۔ اس پورے دور کی جدوجہد کی تاریخ میں اگر قاری کو دلچسپی ہو تو اسے میری کتاب ”داستانِ وار ورسن“ پڑھنی چاہیے۔

انقلاب افغانستان کی کامیابیاں اور کامرانیوں

میں نے جمہوری پارٹی اور اس کے قائمین سے اس انقلابی عمل کے دوران جو غلطیاں سرزد ہوئیں ان کی نشاندہی کر دی ہے لیکن کون سے انقلابی عمل میں شریک پارٹیاں غلطیوں

سے ممبرا ہوتی ہے لیکن یہ جو کمیونسٹ پارٹیاں ہوتی ہیں ان کی ایک بنیادی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنی کارکردگی کا مسلسل تجزیہ کرتی رہتی ہے اور اپنی غلطیوں سے آگاہ ہونے کیلئے گوشاں رہتی ہیں تاکہ ان کو درست کر کے صحیح راہ اختیار کر سکیں۔ اسی لئے لینن نے پارٹی کو انقلابی محنت کشوں کا ہر اول دستہ کہا تھا۔ چنانچہ اسی ہر اول دستہ نے ہی یہ محسوس کیا حفیظ اللہ امین کی پالیسیوں نے ہی اس کو براہ راست سی ای ۲ کے کمپ میں پہنچا دیا تھا۔ اس لئے اگر انقلاب کو محفوظ و مامون کرنا ہے اور اس کو آگے بڑھانا ہے تو پھر حفیظ اللہ امین کی قیادت سے ہی نہیں بلکہ اس کی تمام پالیسیوں سے دامن چیرنا ہوگا چنانچہ جب دسمبر ۱۹۴۹ء میں حفیظ اللہ امین پارٹی کے اجلاس میں مزاجرت کے دوران مارا گیا اور اس کے بعد پارٹی نے ببرک کارمل کو پارٹی کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا تو اس نے ۲۴ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کابل ریڈیو سے تقریر نشر کرتے ہوئے کہا تھا۔

آج افغانی عوام کو آزادی حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے ایک نیا ختم لیا ہے۔ اور وہ بالآخر ظلم اور تشدد کی شب سیاہ کا پردہ چاک کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور حفیظ اللہ امین کی قتل و غارت، ایذا رسانی کی پوری شینیری کو تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔ یہ وہی شینیری تھی جس کی پشت پناہی شاہی خاندان کے نیچے کچھے افراد، قبائلی سردار اور داؤد کے حامی اور ان کا سرغنہ امریکی سامراج کر رہا تھا۔ سماجی اور معاشرتی تشدد کے آخری نشانات تک مٹا دیئے گئے ہیں۔ ببرک کارمل نے اس پورے دور کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔

د حفیظ اللہ امین جو بنیادی طور پر جہادری تھا دراصل افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی میں پہلے دن ہی ۱۹۷۵ء میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ ۱۹۷۵ء کا سال تھا جب افغانستان کے بہترین سپوت نور محمد ترکئی کی قیادت میں یہ عوامی جمہوری پارٹی قائم کی گئی۔ لیکن بد قسمتی سے پارٹی بہت دنوں تک متحدہ نہ رہ سکی اور دو آزاد حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ دس سال کے اختلافات کے بعد اور دوری کے بعد وہ اپنی اپنی حصوں اور دھڑوں کی کانفرنس ہوئی جس میں پارٹی کو متحد کر کے ۱۰۰ اراکین پر مشتمل ایک سنٹرل کمیٹی قائم کی گئی اور نور محمد ترکئی کو پارٹی کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا اور ببرک کارمل کو سنٹرل کمیٹی کا سیکرٹری اور پلانٹ

سیور و کارکن منتخب کیا گیا اور اس وقت سے ہی ایک قومی جمہوری اور جاگیر داری مخالف انقلاب کی تیاری شروع ہو گئی اور جو اپریل ۱۹۷۸ء میں رونما ہو گیا۔ لیکن بد قسمتی سے شروع سے پارٹی کے احتجاج میں کمزوریاں در آنے لگیں بلکہ اس احتجاج میں دراز پس پڑنا شروع ہو گیا اس نا اتفاقی اور عدم اعتماد کی فضا سے سامراجیوں کے پیٹھ حفیظ اللہ امین نے فائدہ اٹھا کر پارٹی اور نواسختہ حکومت کے اہم اور کلیدی عہدوں پر قبضہ کر کے پارٹی کے دیانتدار اراکین کے خلاف متشددانہ کارروائیاں شروع کر دیں جس کے نتیجے میں پارٹی کے کئی اراکین کو ملک چھوڑنا پڑا اور کئی ایک زمین لیتی خفیہ طور پر کام کرنے لگے کئی ایک کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار ہونے والے پارٹی ممبروں کی تعداد سو تھی جن میں سے پانچ سو کو گولی مادی گئی۔ باقی چار سو کو دسمبر ۱۹۷۹ء کی تبدیلی کے بعد سچا لیا گیا۔ یہ ظلم و ستم صرف پارٹی کے ممبروں پر ہی نہیں راکھا گیا۔ بلکہ کئی سودا فروش، ترقی پسند اور جمہوریت دوست بھی اس کے مظالم کا شکار بنے۔

لطف یہ ہے کہ اس پورے ظلم و متشددانہ کارروائیوں کے خلاف مغرب کی حکومتیں چپ سادھے رہیں لیکن جیسے ہی حفیظ اللہ امین کو جمہوری پارٹی نے قیادت سے محروم کیا اور اس کشمکش میں اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تو مغربی اور امریکی سامراج بوکھلا اٹھے چنانچہ ۲۷ ستمبر ۱۹۷۹ء کو افغانستان کی حکمران جمہوری پارٹی نے ایک بیان میں کہا تھا۔

امریکہ کے صدر حفیظ اللہ امین کو افغانستان کا جائز حکمران قرار دیتے ہوئے شرم محسوس ہونی چاہیے کیونکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حفیظ اللہ امین غاصب تھا۔ جس نے سازش کے ذریعے افغانستان کے جائز حکمران نور محمد ترکئی کو اقتدار سے محروم کر کے ایک خونی آمریت قائم کی۔ امریکی انتظامیہ اس وقت کیوں خاموش رہی جب افغانستان کے اندر سی بیٹروں اور ہاکوں مجاہدین وطن اس غاصب کے احکا کی بنیاد پر قتل کئے گئے، ان میں دانش ور بھی تھے۔ مذہبی عالم تھے اور مزدور کسان بھی تھے۔

بہر حال کارمل نے افغانستان کی جمہوری پارٹی اور حکومت کی قیادت سنبھالنے کے بعد اپنی پارٹی کی پالیسی کے بارے میں جو پہلی وضاحت کی تھی۔ اس میں صاف طور پر یہ کہا گیا تھا۔

میرے عزیز بہ وطن! انقلابی کونسل واضح طور پر اعلان کرتی ہے کہ جمہوریہ افغانستان اقتدار اعلیٰ پر سے عوام کی ملکیت ہے ہم جتنی جلد ممکن ہو سکا قومی جمہوری عناصر کا ایک وسیع پیمانے پر متحدہ محاذ قائم کریں گے جس کی قیادت افغانستان کی جمہوری پارٹی جو افغانستان کے محنت کشوں کی پارٹی ہے کرے گی۔ ہم تمام جمہوری آزادیوں کی ضمانت دیں گے، جن جمہوری آزادیوں میں محب وطن سیاسی جماعتوں کا قیام و تشکیل بھی شامل ہے ذرائع ابلاغ کی آزادی تحریر و تقریر اور اجتماع کی آزادی مہیا ہوگی۔“

اب یہی وہ بنیاد ہے جس کو سامراج پسند نہیں کرنا کیونکہ ان جمہوری آزادیوں اور ان کے ساتھ سماجی تبدیلیوں کی وجہ سے اگر مستحکم اور مضبوط انقلابی افواج تشکیل ہو تو وہ پھر پورے خطے میں انقلابی تبدیلیوں کا نقیب بن کر ابھرے گا اور یہ صورت حال میں نہ سامراج کے لئے گوارہ ہے اور نہ خطے کے رجعت پسند حاکموں کے لئے۔ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ افغان انقلاب کو جس طرح بھی ناکام بنایا جائے لیکن انقلاب کو ناکام بنانے کے طریقے ہوتے ہیں۔

(۱) تحریکی کارروائیوں کے لئے عام تر الناس میں خوف و ہراس پیدا کیا جائے تاکہ وہ دلجمعی سے نہ کاشت کر سکیں، نہ کارخانوں میں محنت کر سکیں۔

(۲) کھیتوں، کارخانوں، سکولوں، ہسپتالوں کو بھوس سے اڑایا جائے تاکہ انقلابی حکومت عوام کو سہولتیں مہیا کرنے کے لئے جو اقدام کر رہی ہے ان کو غارت کیا جائے۔ اور اس طرح سے عوام میں بددلی پیدا کی جائے۔ اور اس طرح انقلابی حکومت کو عوام کی تائید سے محروم رکھا جائے۔

(۳) مساجد پر خاص طور پر بھاری کی جائے اور عوام میں یہ افواہیں پھیلائی جائیں کہ یہ سب کیورنسٹ کر رہے ہیں کیونکہ وہ مذہب کے دشمن ہیں۔

لیکن کیا رد انقلاب کی طاقتیں اور سامراج اپنے ان عزائم میں کامیاب ہو جائیں گے؟ میرا جواب نفی میں ہے، کیوں؟

یہ درست ہے کہ انقلاب کو ایسے حالات میں جبکہ امریکی سامراج اپنے رجعت پسند دوستوں کی توجہ ظفر موج کے ساتھ اس انقلاب کو لپٹا کرنے پر تکل ہو تو انقلاب کو محفوظ و مامون کرنا ایک طویل اور صبر آزما کام ہے۔ اور جب تمام مغربی ممالک نے ذرائع ابلاغ من گھڑت خبروں کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو یہ تاثر دینے میں مصروف ہوں

کہ انقلاب افغانستان اب پسپا ہوا۔ ان خبروں کے ذریعے جتنے روسی اور افغانی سمجھنے پہنچے پانچ چھ برس میں مارے گئے اگر اعداد و شمار کو اکٹھا کیا جائے تو اب تک روس کی آدھی فوج اور افغانستان مکمل فوج ہونے لگی ہے۔ دراصل جس طرح امان اللہ کی اصلاحات کے زمانے میں اس کے خلاف خبروں کا مرکز پشاور بنا ہوا تھا۔ اسی طرح آج بھی اسلام آباد میں باقاعدہ ”افغان ایجنسی“ کے نام سے ایک نوزائیدہ ایجنسی کام کر رہی ہے جس کے تمام اخراجات بیرونی طاقتیں اور جماعت اسلامی برواشت کر رہی ہے۔ ان تمام کارروائیوں اور بیرونی قائدین کو مہاجرین کیمپوں کے دورے کرانے اور قلعہ بنانے کا مقصد عالمی رائے عامہ کو انقلاب افغانستان کی ناکامی کا یقین دلانا ہے اور اس طرح افغانستان کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اور افغانی عوام روز بروز انقلابی اصلاحات سے مستفید ہونا شروع ہوئے ہیں اس سے رائے عامہ کو شناس نہ ہونے دیا جائے۔

اب افغانستان کے اندر صورت حال یہ ہے کہ پہلی بار تمام کسانوں کو کاشت کرنے کے لئے زرعی اراضی ملی ہے۔ سود سے پیسہ کا حاصل ہوا ہے۔ عورتوں کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ ان تمام اصلاحات کو مؤثر بنانے کا فریضہ پارٹی کے کارکن کر رہے ہیں۔ اب تک سوشلسٹ ملکوں سے تقریباً ۲۰ ہزار نوجوان تعلیم حاصل کر کے افغانستان پہنچ چکے ہیں اب یہ مملکت کے اداروں کو نئے سرے سے منظم کرنے میں مصروف ہیں اور پہلی بار تاریخ میں افغانستان کے اندرونی علاقوں میں ایک پائیدار اور مستحکم اداروں والی حکومت میسر آئی ہے جو عوام کی مشکلات حل کرنے میں مصروف ہے اور جیسے جیسے عوام کی مشکلات دور ہو رہی ہیں، ان کی عزت میں کمی آ رہی ہے، ان کی جماعت و پسماندگی دور ہو رہی ہے، اور ان کو جمہوری پارٹی کے اغراض و مقاصد سے واقفیت ہو رہی ہے ویسے... عوام حکومت کی تائید میں اٹھ کھڑے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اب رد انقلاب کے حامیوں کی تخریب کاری کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے ہماری اپنی جمہوری اور سماجی تبدیلی کی تحریک افغانستان کے انقلاب سے وابستہ ہو گئی ہے۔ جیسے جیسے انقلاب افغانستان کامیاب و کامران ہو رہا ہے ویسے ہی ہماری آزادی اور خوشحالی کی تحریک بھی تندرست و توانا ہو گی۔

کوئی پسند کرے یا نہ کرے تاریخ کی جدلیات کا ہی تقاضا ہے۔ لیکن ہم جتنی

جلد ہی اس حقیقت کا شعور حاصل کر کے اس خطے میں افغانستان کے انقلاب کی حقیقت کو تسلیم کر لیں۔ اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں ہم محاذ آرائی کی فضا سے جان چھڑا کر اپنی پوری توجہ اپنے حالات کی بہتری کی طرف کرنے پر قادر ہو سکیں گے۔

سی آئی اے کی فراہم کردہ رقوم سے جو اسلحہ افغانستان کے انقلاب کے خلاف لڑنے والے افغانوں کو بھیجنے کے لئے خریدنا ہے اس کے بارے میں حال ہی میں جو انکشافات ہوئے ہیں وہ خافصہ چونکا دینے والے ہیں۔ چنانچہ امریکی سینٹ کے ایک رکن سٹرگورڈن ہمفری اور امریکی افغان ایجنٹن کی فیڈریشن کے ڈائریکٹر مسٹر میتھیو اہرنے حال ہی میں مشترکہ طور پر ایک پریس کانفرنس کو خطاب کیا۔

اس پریس کانفرنس میں ان کے ہمراہ انقلاب مخالف چار افغان بھی موجود تھے۔ اس پریس کانفرنس میں انکشاف کیا گیا کہ پچھلے چار برس میں افغان انقلاب کی مزاحمت کرنے والوں کو ۳۸۰ اور پچاسویں ڈالر کے درمیان جو امداد روانہ کی گئی ان میں سے مزاحمت کرنے والوں کو صرف ۵۰ ملین ڈالر پہنچے سکی ہے۔ سینٹر نے واشنگٹن الفاظ میں کہا اس امداد کو بڑے پیمانے پر خورد برد کیا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ان مزاحمت کرنے والوں کو شدید جانی نقصان ہو رہا ہے اور وہ تسکین اٹھا رہے ہیں سینٹر ہمفری نے کہا کہ وہ اس خورد برد ہونے والی امداد کا مسئلہ اگلے مہینے کانگریس میں اٹھائیں گے۔

عبداللہ ملک

کی اہم کتابیں

داستان دارورسن : صفحات ۳۵۰، سائز ۱۸×۲۲، جلد مہ گروپوش

قیمت ۱۳۵ روپے

یہ کتاب پاک و ہند اور بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک سے متعلق ہے۔ ایوب شاہی دور میں مارے جانے والے مشہور کمیونسٹ لیڈر حسن ناصر کی شہادت کی پوری تفصیلات کس طرح شاہی قلعہ میں اس کی موت ہوئی اور اس موت کا بانی کورٹ میں کیسے چسپاں ہوا، کتنے مقدمے چلے، کتنی تہمتیں ہوئیں۔ ان سب تفصیلات کو پہلی بار قلم بند کر کے لکھا جی کیا گیا۔ اس کی پوری تاریخ اور اس دور کی کمیونسٹ تحریک کے عروج و زوال کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح سے اس میں کیمپلور کے مسیروں کا تذکرہ ہے جو عین شباب میں ۱۹۴۷ء میں بہاولپور کی بغاوت میں بندوق بدست مارا گیا۔ یہ سردار جو تیل سے فرار ہوا۔ اس کی پوری کہانی ہے کیسے اُس نے روپوش رہ کر انقلابی تحریکوں میں حصہ لیا۔ کیسے وہ دیس دیس میں روٹی روزگار کے لئے مارا مارا پھرا۔ اور وہ پھر کس طرح بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک میں شریک ہوا۔ یہ سب کہانیاں ان صفحات میں بکھری پڑی ہیں۔

یہ بھی نہیں بلکہ بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کے بعض عظیم دانشوروں کی زندگی و حیات اور ان کی تحریروں کی کتاب میں پہلی بار لکھا جویں۔ ان میں جی گوپال کی مفصل سوانح اور تحریروں ہیں۔ ان میں سیسرز کے لیڈر پی۔ بی۔ جیجو سلوکیہ کے جیلز فیوچر، انگلستان کے رالف فاکس اور چین کے سات شہید ادیبول کا تذکرہ شامل ہے۔

پنجاب کی سیاسی تحریکیں

۶۱۹۲ء سے ۱۹۲۰ء تک

صفحات ۳۵۰، جلد میں گرد پوشش

سائز ۱۸×۲۲، قیمت ۳۵ روپے

ان صفحات میں اس دور کی ان تحریکوں کا تذکرہ اور تجزیہ ہے۔ جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے پتلے متوسط طبقہ کو متاثر کیا۔ ان تحریکوں کی تاریخ ہی نہیں بلکہ اس وقت کے پنجاب کا پورا سیاسی و سماجی پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان تحریکوں میں راشٹریہ سبک سنگھ ہے۔ مجلس احرار ہے، خاکسار ہیں، بھین غبیدی کی تحریک کا تذکرہ ہے۔ تادیانیوں کی تحریک کی مقبولیت اور مخالفت کی روئداد اور فیصلی تجزیہ ہے اردو ہویا انگریزی ان تحریکوں پر کوئی بھی ایسی جامع کتاب ابھی تک سپرد قلم نہیں کی گئی۔

بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جد آزادی

۶۱۷۵ء تا ۶۱۸۵ء

صفحات ۵۰۰، سائز ۱۸×۲۲، قیمت ۵۰ روپے

یہ ضخیم کتاب بنگالی مسلمانوں کی تاریخ ہے اس میں انگریزوں کی آمد اور اس کے بددست دواہی کے نتائج میں پلنے والی مذہبی اور کاشتکاروں کی تحریکوں کی روئداد ہے بنگال میں اسلام کیسے آیا اور اس نے کن طبقوں کو متاثر کیا۔ بنگالی زبان اور ادب کیسے متاثر ہوئے۔ ان تمام باتوں کا ذکر ان صفحات میں ملے گا۔ اس میں ”زین خدا کی ہے“ یہ نعرہ بولوی شریعت اللہ نے بلند کیا۔ جو مسلمانوں کی تحریک کے بانی تھے۔ ان تمام تحریکوں کا تذکرہ ہی نہیں۔ بلکہ ان تحریکوں اور سید احمد شہید کی تحریک کے تعلق پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کیسے بنگال اور سید کے کاشتکاروں پر ہندوؤں کی جدوجہد کے لئے جمع ہوتے رہے۔ اس کتاب سے بنگالی مسلمانوں کے اس ورثے کا پتہ چلتا ہے جو ہم سے ہر آہنگ جنی تھا اور الگ بھی، اور ایک صدی بعد کے رونما ہونے والے واقعات کا پورا پس منظر اس کتاب سے اجاگر ہوتا ہے۔

دنیا نے عرب ہو یا سیاہ فام جیالوں کا برہم افروختیہ

یا پھر ایشیا اور لاطینی امریکہ کے مختلف ممالک ہوں
غرضیکہ تیسری دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک ایک ہی مل سے دوچار ہیں کہ
فوج اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کر رہی ہے !

آخر کیوں ؟ اس سوال کا جواب

عبداللہ ملک

اپنی نئی کتاب

فوج اور اقتدار اعلیٰ

(ابتدائی بحثیں) میں دیتے ہیں

ان صفحات میں عبداللہ ملک نے قدیم سماج سے لے کر موجودہ دور تک کا احاطہ کیا ہے اور ان سوالوں کا جواب

تلاش کیا ہے — کیا حکومت دریا ست ازل سے تھیں ؟

— حکومت دریا ست کتنے مختلف اڑوں — فوج، عدلیہ، تنظیم کے کچھ جنم لیا ؟

— فوج کی اہم خصوصیات کیا ہیں جو کہ کو اقتدار پر قبضہ کے لائق بناتی ہیں ؟

اور پھر — تیسری دنیا کیلئے ؟

— دوسری دنیا اور پہلی دنیا کو کنسی ہیں ؟ قیمت : ۳۵ روپے

اور ہم تیسری دنیا کے بسنے والوں کا مقتدر

فوج کا اقتدار کیوں ہوتا ہے — ؟

۱۳۴ طیبہ بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۹

فون - ۸۵۱۳۰۰

کوثر پبلشرز

مرے چارہ گر کو فیدہ جو صفہ ششمال کو خبر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا
تھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

۱۹۵۳ء میں اس روشنیوں کے شہر لاہور پر پہلا مارشل لا نافذ کیا گیا تھا اور اس کی روشنیاں بجھ گئی
تھیں یہ تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔ اس موقع پر مرکزی قانون ساز اسمبلی میں میاں افتخار الدین
نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

”مجھے ڈر ہے کہ اس مارشل لا کے ذریعے بے ایمان حکمران طبقے نے اپنے اقتدار
کو طوالت دینے کا ایک نیا اور منکط طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے۔“

- یہ وہی میاں افتخار الدین تھا جس نے ”پاکستان نامہ“ اور ”امروز کی داغ بیل“ والی تھی۔
- یہ وہی افتخار الدین تھا جس کو جمہوریت پسندی کی بنیادیں ان اخبارات سے ہاتھ دھونڈا پڑا اور
جنرل ایوب کے مارشل لانے ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔
- یہ وہی افتخار الدین تھا جس نے سب سے پہلے پاکستانی حکمرانوں کو ان کے غیر جمہوری اقدام پر بلکھارا اور
ملک بھر میں عام انتخابات کا مطالبہ کیا تھا۔
- یہ وہی افتخار الدین تھا جس نے مشرقی پاکستان کے لیے آواز اٹھائی اور اس کی خود مختاری کو تسلیم کرنے
اور اس کے ساتھ کنفیڈریشن کے قیام کا مطالبہ کیا۔
- یہ وہی افتخار الدین تھا جو جمہوریت کا مجاہد بھی تھا اور مارکسٹ بھی تھا۔

اسی مجاہد کی داستان حیات

عبد اللہ ملک

رقم کرتے ہیں اور آگسٹورڈ میں مارکی انکار سے متاثر ہونے تک تجزیہ کرتے ہیں — یہ نئی کتاب ہے۔

سوانح
میاں افتخار الدین

عالمی کمیونسٹ تحریک

آئسٹ طباعت

قیمت - ۲۰/-

کوثر پبلشرز ۱۳۲ ٹیپو ہاک ۰ نیوگارڈن ٹاؤن لاہور ۱۹۵۳ء

ارضِ جنت

سوویت یونین

نیا آئین اور سفر نامہ

یہ عبد اللہ ملک کی نئی کتاب ہے۔

سوویت روس دنیا کا سب سے متنازع ملک ہے اور سب سے وسیع ملک بھی ہے۔ ایک عالم کے محبوب اور تہوار انسان اگر اس سے محبت کرتے ہیں تو امریکی جنگ بازوں سے لے کر پاکستان کے رجعت پسندوں تک سب اس کے خلاف تلواریں میدان کارزار میں اترنے کے لئے تیار نظر آتے ہیں۔

آخر کیوں؟

کیا واقعی سوویت روس اتنا برا ملک ہے؟ کیا وہ ہمارا ہمسایہ نہیں ہے؟ کیا اس نے پاک تان کو توڑا ہے؟ کیا وہاں انسانی حقوق محفوظ نہیں؟ کیا وہاں جمہوریت نہیں ہے؟ کیا وہاں شہری آزادیاں نہیں ہیں؟ کیا وہ ایک عظیم موشٹ ملک نہیں ہے؟ جس میں بیرون گاری ختم ہو گئی ہے جس میں جنگ لائی نہیں ہے۔

ان تمام سوالوں کا جواب عبد اللہ ملک نے اپنی اس کتاب میں دیا ہے۔ عبد اللہ ملک نے پہلے دنوں ایک مہینہ سوویت روس میں گزارا اور یہ لیاقت تھا جب سوویت روس اپنا نیا آئین منظور کر رہا تھا۔ پناہ پر عبد اللہ ملک نے سوویت روس کے تمام کچے کینوں یعنی ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۳ء کے آئینوں کی ایک طرے تاریخ اور وہ پس نظر بیان کر دیا ہے تو دوسری طرف ۱۹۷۷ء کے آئین کا پس نظر اور اس کی اہم خصوصیات شرح و ربط کے ساتھ قلم بند کر دی ہیں اور آئین بھی درج کر دیا ہے۔

سوویت یونین ایک عظیم موشٹ ملک ہے۔ ہمارا عظیم ہمسایہ ہے اس کے متعلق جاننا از بس مفردی ہے۔ امریکی اور مغربی ملک یا ہمارے ہاں کے سرمائے داروں کے جمنو اخباروں پر تکیہ کرنا اور یقین کرنا اپنی قوم سے اپنے پاکستان سے غداری ہے۔ یہ کتاب آپ کے علم میں اضافہ ہی نہیں کرے گی بلکہ آپ کے بہت سے کشمکش اور غلط فہمیاں بھی دور کرے گی۔

قیمت ۲۵ روپے

ہم زبان چپ ہو گئے، ہم داستان چپ ہو گئے
کیسے کیسے مغل آرا، ناگہاں چپ ہو گئے

————— ماہی علی بیگ

شورشِ بنا عبد اللہ ملک

- شورش کا شیر کیسے شتر نایاب خطوط کا عکسی مجموعہ
- اس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران جب وہ ڈیفنس آف انڈیا میں
کے تحت سزا کاٹ رہا تھا تو مختلف جیلوں سے میرے نام پر خطوط رقم کیے تھے
- یہ شورش اور عبد اللہ ملک کی دوستی کی داستان ہے
- عبد اللہ ملک نے ان خطوط اور شورش کی اس دور کی زندگی کے بارے
میں تفصیلی دیباچہ بھی رقم کیا ہے اور اس کی مختلف تحریکیں بھی دی ہیں۔
- یہ پوری کتاب شورش اور عبد اللہ ملک کے اپنے مینڈرائٹنگ میں رقم ہوئی
ہے اور ان کا تصویریری عکس نے کر شائع کیا گیا ہے۔

قیمت ۳۵ روپے — بڑا سائز — مضممت دوسو صفحات — جلد

کوثر پبلشرز: ۱۳۴ ٹیبو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶ فون نمبر
۸۵۱۳۰۰

کہنے کی ہے ہو س کبھی کوئے بتاں کی ہے
بھ کو تیر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

عبداللہ ملک

کیونٹ ہے اور ج کو جاتا ہے، ترین شریف اور مسجد نبوی
میں بیٹھ کر ان تمام وارداتوں کو قلم بند کرتا ہے جو اس کے دل پر بہتی ہے

یہ اس کی نئی کتاب ہے

حدیثِ دل

ایک کیونٹ کا روزنامہ چرچ — اُردو ادب میں بالکل انوکھا تجربہ

بڑے سائز کے ۲۰۸ صفحات، سفید موٹا کاغذ

تصویر صورت جلد قیمت: ۵۰ روپے

عبداللہ ملک کی نئی تصنیف

جھوٹا مقدمہ

سچا ملزم

سماجی انصاف چاہنے والوں کو ہمیشہ نا انصافیوں اور ان کی عدالتوں کا منہ
کرا پڑتا ہے۔ تین سو اوراق بھی ایک ایسی ہی نا انصافی پر مبنی مقدمے کی رویداد ہے۔

دیکھتے ہیں کہ یہ مقدمہ
کیونست تحریک میں لکھا گیا ہے

اور جھوٹا مقدمہ قائم کرنے والا تھا۔ مٹلے سب دیکھتے ہیں کہ اس مقدمے کا مطالبہ کیا تھا
کیا وہ اپنے ان ارادوں میں کامیاب ہو سکا؟ کیا وہ دیکھتے ہیں کہ موت دلا سکا؟

ان سوالوں کا جواب آپ کو ان اوراق میں ملے گا
اور یہی نہیں بلکہ پورے انقلابی دور کی داستان ان اوراق میں قلمبند کی گئی ہے اور اس مقدمے
کی پوری رویداد اور دیکھتے ہیں کہ مکمل سوانح۔ ایک دیکھتے ہیں کہ دستاویز ہے۔

کوثر پبلشرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳۴ بی بی گ

بگلا طائر لاہور ۱۶۲۰۰
فون نمبر ۸۵۱۴۰۰

— آئٹم پر مع تصاویر

— صفحہ ۳۰۰

قیمت: تیس روپے